۱۹۸۶

جلوۂ فرنگ

از

شیخ ابن الکریم

ملنے کا پتہ

"دارالاشاعت" - اکبر منزل - گلی کلاں بخشے والا - گوجرانوالہ

گلدستہ

اکبرؔ یہی فرماتے رہے۔ تیغ سے پھیلا اسلام
یہ نہ ارشاد ہوا۔ توپ سے کیا پھیلا ہے

اکبرؔ۔ وہ اس کو محو کلیسا بنا کے چھوڑیں گے
اس اونٹ کو خرِ عیسیٰ بنا کے چھوڑیں گے

اکبرؔ خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں
حجاب ان کو نہیں آتا۔ انہیں غصہ نہیں آتا

تحفہ

حالیؔ سے کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں

مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں

حالیؔ سے۔ لی ہوش میں آنے کی اجازت جو ساقی سے

فرمایا خبردار کہ نازک ہے زمانہ

نغمہ کجا و من کجا سازِ سخن بہانہ ایست

سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

اقبالؔ سے نالے بلبل کے سنوں اور ہمہ تن گوش رہوں

ہمنوا میں بھی کوئی گل ہوں کہ خاموش رہوں

تحفہ (۲)

اقبال ؎ ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

مضطر ؎ کس کو سناتے ولیت کی روداد خوں چکاں

تھے نکتہ چیں ہزار کوئی نکتہ داں نہ تھا

اقبال ؎ تمہاری تہذیب اپنے ہاتھوں سے آپ ہی خودکشی کریگی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا

درد ؎ شیخ کعبہ ہو کے پہنچا ہم کنشت دل میں ہیں

درد منزل ایک تھی کچھ راہ ہی کا پھیر تھا

غالب ؎ ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

ریاض ؎ اٹھے کبھی گھر سے تو مے خانہ کو ہو آئے

آئے تو پھر بیٹھ رہے یاد خدا میں

اقبال ؎ دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب. تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

اغلاط نامہ

کتاب پڑھنے سے پہلے یہ اغلاط درست کر لیں ورنہ مطالعہ بدمزہ رہے گا۔

صفحہ	غلط	صحیح	صفحہ	غلط	صحیح
۱۴	پیڈ	بیڈ	۶۰	ہمدردی کر کے	ہمدردی حاصل کر کے
	برطانیہ	برطانیہ اندھیرے میں تھا	۶۲	گورر	گورنر
۱۷	اجارہ	اجارہ دار	۶۸	جال	چال
۱۷	بائے	پائے	۷۳	کدتی	کرتی
۲۱	غیر ملکی	غیر ملکی	۷۷	اُن کی	اُن کے
۲۳	جینت	جنت	۷۷	لوبت	نوبت
۲۴	رتے	رہتے	۷۹	ارزاروں	بازاروں
۲۶	ہمی	بہی	۷۹	فرمادیں	فریادیں
۲۹	برنتری	برتری	۸۱	بستے	بیتے
۴۱	انگریردں	انگریزوں	۸۴	برٹس	برٹش
۴۲	پانی	پرانی	۸۹	کھایا چکا	کھا چکا
۴۳	کہلاتا تھا	بن گیا	۹۱	اور نہ	ورنہ
۴۴	ازا	افراد	۹۳	بخیلی	بخل
۴۶	کوتاہ اندیش	کوتاہ اندیشی	۹۶	غزبوں	عربوں
۴۸	فرائض	فرائض	۹۷	توں	باتوں
۵۰	سناکریم سے	سنایا کرتا یا	۹۹	گھریلو	گھر
۵۰	جولش	جولس	۱۰۵	ساران	سامان
۵۸	اپنی	×	۱۱۷	دوزح	دوزخ
۵۹	رکھی	رکھتی	۱۱۹	لبصورتی	خوبصورتی
۶۰	دوسرے	دہ سرے	۱۱۹	بہ	یہ
۶۰	بلک	ملک	۱۲۱	ترقی پھر	ترقی پر

صفحہ	غلط	صحیح
۱۲۲	خاص پر	خاص طور پر
۱۲۳	کے مرغیاں	کے لئے مرغیاں
۱۲۴	مال کی برآمد	مال کی درآمد
۱۳۰	لے	نے
۱۳۵	کمالک	ممالک
۱۳۹	بھی کو	بھی
۱۴۰	کردیا کردیا	کردیا
۱۴۲	جوائیٹم ایٹم	جوائیٹم بم
۱۴۵	ساسی	سیاسی
۱۵۰	ہیں	میں
۱۵۰	منتبلا نہ ہونا	مبتلا ہونا
۱۵۰	بجرنے	بجرے
۱۵۶	آزاد - آزاد	آزاد
۱۵۶	پارک	بارک
۱۵۸	اور ادر	اور
۱۶۰	چھٹ	چھت
۱۷۱	کنگھی	کنگھی
۱۷۸	ذلت	ذات
۱۷۹	اس اس	اس
۱۷۹	اب وہ اپی	اپنی
۱۸۰	پہنچپی	پہنچتی
۱۸۲	آئین روایاپر بہت رہا	آئینی روایات پر رہا
۱۸۳	کے مطابق کے مطابق	کے مطابق
۱۸۳	ستراب	شراب

صفحہ	غلط	صحیح
۱۹۳	پھیلاؤ	پھیلاؤ کا
۱۹۵	یہ بگر	مگر
۱۹۵	بے	لے
۲۰۸	برلٹس	برٹش
۲۱۰	ایک دداور عورت	ہر ایک مرد اور عورت
۲۱۴	پولیس والے	پولیس کے
۲۱۷	آزادی	آزادی سے
۲۱۸	جراب	جرات
۲۱۹	ہڑمال	ہڑتال
۲۲۴	برطانہ	برطانیہ
۲۳۱	تک گذرا	تک نہ گذرا
۲۳۳	اس تک	اس وقت تک
۲۳۴	پڑا	بیڑا
۲۳۴	ہے اورنہ	سے ہوا - ورنہ
۲۴۹	دربدر	دربدر کی
۲۵۲	السبی	ابھی
۲۵۴	زیادہ میں	زیادہ تعداد میں
۲۶۰	اور سیاسی ممتاز	ممتاز سیاسی
۲۶۳	ہوئی	ہوتی
۲۶۴	نہ جیتنے	جیتنے
۲۶۴	باہر ہوتے	باہر نہیں ہوتے
۲۶۴	کئی کاروبار	کاروبار
۲۶۷	بھد	بھدا

گلدستہ (۲)

اقبالؔ سے رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت

معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر۔ نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

اکبرؔ سے لکھے گا کلکِ حسرت دنیا کی ہسٹری میں۔ اندھیر ہو رہا تھا بجلی کی روشنی میں
فکر ساڑھی کی ہے نہ کنگن کی۔ اب تو دھن ہے گم نہیں فرنگن کی

اقبالؔ سے قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب

اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

آہ از افرنگ و از آئینِ او! آہ از اندیشۂ لادینِ او!
یورپ از شمشیرِ خود بسمل فتاد۔ زیرِ گردوں رسمِ لادینی نہاد

تراش از تیشۂ خود جادۂ خویش۔ براہِ دیگراں رفتن عذاب است

حالیؔ سے اُن کے آتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت۔ نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت
دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام۔ کشتی کسی کی پار ہو یا درمیان رہے

اکبرؔ سے خود تو کٹ کٹ کے لئے جان دئیے دیتے ہو۔ ہم پہ تاکید کہ پڑھ بیٹھ کے قرآن مجید

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ فرنگ

سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

اقبالؒ

درجات

پیشکش

- اس کتاب کو اُن پاکستانی معصوم بچوں اور عورتوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جو نہرو اور مونٹ بیٹن کی اسلام دشمنی کا شکار ہوئے۔

- حیدر آباد کے اُن مظلوم مسلمانوں کے نام جو انگریزوں کی غداری اور ہندوستان کی اسلام دشمنی کے ہاتھوں قتل کر دیئے گئے۔

- جوناگڑھ اور دیگر اسلامی ریاستوں کے اُن مسلمانوں کے نام جو انگریزوں اور ہندوؤں کی غداری سے ہلاک ہوئے۔
- کشمیر کے اُن غریب لاکھوں مسلمانوں کے نام جو ماؤنٹ بیٹن نہرو کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ یا ان بے کس کشمیریوں کے نام جو اپنے وطن سے محض مسلمان ہونے کی بنا پر محروم کئے گئے۔
- یہ کتاب الجزائر فلسطین اور ہندوستانی مسلمانوں کے نام منسوب کی جاتی ہے۔ جو ابھی تک محض مسلمان ہونے کی وجہ سے اغیار کے ظلم وستم کا شکار ہیں۔

خبردار

زبان اور قلم کے مغرور اجنبی اجارہ داروں کو اس کتاب کے چھونے کی اجازت نہیں ہے نہ ہی یہ کتاب فرعون صفت نکتہ چینوں کی بیہودہ دماغی عیاشی کے لئے لکھی گئی ہے۔ بلکہ یہ منکسر المزاج اور سنجیدہ اشخاص کے لئے ایک عام **دعوت فکر** ہے۔

تمہید

برنارڈ شا نے کہا ہے کہ کسی چیز کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے اس پر ایک کتاب لکھی جائے۔ اسی لئے انگریزوں کو سمجھنے کے لئے جلوۂ فرنگ لکھی گئی ہے۔ خود انگریز اپنے سوا کسی اور کو سمجھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ اُنہیں امریکہ کے سُرخ باشندے ملے۔ اُنہیں سمجھنے کے بجائے اُلٹا قتل کرنا شروع کر دیا آج وہ قدیم امریکائی قبائل کیمپوں میں بند ہیں۔ اور امریکی عوام کی تفریح کا کھیل بنا کرتے ہیں۔ ہر ایک امریکی شہری ٹکٹ خرید کر اُن کو دیکھ سکتا ہے۔ جیسے چڑیا گھر کی سیر کی جاتی ہے۔ اسی طرح اسکیمو بھی ختم کر دیئے گئے۔ یہ برفانی باشندے انسانی شرافت اور سادگی کا نمونہ تھے۔ انگریزی درندوں نے اُن کو مٹا کر چھوڑا اور اُن کو سمجھنے کی بالکل ہی کوشش نہ کی گئی۔ جاپانیوں اور چینیوں کا صدیوں مذاق اُڑایا جاتا رہا۔ آج چینیوں کی کثرت آبادی کا ڈھونگ کھڑا کر کے دُنیا کو زرد خطرے سے ڈرایا جاتا ہے۔ اور چینیوں کے خلاف گوری اقوام کے جذبات بھڑکائے جاتے ہیں جاپانیوں کو ختم کرنے کے لئے اُن پر ایٹم بم گرائے گئے پاکستان کا تو نام تک نہیں جانتے بلکہ اُسے ہندوستان کا ایک صوبہ سمجھا جاتا ہے۔ جن حالات میں پاکستان بنا وہ بھی انگریزوں کی نادانی اور کمینگی کا ادنیٰ ثبوت ہے۔ پاکستان کو نقصان پہنچانے کے لئے پاکستان کا ایک اہم حصہ یعنی کشمیر کو ہندوستان کے حوالے کر دیا گیا۔ افریقہ کے حبشیوں اور عدن کے عربوں کے درمیان کچھ فرق اور امتیاز نہیں رکھتے۔ ان سب کو کالا ہندوستانی لوگ سمجھتے ہیں۔ مصیبت یہ ہے۔ کہ ایک معمولی سے معمولی گورا جو کوئی خاندانی حیثیت نہیں رکھتا۔ وہ بھی کالی مخلوق کو دیکھ کر پاگل ہو جاتا ہے۔ اور اُسے احساس برتری کا دورہ پڑنے لگتا ہے۔ مشرق اور مغرب کا باہمی اختلاف

برطانیہ میں نمایاں طور پہ نظر آتا ہے۔ نیز گوری نسل کے لوگ مشرق کے بارے میں اس قدر گمراہ اور بدگمان ہیں۔ کہ مشرق والوں کو اس کا وہم وگمان تک بھی نہیں۔ اور مشرق میں برطانیہ کے بارے میں جو خوشنما خوش اعتقادیاں پائی جاتی ہیں۔ وہ انگریز بہت کم جانتے ہیں۔ یہ غلط فہمیاں مشرق کے لئے تو خطرناک اور نقصان رساں ثابت ہو سکتی ہیں۔ بلکہ مزید نقصانات کا بھی احتمال ہے۔ برطانیہ کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ کہ مشرق کا رویہ برطانیہ کے بارے میں کیا ہے۔ لہذا پاکستانیوں کا یہ اولین فرض ہے۔ کہ وہ اپنی بہتری اور حفاظت کے لئے برطانیہ کے بارے میں صحیح صورت حالات سے آگاہ ہوں۔ تاکہ وہ اپنے لئے مناسب راستہ تلاش کر سکیں۔ اس کتاب میں اس پہلو کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اُمید ہے۔ کہ یہ کوشش رائیگاں نہ جائے گی۔

سادگی مسلم کی دیکھ اور غیروں کی عیاری بھی دیکھ

(مطبوعہ: تعلیمی پریس لاہور)

دور کے ڈھول سہاونے ہوتے ہیں

سدھاریں شیخ کعبہ کو ہم انگلستان دیکھیں گے
وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے (اکبرؔ)

ملٹن نے کہا ہے۔ کہ جب کبھی خدا کوئی نئے اور عظیم الشان زمانہ کو پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تو وہ اپنے بندوں میں سے انگریزوں کو انتخاب کرتا ہے۔ انگریزوں میں قومیت کا جذبہ مذہبی صورت اختیار کر چکا ہے۔ وہ مل جل کر کام کرنا جانتے ہیں۔ اور یہی وہ قومی جذبہ ہے۔ جس نے برطانیہ کو ویلفیر اسٹیٹ بنا دیا ہے۔ جو دنیا میں ایک مثالی ریاست کی حیثیت رکھتی ہے۔ انگریز کبھی اس چیز کو فراموش نہیں کرتا۔ کہ وہ ایک جزیرہ کا باشندہ ہے۔ جس کا دوسرے ممالک سے کوئی تعلق نہیں۔ باقی دنیا انگریز کے لئے اس لئے اہمیت رکھتی ہے۔ کہ وہ اسے دریافت کرے۔ اور اُس پر قابض ہو۔ تاکہ انگریزی قوم کے لئے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کر سکے۔ گویا انگریز اپنے آپ کو ایک ہی جہاز کے مسافر سمجھتے ہیں۔ جن کو باہمی سلوک و اتفاق سے سفر طے کرنا ہوگا۔ انگریز کی قومیت پرستی عشق کا درجہ رکھتی ہے۔ لیکن یہ عشق کچھ جنونی قسم کا ہے۔ اسی لئے برطانیہ میں غیر قوموں کے خلاف بہت نفرت اور تعصب پایا جاتا ہے۔ جس کا ردّ عمل دوسرے ممالک میں بھی ظاہر ہونے لگا۔ اور مختلف ممالک میں انگریزی قومیت پسندی کے مخالفانہ ردّ عمل میں جگہ بہ جگہ قومی تحریکیں بڑے زور شور سے پھیل گئیں مگر انگریز اپنی قومی خود پسندی میں اس قدر مست ہیں۔ کہ وہ ارد گرد کے مسائل سے قطعاً لاپرواہ ہو چکے ہیں۔ انگریز اجنبیوں کے وجود کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا

ایک مدبر نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ آج کی دُنیا میں بہت سی مشکلات اور تکالیف کا واحد ذریعہ صرف انگریز کی مغرور اور بیہودہ خود سری کی فرسودہ عادات ہیں۔ کہ وہ مشکلات کو حل کرنے کے بجائے اُسے مستقبل کے ظالم ہاتھوں کے حوالے کر دیتا ہے"۔ اس میں انگریز کا قصور اس لئے زیادہ ہے۔ کہ وہ سوائے برطانیہ کی بہتری کے اور کسی ملک سے محبت نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ انسانیت کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ انگریز اپنی قوم کا بہترین دوست اور خادم اور جانثار سپاہی ہے۔ ملک کی آب و ہوا نے اُسے متلون مزاج بنا دیا ہے برطانیہ کا آسمان موسمی نمونے پیش کرتا ہے۔ کبھی دھوپ ہے اور کبھی اندھیرا۔ کبھی دھند اور کبھی بارش۔ کبھی سردی اور کبھی گرمی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ انگریز پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ وہ موسمی فضا کے ساتھ ساتھ اپنی عادات بدلتا رہتا ہے ملک کی آب و ہوا نے انگریز کو مطلبی۔ موقع پرست۔ لالچی اور خودغرض و خودپسند فرعون صفت بنا دیا ہے۔ گویا وہ تمام اخلاقی صفات سے محروم ہے۔ مگر وہ اپنی ذاتی حفاظت اور بہبودی کے لئے اپنی قوم کے لئے بہترین جذبات رکھتا ہے جو محض اُس کی خودغرضی پر دلالت کرتے ہیں۔ ورنہ وہ اپنے مقصد براری کے لئے ہر ذلیل سے ذلیل حرکت کو بھی بُرا نہیں سمجھتا۔ زمانہ سازی اور حیلہ جوئی اُس کا شیوہ بن چکا ہے۔ دوستی اور مروت کو پاس بھی پھٹکنے نہیں دیتا۔ خودپسندی کی مغرورانہ عادات کا عادی بن چکا ہے۔ انسانی جذبات اور لطیف احساسات سے خالی ہوچکا ہے۔ گویا وہ پتھر کی چٹان بن چکا ہے۔ اس کا مقصد حیات صرف زندگی برائے زندگی رہ گیا ہے۔ اسی فلسفہ نے اُسے دوسرے ممالک کی لوٹ کھسوٹ پر آمادہ کیا۔ اور وہ بالآخر اُن علاقوں پر قابض بن بیٹھا۔ کالی مخلوق کو انگریز کے آرام کی خاطر قربان ہونا پڑا۔

قدرتی طور پر انگریز قوم بحیثیت مجموعی فائدہ میں رہی ہے۔ انگریز اپنے ماضی کی روایات کو جڑ سے اُکھاڑنا پسند نہیں کرتا۔ بلکہ اُن کی نشو ونما کرتا ہے۔ قومی غدار اور ظالم کو برداشت نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اُن کا سب سے پہلے خاتمہ کیا

جاتا ہے۔ تاکہ قومی ترقی کے راستے میں کوئی بھی رکاوٹ پیدا نہ ہونے پائے برطانیہ کی ساری تاریخ میں سب سے نمایاں یہ چیز رہی ہے۔ کہ فرد کی شخصی آزادی اور مجلسی حقوق کی نگہداشت کو کمزور نہ ہونے دیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سارے ملک میں ظلم ناپدید ہے۔ اور ظالم کو ظلم کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی شہنشاہیت ہو یا پارلیمنٹ۔ کارپوریشن ہو یا کوئی اور شخصی ادارہ۔ ہمیشہ فرد کی آزادی کا احترام مقدم رکھا جاتا ہے ملک کے قوانین شخصی آزادی کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور ایک عام شہری پر کسی قسم کا سیاسی یا اقتصادی دباؤ برداشت نہیں کیا جاتا۔ حکومت کو قومی مطالبات کے آگے جھکایا جاتا ہے۔ ملکی قوانین بدلے ہوئے حالات کے ساتھ انصاف اور آزادی کو قائم رکھتے ہیں۔ اور شخصی آزادی کے لئے سینہ سپر رہتے ہیں۔ کسی قسم کے ناجائز رعب و داب یا دباؤ اور تحکم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دیگر ممالک میں جب انگلستان کا ذکر آتا ہے تو اس سمندر پار ملک کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ گویا سمندر اور برطانیہ کا باہمی میل ملاپ ہے۔ سمندر انگلستان کا محبوب ہے۔ اور انگریز سمندر سے پیار کرتے ہیں۔ سمندر اور برطانیہ کے اس قدرتی ملاپ نے انگریزی قوم کے حوصلوں کو بلندی پر پہنچایا۔ اور وہ ساری دنیا کے ارد گرد چکر کاٹنے لگے۔ انگریزی سمندری لیڈروں نے ایک دنیا پر اپنی دھاک بٹھا دی۔ تمام مصائب کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ اپنی ناکامی اور شکست کو تسلیم نہیں کیا۔ جس سے عام قوم میں جذبۂ خود اعتمادی بڑھنے لگا۔ غلطیوں پر غلطیاں کرتے ہیں۔ نقصانات پر نقصانات اٹھاتے ہیں۔ مگر آخر دم تک اپنے حوصلوں کو برقرار رکھتے ہیں۔ اس خود اعتمادی نے ان کو ایک وقت رومن ایمپائر کے بعد سب سے بڑی سلطنت بنا دیا۔ برطانیہ ہر ایک انگریز سے یہ امید رکھتا ہے کہ وہ اپنا فرض پورا کرے گا۔

انگریزی قوم کا ڈھانچہ عجیب وغریب صفات سے تعمیر کیا گیا ہے۔ عوام اور

حکومت باہم مل جل کر کام کرتے ہیں۔ حکومت کی مشینری صدیوں کی پستی اور غربت کو ختم کرنے میں مصروف ہے۔ آج ایک ذلیل ترین گورا بھی مہذب زندگی کے راستے پر سفر کر رہا ہے۔ کم از کم اُس کی آئندہ نسلیں بہترین مراعات کی مالک ہوں گی۔ اور اُن کے راستے میں کسی قسم کی مشکلات نہ ہوں گی۔ دیگر ممالک میں آئے دن بلوے۔ جھگڑے اور خونی انقلابات ہوتے رہتے ہیں۔ جو انگریزوں کی سیاست کے پیدا وار ہیں۔ تاکہ اُن ممالک کو کمزور کیا جا سکے۔ مگر برطانیہ ان تمام فسادات سے محفوظ ہے۔ اور سارے ملک میں مکمل امن و امان ہے حتیٰ کہ بادشاہت تک محفوظ ہے۔ بادشاہ ہو یا ملکہ۔ سب شاہی خاندان کے افراد زندہ سلامت قائم رہتے ہیں۔ مزدور اور مالک کے تعلقات بھی زیادہ خراب نہیں۔ اور کسی گورے کے خلاف ناانصافی نہیں کی جاتی۔

انگریز ایک ایسی سوسائٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس کو قوم کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ "چوں چوں کا مربہ" کہنا چاہیے۔ پھر قوم کا لفظ محض انتظامی سہولت کے لئے رکھا گیا ہے۔ گویا انگریز قوم مختلف اقوام کے افراد اور قبائل کا مجموعہ ہے یہ پتہ نہیں چل سکتا۔ کہ اناطولی نسل۔ جرمانوی نسل یا بحر روم کے ممالک کے مختلف قبائل کے اجزا کس تناسب سے برطانیہ میں موجود ہیں۔ انگریزی قوم سے مراد ایک ایسی سوسائٹی ہے۔ جس کے افراد مختلف اقوام سے تعلق رکھتے ہیں۔ برطانیہ ایک تن تنہا جزیرہ ہے۔ جس میں مختلف اوقات میں مختلف قبائل اور قومیں آکر آباد ہوتی رہیں اور اس طرح انگریزی قوم نے جنم لیا۔ یہ چیز ہر ایک انگریزی شہر میں نظر آسکتی ہے۔ گورے انسانوں کا ہجوم ایسا دکھائی دے گا۔ گویا وہ سب ایک فوج کے گورے سپاہی ہیں۔ جو کسی مہم پہ جا رہے ہیں۔ یہ آبادی کا ہجوم ایک ہی سانچہ میں ڈھلا ہوتا ہے۔ اور سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ امرا اور غربا کا ظاہری امتیاز مٹ چکا ہے۔ ملک کا تہذیبی معیار بلند ہے۔ گوری عورتیں بھی یکساں نظر آتی ہیں۔ گو اُن کا لباس معمولی قسم کا ہوتا ہے۔ مگر وہ کار آمد اور مفید ہوتا ہے غریب اور امیر عورتیں ایک ہی قسم کا فیشن استعمال کرتی ہیں۔ اور اُن میں ظاہری

فرق کوئی بھی دکھائی نہیں دیتا۔ بات چیت کے دوران میں ان کی اصلیت کا پتہ چلتا ہے۔ ورنہ آبادی کی یکسانیت اور یکرنگی ایک سہانا منظر پیش کرتی ہے۔ کوئی بھی لباس کے معاملے میں ایک دوسرے کو حقیر نہیں سمجھتا۔ گو وہ ذہنی طور پر خود اپنے آپ کو حقیر محسوس کریں۔ - - - - جو خدا داد ذہانت پہ منحصر ہے۔ ظاہری مساوات نے یکسانیت پیدا کر دی ہے۔ جو بہت ہی دلچسپ نظر آتی ہے۔ غریب عورتیں زیادہ بھڑکیلا اور شوخ قسم کا لباس پہنتی ہیں۔ گویا وہ امیر طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور امیر عورتیں سادہ لباس استعمال کرتی ہیں۔ تاکہ کسی قسم کا گمان تک نہ گذر سکے کہ وہ اونچے طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

پاکستانی شہروں میں امیر طبقہ کے افراد اپنا سارا وقت عمدہ اور قیمتی لباس پہننے میں ضائع کرتے ہیں۔ اور اُن کو مطلقاً شرم نہیں آتی۔ کہ وہ کیسے غریب آبادی کے درمیان بھڑکیلے لباس میں گھوم پھر سکتے ہیں۔ غیر مساویانہ ماحول میں زرق برق لباس پہن کر اپنی امارت کا رُعب جتانا خلاف انسانیت فعل ہے گویا ہمارے ملک کا سرمایہ دار طبقہ صرف اپنی ذات کے لئے تمام آسائشیں اور آرام محفوظ رکھتا ہے۔ یہ ہمارے قومی کردار کی ایک گھناؤنی تصویر ہے۔ ایک زمانہ تھا۔ کہ ہمارے شہروں میں ہر کہ ومہ مرد اور عورتیں ریشمی لباس میں نظر آتے تھے۔ غریب اور امیر دونوں راضی خوش تھے۔ مگر اب ہر طرف پھٹے پرانے کپڑے اور میلے کچیلے پارچات نظر آتے ہیں۔ ہمارے ملک کے معزز خاندان مٹ رہے ہیں اور بہت سے مقامات پر عصمت فروشی پر مجبور ہو گئے ہیں۔ غربت کے باعث بے حیائی اور جرائم میں اضافہ ہو رہا ہے۔ معیبت کئی گنا بڑھ چکی ہے۔ صرف وہ خاندان تباہی اور بربادی سے محفوظ ہیں۔ جہاں مشترکہ خاندان کے افراد ایک دوسرے کے دُکھ اور سکھ میں شریک ہوتے ہیں۔ لیکن یہ مشترکہ خاندان بھی گورا شاہی کا شکار ہو چکے ہیں اور رفتہ رفتہ ختم ہو چکے ہیں۔ گویا بربادی ہر لمحہ بڑھتی جا رہی ہے۔ برطانیہ کی حالت اس معاملے میں مختلف ہے۔

انگریز کا بھولا پن اور بیلہ جٹ کا کردار بھی عام مشہور ہے۔ بڑے سے بڑا

فلاسفر - تاریخ دان - سیاح - سائنس دان یا کوئی اور ماہر فن ایک معمولی سے آدمی کے ساتھ اس طرح باتوں مصروف دکھائی دے گا۔ گویا وہ بظاہر کچھ بھی نہیں جانتا - وہ ہمارے ملک کے اہل علم حضرات کی طرح مغرور اور فرعون مزاج نہیں ہوتا بلکہ نہایت ہی منکسر المزاج اور حلیم رہتا ہے - وہ اپنی پیشانی کو پاکستانی عالم کی طرف تنی ہوئی نہیں رکھتا - اور نہ ہی وہ عام آدمیوں سے بات چیت کرنے سے کنی کتراتا ہے ایک انگریز سیاح جو ہر ایک ملک کی سیر و سیاحت کر کے اپنے مشاہدات کو بھی قلمبند کر چکا ہوگا - اور نیز بڑا مصنف اور عالم فاضل ہوگا - مگر اُس کی روزمرہ کی زندگی میں اور ایک معمولی مزدور کی مادی زندگی میں معمولی سا فرق نظر آتا ہے - یہ گمان نہیں آتا - کہ وہ اس قدر اعلیٰ علمی مرتبہ رکھنے کے باوجود بہت ہی عامیانہ اور نرم دل طرز عمل اختیار کر لیتا ہے - یہی وجہ ہے کہ انگریزی قوم کا ذہنی معیار گرنے نہیں پایا - اور تہذیبی معیار بھی بلند ہو گیا -

ایک عام انگریز اپنی قوم کی بہتری کا سب سے زیادہ خیال رکھتا ہے - انگریز کی قومی دیانت اور کاروباری صلاحیت اور اعتبار ضرب المثل بن چکی ہیں - ایک مزدور اپنے آپ کو ملک کا حقیقی مالک سمجھتا ہے - امیر نے اپنی امارت کو گھٹا کر غریب کو اپنی سطح پر لانے میں بہت قربانی کی ہے - اور ایک غریب گورے کو اپنی قوم کی اخلاقی - مالی - مجلسی اور قومی امداد حاصل ہے - جس سے وہ مالدار بن گیا ہے - انگریز نے قدرت کی طاقتوں پر اپنی سمجھ بوجھ کو کام میں لیتے ہوئے پورا فائدہ اُٹھایا پاکستان کی گرمی میں اُس نے سولہ ہیٹ پہن کر اپنے آپ کو دھوپ سے بچائے رکھا اور اپنے کاروبار میں مصروف رہا - اس طرح وہ قدرت کی طاقتوں کا صحیح طور پر احساس کرتا ہے - اور اُن سے مطابقت پیدا کرتا ہے قدرت کو کوسنے یا دعائیں مانگنے کے بجائے قدرتی طاقتوں کا اندازہ لگا کر ضروری تحفظ کا سامان پیدا کیا جاتا ہے - جو عین منشائے فطرت ہے - کیونکہ قدرت اپنے قوانین کو حقیر بندوں کی خاطر تبدیل نہیں کر سکتی - لہذا یہ بندوں کا کام ہے - کہ وہ قدرت کی طاقتوں سے میل ملاپ رکھیں اور اپنے لئے ضروری تحفظ کا سامان پیدا کریں - قانون قدرت اٹل ہے - قدرت کو کوسنے یا زاریاں کرنے کا کوئی فائدہ نہیں - گرمیوں

میں ہمارے اہل ملک چھاؤں بیٹھ کر اپنا سارا وقت سو کر گذارتے ہیں - گویا ہمارا ملک قدرت کے ہاتھوں مجبور اور کمزور بے بس ہے - ہمارے دریاؤں میں جب طوفان آتے ہیں - تو فریاد کی جاتی ہے - اور اس وقت ٹوٹی پھوٹی سڑکوں سے لاشوں کے اٹھانے کا بندوبست کیا جاتا ہے - ملک میں جب قحط پڑتا ہے - تو امریکہ سے گندم کی بھیک مانگی جاتی ہے - خدا کی برگزیدہ پاک قوم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے انتظار میں بیٹھی رہتی ہے - کہ کب غیب سے مدد پہنچے - لیکن خود ملک کا امیر طبقہ اپنی فالتو دولت کو غربا پہ خرچ کرنے سے گریز کرتا ہے اور توقع یہ کی جاتی ہے - کہ آسمان سے یا امریکہ سے اقتصادی مدد حاصل کی جائے

گورا لوگوں کے پیسے بٹورنے کے بارے میں بہت کچھ سنا گیا ہے - حقیقت یہ ہے - کہ ان لوگوں کا مذہب دولت جمع کرنا رہ گیا ہے - اور یہی اُن کی زندگی کا فلسفہ ہے - گو ہندوؤں کی طرح لکشمی دیوی کی پوجا نہیں کی جاتی - مگر دولت کو لکشمی دیوی سے بھی بڑھ کر دل و دماغ پہ بٹھایا جاتا ہے - حتیٰ کہ دولت کو خدائی کا رقیب بنا دیا گیا ہے ایک طرف خدا ہے - جس کو کوئی پوچھتا بھی نہیں - دوسری طرف دولت ہے - جس کو خدائی کا درجہ دیا گیا ہے - دولت کے ذریعے زندگی آسان بنا دی گئی ہے - اور مختلف اشیا آسانی سے مہیا کی جاتی ہیں - دولت حاصل کرنے کے لئے انگریزوں نے کالی مخلوق کا خون چوسنے سے بھی دریغ نہیں کیا - اور دولت کی فراہمی سے فائدہ اٹھایا - برطانیہ سے غربت کا خاتمہ کیا گیا نہ کوئی غریب باقی رہا اور نہ ہی کوئی بھکاری نظر آتا ہے - اس سے انگریزی قوم کی قومی غیرت اور احساس اخوت کا پتہ چلتا ہے - کہ کس طرح باہم مل جل کر اپنی بہتری کے لئے کام کیا جاتا ہے - دولت کا صحیح استعمال بھی قومی ضرورتوں کے پیش نظر رکھا جاتا ہے - ہمارے ملک کی دولت کو چند مختصر امرا نے اپنی ذاتی عیاشیوں کے لئے اکٹھا کر رکھا ہے - یا وہ غیر ملکی بنکوں میں جمع کر دی گئی ہے - انگریزی دولت سے قومی بہبود کا کام لیا جاتا ہے - ملک کا فالتو سرمایہ بنکوں اور بیمہ کمپنیوں کے ذریعے تجارتی اور صنعتی کاموں پہ صرف ہوتا ہے .. سرمایہ کے اضافہ کے ساتھ ساتھ

مزدوروں کی اجرتوں میں بھی اضافہ ہوتا ہے - اور اُن کی بہبودی کا بھی خیال رکھا جاتا ہے - اسی لئے ان کا معیار زندگی بلند ہو رہا ہے - ہمارے ملک میں چونکہ سرمایہ چند خود غرض اور عیاش اشخاص تک محدود ہے - اسی لئے عوام ابتدائی ضروریات تک سے محروم ہیں - گویا ہم لوگ خود اپنی تعمیر کرنے سے لاپرواہ ہیں بلکہ انسانی جذبات تک سے بھی محروم ہیں - اگر انگریز نے ہمارے ابتر اور پراگندہ حالات سے فائدہ اٹھایا - تو کیا تعجب؟ ہم لوگ محض ذاتی وقار کی خاطر مجلسی تقریبات پہ اپنا سارا سرمایہ خرچ کرتے ہیں - جن سے قوم کی جائز ضرورتوں کو قربان کیا جاتا ہے - انگریز کی زندگی بجٹ کی زندگی ہے - آمدنی کا پورا حساب رکھا جاتا ہے - اور اُسے ہفتہ - مہینہ اور سال پہ پھیلایا جاتا ہے - قومی ضرورتوں کا بھی خیال رکھا جاتا ہے - لازمی طور پہ انگریز فائدے میں رہتے ہیں - اور ملک کی خوش حالی میں اضافہ ہوتا ہے

آج سے پچاس برس پہلے ایک عام انگریز کا معیار زندگی نہایت ہی پست اور گرا ہوا تھا - وہ نہایت ہی خستہ حالت میں رہتا تھا - اور اس کی روزمرہ کی زندگی افلاس زدہ تھی - لیکن آج کا برطانیہ مالدار اور خوشحال ہے - امارت کے بجائے مساوات پھیل رہی ہے - گویا ایک غریب بھی امیر نظر آتا ہے - اُس کا معیار زندگی بڑھ چکا ہے بلکہ وہ اپنے آپ کو ملک کا حقیقی مالک سمجھتا ہے - لیکن ان پچھلے پچاس برسوں میں ہمارے ملک کا خوش حال طبقہ خودکشی کر چکا ہے - گویا ایک اوسط درجے کا خاندان اپنے راستے میں مشکلات پاتا ہے - اور وہ ایمانداری سے ترقی نہیں کر سکتا - مگر انگریزوں نے اپنے ہاں غربت کا خاتمہ کر دیا ہے - دوکانوں پہ کھانے پینے کی چیزوں کی بہتات ہے - جس کا جی چاہے - حسب منشا ہر قسم کی اشیأ خرید سکتا ہے - اور زندگی کی ساری حسرتیں پوری کر لیتا ہے - انگریزی شہروں میں عمدہ سے عمدہ لباس دکھائی دے گا - ہر قسم کا کپڑا مہیا ہوگا - چھوٹی دوکانوں سے لے کر بڑی دوکانوں تک ہر قسم کا سامان واجبی قیمتوں پہ ارزاں مل جاتا ہے - برطانیہ کا ایک غریب نہیں گویا آج اس قابل ہو گیا ہے - کہ وہ اپنی تمام ضرورتیں

پوری کر سکے -- اور اپنی زندگی کو بہتر بنا سکے - وہ اپنے بال بچوں کی زندگی شاندار بنا سکتا ہے - اُس کے بچوں کے لئے تعلیم و تربیت کا انتظام اعلیٰ پیمانے پر ہے - پھر برطانیہ کا مزدور اپنے آپ کو قوم کا ایک اہم اور کار آمد جزو سمجھتا ہے ہمارے ملک کے مزدور کو حقیر سمجھا جاتا ہے - اُس کی اُجرت کم سے کم رکھی جاتی ہے اور کوئی بھی اُس کی بہبودی پر دھیان نہیں دیتا - اس کے سارے سال کی کمائی ایک دن کی بیماری پر ضائع ہو جاتی ہے - جس ملک کے مزدور کی مٹی پلید کی جائے - اور مزدوری کو حقیر سمجھا جائے - وہ ملک بھلا کب خوش حالی سے دوچار ہو سکتا ہے - دراصل یہ انگریز قوم کی بدمعاشی تھی - کہ اُس نے ہمارے ملک کی صنعت و حرفت کو برباد کر کے مزدور اور کاریگر کو ذلیل و خوار کیا - تاکہ انگلستان کی صنعتوں کو ترقی دی جا سکے - اور ہمارا ملک ہمیشہ انگریز کی اقتصادی غلامی میں رہ جائے - گو آج کل ہمارے ملک میں صنعت و حرفت بڑھ رہی ہے - لیکن وہ محض چند گنتی کے سرمایہ داروں کو زیادہ امیر بنانے کے لئے استعمال ہوتی ہے - غریب مزدور کو اُس میں زیادہ حصہ نہیں ملتا - ہمارے ملک کے دیسی سرمایہ دار کا اخلاقی ضمیر بہت ہی کمینہ اور ذلیل ہے - اس میں اخلاق شرافت اور انسانیت نہیں پائی جاتی - وہ صرف اپنی ذات سے غرض رکھتا ہے عوام کی غربت کا اُسے کوئی بھی خیال نہیں - گویا انگریزوں سے بڑھ کر خود اہل ملک زیادہ قصوروار اور ظالم ہیں - یہ اور بات ہے - کہ اُن کی انسانیت کو انگریز نے مسخ کر ڈالا

انگریزی بنکوں میں سرمایہ کی حفاظت کی جاتی ہے - اور گاہک کو پورا اعتبار ہوتا ہے - کہ اس کا سرمایہ محفوظ ہے - حتیٰ کہ ہمارے ملک کے سرمایہ دار بھی اپنا فالتو سرمایہ انگریزی بنکوں میں ہی جمع رکھتے ہیں - اور ان کو انگریزی بنکوں پر پورا پورا اعتبار اور بھروسہ ہوتا ہے - برطانیہ آجکل یورپی ممالک اور امریکہ کے مقابلے میں اپنی پیداوار اور دولت بڑھانے کی فکر میں ہے - ہندوستان اور پاکستان جو کبھی سونے کی چڑیاں تھیں - اُن کی لاتعداد دولت برطانیہ کے کارخانوں میں اُڑ کر پہنچ چکی ہے - اور وہاں سونے کے انڈے دے کر انگلستان

کو مالا مال کر دیا ہے۔ جس سے انگریزی شہر اور بستیاں تو خوشی سے مسکراتے ہیں
اور تہذیب و تمدن کا مرکز بن چکے ہیں۔ مگر ہمارے شہر اور بستیاں بیماری۔ غربت
افلاس اور بدامنی کے اڈے بن گئے ہیں۔ جن سے فسادات پھیلتے ہیں۔ ہمارے
ملک کا خوشحال طبقہ اپنے اردگرد کے حالات سے بے خبر ہے۔ چند اشخاص ساری
دولت کو سمیٹ کر بیٹھ گئے ہیں۔ اور ساری قوم مصیبت میں گرفتار ہے۔ اس کے
بالمقابل برطانیہ اپنے تاریک اور غربت کے دور سے نکل کر ترو تازہ زندگی کے
صحن میں خوشی سے ناچ رہا ہے۔ ملک کا حال و مستقبل زیادہ خوش آئند نظر آتے ہیں
ماضی کا تلخ تجربہ بھلا دیا گیا ہے۔ ایک زمانہ تھا۔ کہ برطانیہ کے لوگ اناج کو
ترستے تھے۔ اور سوائے آلوؤں اور مچھلی کے انہیں کچھ بھی میسر نہ تھا۔ اور وہ بھی
بہت قلیل تعداد میں اور عام انگریز نہایت تنگدستی کی زندگی گذارتے تھے۔ آج
برطانیہ میں گوروں کو کسی چیز کی کمی نہیں۔ اور نہ ہی کسی قسم کی مادی تکلیف ہے
بلکہ ہر طرف فراغت اور خوشحالی پھیلی ہوئی ہے۔ گویا برطانیہ بجائے خود ایک معجزہ
سے کم نہیں۔ یہ تن تنہا غریب اور مفلس جزیرہ جو قدرتی دولت سے ہمیشہ خالی رہا
ہے۔ آج دولت اور صنعت کا مرکز بن چکا ہے۔ برطانیہ کا معمولی گورا جو کبھی اُجڈ
اور گنوار کہلاتا تھا (اور وہ آج بھی ویسا ہی ہے) اور ملک کے عام باشندے
گڈریئے اور سمندری لیٹرے تھے۔ مگر آج وہ اپنے آپ کو تہذیب و تمدن کے
علمبردار کہلاتے ہیں۔ اور حقیقت بھی یہ ہے۔ کہ وہ ساری دُنیا کی نعمتوں سے مالا
مال ہو چکے ہیں۔ ہمارے ملک میں جب معجزہ کا ذکر آتا ہے۔ تو وہ چیز ناممکن
بن جاتی ہے۔ برطانیہ میں ناممکن کو ممکن بنا دیا گیا ہے۔ بلکہ ناممکن چیزوں کی
طرف زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ تاکہ اُن کو ممکن کیا جا سکے۔ محنت و مشقت نے
برطانیہ جیسے غریب اور قلاش جزیرہ کو دُنیا کا بنک بنا دیا۔ انگریزی تاریخ خود انگریز
کی جد و جہد اور سلوک باہمی کا ریکارڈ ہے۔ اسی لئے انگریز اپنی روزمرہ کی خوشحال
زندگی کو اپنی قومی تاریخ سے پیوستہ کرتا ہے۔ اور اُسے داغدار نہیں ہونے دیتا
وہ ایسی حرکت نہیں کرتا۔ جس سے قوم کو کسی قسم کا نقصان پہنچ سکے۔ یہی وجہ ہے
کہ وہ ساری مشکلات اور مصائب کو عبور کرتا ہوا اپنی تاریخ کے موجودہ دور میں

داخل ہوا۔ اور یہ موجودہ دور ہی اُس کی خوشحالی اور فارغ البالی کا زمانہ کہلاتا ہے۔ جبکہ ملک سے غربت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اور انگریزی قوم کے ہر ایک فرد کو شہری حقوق حاصل ہیں۔ ترقی اور کامیابی اُن کے قدم چومتی ہے۔

انگریز بچے کو بچپن سے ہی ہاتھ میں جھاڑو دیا جاتا ہے۔ اور وہ ہوا کے رخ کو دیکھتا ہے۔ جس طرف ہوا چلتی ہے۔ اُسی سمت جھاڑو دیتا ہے۔ تاکہ ہوا کا رخ گرد و غبار کو بھی اُڑا کر لے جائے۔ اور جھاڑو دینے میں آسانی پیدا ہو۔ اسی لئے انگریز ہوا کے رخ کو پہچانتا ہے۔ اور وہ ادنیٰ سے ادنیٰ کام سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اور اُسے اپنے ہاتھوں سے خود ہی پورا کرتا ہے۔ حتیٰ کہ جھاڑو دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ ادنیٰ کاموں کو بڑے کاموں کا زینہ سمجھ کر اچھی طرح سرانجام دیتا ہے۔ انگریز بچے کا اسکول ماسٹر بھی قومی تاریخ میں ایک اہم پارٹ سرانجام دیتا ہے وہ بچوں کو قومی راستہ پر چلنے کی تربیت دیتا ہے۔ اور جب انگریز بچہ فوجی ملازمت میں چلا جاتا ہے۔ تو فوجی ڈرل ماسٹر بھی انگریز بچے کو قومی راستہ پر چلانے میں اپنا سارا زور خرچ کر دیتا ہے۔ اس طرح جو بچہ ان سب قومی ڈھانچوں سے باہر نکل کر آتا ہے۔ وہ قوم کی تاریخ کو زیادہ چمکدار بناتا ہے اور قوم کے تاریک ماضی کو مستقبل کی روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔ جس سے وہ خود بھی فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اور اپنی قوم کو بھی فائدہ پہنچاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریز اپنے بچوں کی تربیت میں اپنا سارا اندوختہ خرچ کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح اپنی آئندہ نسلوں کو اپنی قومی تاریخ سے وابستہ کرتے ہیں۔

برطانیہ کی تاریخ بھی بجائے خود ایک معجزہ ہے۔ بارہویں صدی تک اس تاریخ پر تاریکی کا پردہ پڑا رہا۔ یعنی برطانیہ کی تاریخ بارھویں صدی سے سے شروع ہوتی ہے جبکہ یورپ کی حیات ثانیہ کے ارتقائی اثرات ترکی اسپین۔ شمالی افریقہ۔ اٹلی۔ فرانس اور جرمنی کے راستے برطانیہ پہنچے اور برطانوی لٹریچر آرٹ۔ سائنس نے پرورش پائی۔ علیٰ ہذا القیاس دیگر علوم مروجہ کے بھی چرچے ہونے لگے۔ برطانیہ پہ اُس زمانہ میں جہالت اور گمراہی چھائی ہوئی تھی

گو انگریزی تاریخ دانوں نے اپنی قومی تاریخ میں بہت سی مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔ مگر وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتے۔ کہ بارھویں صدی تک برطانیہ ایک تاریکی کے دور میں گذر رہا تھا۔ یکایک فن تعمیر۔ منطق۔ گرامر۔ قانون۔ تاریخ اور دیگر فنون کے اثرات غیر ممالک سے اُڑ کر برطانیہ میں جا پہنچے۔ ملک بھر میں گرجے تعمیر ہوئے۔ فرانس نے برطانیہ کے مذہب کو متاثر کیا۔ انگریزی لٹریچر نے غیر ملکی اثرات حاصل کئے۔ علمی کارکنوں نے جرمنی اور فرانس سے خوشہ چینی شروع کر دی۔ برطانیہ پر علم و ہنر کا سورج چمکنے لگا۔ اور تمام ملک میں ایک ذہنی انقلاب پیدا ہوا۔ ملک میں جا بجا مدرسے کھلے اور یورپی علوم و فنون کا رواج بڑھنے لگا منطق اور ادب کا چرچا ہوا۔ شمالی فرانس میں تو بہت عرصہ پہلے مدرسے قائم ہو چکے تھے اور پیرس علم و ادب کا مرکز بن چکا تھا۔ پیرس سے ہی علم و ادب کی شعاعیں تمام یورپ میں پھیلنے لگیں۔ انگریزی لائبریریوں میں گیارھویں صدی تک علم و فن کے اثرات بالکل مفقود ہیں۔ پہلا انگریز پادری جس نے علم و فن میں اپنا نام پیدا کیا۔ وہ بیڈ تھا۔ لیکن وہ بھی غیر ملکی تعلیم یافتہ تھا۔ گویا تمام ملک میں اُس وقت مذہبی یا دنیاوی تعلیم حاصل کرنے کے لئے کوئی بھی مدرسہ نہ تھا۔ جو کچھ تعلیم کا شوق تھا۔ وہ صرف پادریوں تک محدود تھا۔ ملک کی تمام آبادی اُجڈ اور گنوار تھی۔ عوام کی اکثریت گڈریوں سمندری لیٹروں پر مشتمل تھی۔ اس تاریخی جہالت کے باقی ماندہ اثرات آج تک انگریزی عوام میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن اُسی زمانے میں جب برطانیہ۔ اسپین۔ سلطنت عثمانیہ مصر اور ہندوستان میں جگہ بہ جگہ اسلامی مدارس قائم تھے۔ جہاں اسلامی فقہ۔ قرآن اور فلسفہ کے درس تدریس جاری رہتے تھے۔ اور یہی اثرات رفتہ رفتہ یورپ میں پھیلنے لگے۔ اور یورپ بھر میں مدارس اور یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ برطانیہ میں بھی یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ اس سے پیشتر انگریز طلبا تحصیل علم کے لئے پیرس اور بولون سے گذر کر سلرنو اور ٹولیڈو جایا کرتے تھے۔ فرانسیسی علما (جو بعد میں انگریزی طلب کو تعلیم دینے لگ گئے تھے) بھی اپنی تعلیم کی تکمیل کے لئے اسپین کی اسلامی یونیورسٹیوں میں جایا کرتے تھے یہ تمام انکشاف ایک فرانسیسی عالم ڈاکٹر ڈی فرنو نے اپنی ایک کتاب میں کیا ہے۔ اُس نے صلیبی جنگوں کے اثرات اور خود اسپین کی اسلامی تعلیم

کے بارے میں بہت ہی قیمتی مواد اکٹھا کیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ انگریزی طلبا بھی چوری چھپے اسپین کی اسلامی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ اور وہاں سے فارغ التحصیل ہو کر برطانیہ واپس لوٹنے پر برطانوی علم و ادب کو مالا مال کرتے تھے۔ ایک اور انگریزی عالم ڈاکٹر بسدرن نے ہسٹری میگزین کے اکتوبر ۱۹۶۰ء کے شمارہ میں ان حالات پر بصیرت افروز روشنی ڈالی ہے۔ اس نے لکھا ہے۔ کہ برطانیہ بارھویں صدی تک اندھیرے میں تھا۔ اور اس کے پاس کچھ بھی علمی خزانہ نہ تھا۔ صرف پادریوں اور یہودیوں نے مشرقی ممالک سے کتابیں اکٹھی کر رکھی تھیں۔ اور علمی ذوق و شوق کچھ نیم مذہبی صورت میں شروع ہو چکا تھا۔ مگر انگریز طلبا جو چوری چھپے اسپین کی اسلامی یونیورسٹیوں سے فارغ التحصیل ہو کر واپس برطانیہ پہنچے۔ اُن کی تعداد اُن فرانسیسی علما سے کم تھی۔ جو لاتعداد اسپین کو جایا کرتے تھے۔ یہی وہ اسلامی اثرات تھے۔ کہ برطانیہ کے علما نے اسپین سے نیچرل سائنس کا سبق حاصل کیا۔ اور اس بارے میں انگریزی میں کتابیں لکھی گئیں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کے قیام کا اولین مقصد یہی تھا۔ کہ اُسے نیچرل سائنس کی تعلیم کا مرکز بنایا جائے حالانکہ نیچرل سائنس اسپین کی اسلامی یونیورسٹیوں سے حاصل کی گئی تھی۔ اس کے علاوہ مذہبی علوم۔ قانون۔ علم و ادب کے انگریز طلبا بھی اسپین جایا کرتے تھے واپسی پر اُنہی طلبا نے انگریزی لٹریچر کو مالا مال کیا۔ حقیقت بھی یہ ہے۔ کہ انگریزی لٹریچر کا انگریزی تاریخ سے کوئی تعلق نہیں۔ انگریزی لٹریچر غیر ملکی اثرات سے حاصل کیا گیا ہے۔ رابنسن کروسو کی داستان بھی ایک عربی کتاب کا ترجمہ ہے۔ جسے توڑ مروڑ کر انگریزی قصہ کی شکل و صورت دی گئی تھی۔ الف لیلےٰ کی کہانیوں نے یورپی دل و دماغ کو بڑا متاثر کیا اور ناول نویسی کا شوق پیدا ہوا۔ اور اُسی تاثر سے انگریزی قوم کے اندر ایک ذہنی انقلاب پیدا ہوا۔ انگریزی قانون دانوں نے فرانس۔ اٹلی اور اسپین سے قانون سیکھ کر اپنے ملک میں عدالتیں قائم کیں۔ فرانس اپنے مدرسوں اور کالجوں کی وجہ سے مشہور ہوا۔ جو اسپین سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہی قائم ہوئے۔ اور یہ ہر دو اثرات اسپین کے ذریعے ان ممالک میں پہنچے۔ انگریزی عدالتوں اور یونیورسٹیوں کی عمارتیں بھی اسپین کے طرز تعمیر

کی نقل ہیں۔ گویا اُن کو انگریزی شکل و صورت کا پالش کیا گیا ہے۔ چونکہ مسلمانوں کے خلاف عام نفرت اور تعصب سارے یورپ میں موجود تھا اور صلیبی جنگوں کے اثرات برطانیہ میں بھی باقی تھے۔ لہٰذا چوری چھپے مسلمانوں کی تقلید تو کر لی جاتی تھی۔ لیکن مجلسی ڈر اور بدنامی کے باعث کھلے بندوں مسلمانوں کی علمی خدمات کا اعتراف نہ کیا جاتا تھا۔ جو اشخاص زیادہ اخلاقی جرأت سے کام لیتے تھے۔ اُن کا مجلسی بائیکاٹ کیا جاتا تھا۔ اور اُن کو نفرت سے "محمدی گتے" کہہ کر بدنام اور رسوا کیا جاتا تھا۔ چنانچہ پادریوں کے خوف اور ڈر سے نیز اسلام دشمنی کے باعث مسلمانوں کے ناموں کو بھی یونانی نام دیا گیا۔ تاکہ وہ مسلمان نہ ظاہر ہو سکیں۔ بلکہ اس ساری ذہنی بیداری اور انقلاب کا سلسلہ یونان سے ملا دیا گیا۔ اور مسلمانوں کا ذکر تک نہ آنے پایا سے

تھی شب تاریک چور آئے جو کچھ تھا لے گئے
کر ہی کیا سکتا تھا بندہ کھانس لینے کے سوا (اکبرؔ)

بہت سی عربی کتابیں جو تاریخ اور قانون پر لکھی جا چکی تھیں۔ اُن کا انگریزی میں ترجمہ کیا گیا۔ نقل اصل بن گئی۔ اور مسلمان مصنفوں کا ذکر تک نہ آنے پایا۔ بلکہ اُن سب کا رشتہ اور تعلق سقراط۔ افلاطون اور ارسطو سے جا ملایا۔ یہ سب کچھ یورپی ممالک اور برطانیہ میں ہوتا رہا۔ صلیبی جنگوں کی وجہ سے پادریوں نے اسلام کے خلاف یورپی فضا کو زہریلا کر دیا تھا۔ چنانچہ مسلم دشمنی کا جنون تمام یورپی ممالک پر چھا گیا۔ اور اسی اسلام دشمنی اور بغض کے باعث مسلمانوں کی علمی خدمات کا بالکل ذکر تک نہ آنے پایا۔ گو اسلامی تعلیمات سے اندرونِ پردہ وہ سب کچھ حاصل کرتے رہے۔ اسلام کے علمی و ادبی سرمایہ کو یورپی تہذیب میں اس قدر مدغم کر دیا گیا کہ صرف یونان کا نام ہی سطح پر اُبھر آیا۔ اور اُن سے مسلمانوں کی علمی خدمات کا نام تک مٹا دیا گیا۔

اُس زمانے میں برطانیہ خانہ جنگیوں۔ لوٹ مار اور شکار کے مشاغل میں معروف تھا اُسے علمی و مذہبی دنیا سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ قاہرہ۔ قسطنطنیہ۔ دہلی۔ پٹنہ۔ فرخندآباد اور اسپین کی یونیورسٹیوں میں علم و ادب کے چراغ جلتے تھے۔ جن سے یورپ نے

روشنی حاصل کر کے چند یونیورسٹیوں کو قائم کیا۔ نیز یہودی علما کی خدمات سے بھی فائدہ اُٹھایا گیا۔ جو مشرقی تہذیب کے مالک تھے۔ چنانچہ چند ہی صدیوں میں یورپ اور برطانیہ اسلامی علم و ادب کے وارث بن گئے۔ بلکہ دُنیا بھر کی تہذیب و تمدن کے اجارہ بن بیٹھے۔ لیکن یورپ نے مسلمانوں کے علم و ادب پر قابض ہونے کے بعد مسلمانوں کی تجارت اور اقتدار کو بھی ختم کرنے کیلئے ڈاکے ڈالنے شروع کر دیئے تھے۔ اور اسی لوٹ مار سے مسلمانوں کی تجارت اور سیاست پر بھی جلد ہی قابض ہو گئے۔

گویا برطانوی سوسائٹی میں پہلی بار علما و فضلا کی جماعت براہ راست اسپین کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے۔ کہ یورپی ممالک میں پڑھے لکھے اشخاص کو حیرت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ بلکہ اُنہیں غیر ملکی اور اجنبی سمجھا جاتا تھا۔ اور اُن سے کنارہ کشی کی جاتی تھی۔ تیرھویں اور چودھویں صدی میں یورپی علما کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ اور ان میں یہودی علما کی کثیر تعداد بھی اسلامی ممالک سے آ کر یورپ کے مختلف ممالک میں آباد ہونے لگی۔ اور چند ہی برسوں میں انہی یہودیوں نے تمام یورپ کو علم و ہنر کی روشنی سے جگمگا دیا۔ ایک ادنیٰ مثال سے یہ چیز ثابت ہوتی ہے۔
مشرق میں اب بھی عوام علمی ذوق شوق رکھتے ہیں۔ وہ زیادہ مذہبی ہوتے ہیں۔ مہذب آداب زندگی سے واقف ہوتے ہوئے اُن میں تمام تہذیبی عناصر پائے جاتے ہیں جن سے مشرقی علما کا خمیر اُٹھتا ہے۔ لیکن مغربی عوام اب بھی اُجڈ۔ گنوار۔ جاہل۔ توہم پرست۔ وہمی شکی المزاج۔ شرابی۔ جواری۔ ظالم۔ خونخوار۔ قانون شکن ڈاکو اور لٹیرے پائے جاتے ہیں۔ اور ان کی وجہ سے مشرقی عوام بھی مذہب سے بیگانہ اور تہذیب و آداب سے ناآشنا ہو گئے ہیں۔ انگریزی عوام میں گزشتہ انگریزی جہالت کے زمانہ کے باقی ماندہ اثرات اب بھی موجود ہیں۔ مغربی اقتدار کی وجہ سے ہی مشرقی تہذیب و تمدن کے اثرات مٹا دیئے گئے۔ لیکن پھر بھی باقی ماندہ کھنڈرات سے ہی گزشتہ عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ تہذیب و علم کے سرچشمے مشرق سے پھوٹے اور مغربی سرزمین کو سیراب کیا۔ برطانوی اقتدار نے اپنے دور

حکومت میں ان سرچشموں کو ہی خشک کر دیا - آج مشرق تباہی اور بربادی کا مقام ہے - مغرب کالی مخلوق کو برباد کر چکا ہے - اور تہذیب و تمدن کا واحد اجارہ دار بن بیٹھا ہے ؎

یا الٰہی یہ کیسے بندر ہیں
ارتقاء پر بھی آدمی نہ ہوئے (اکبرؒ)

انگریز ایک وقت دنیا میں واحد طاقتور سلطنت کے مالک بن گئے اور مشرق و افریقہ بحیثیت غلام زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے - لازمی طور پر محکوم اقوام انگریزوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکیں - چونکہ اقتدار انگریز کے پاس تھا - لہٰذا ملک کا تعلیم یافتہ طبقہ انگریزیت کا مذہب اختیار کرنے پر آمادہ ہوا - گو انگریز اب اپنی سلطنت کھو بیٹھا ہے - اور وہ پرانی طاقت بھی اُس کے پاس باقی نہیں رہی - لیکن پھر بھی ہمارے دماغوں پر انگریز کا ابھی تک قبضہ ہے - اور ہم ذہنی طور پر اس ذہنی غلامی کی وجہ سے بہت ہی پریشان اور ہراساں ہیں - حالانکہ انگریز خود اپنے مستقبل سے خوفزدہ ہے - اسی لئے ہمارا مستقبل اُس کی نقالی اختیار کرتے ہوئے زیادہ تشویشناک صورت اختیار کر سکتا ہے ؎

موم کی پتلیوں پر ایسی طبیعت پگھل گئی
چمن ہند کی پریوں کی ادا بھول گئے (اکبرؒ)

برطانیہ کے بارے میں عام طور پر سننے میں آتا ہے - کہ ملک میں مکمل امن و امان ہے - اور چوری چکاری کا کوئی ڈر نہیں - سفر کی آزادی ہے - اور تجارتی اشیا ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک بڑی حفاظت سے پہنچ سکتی ہیں - اور اُن کی آمد و رفت پر کسی قسم کی رکاوٹ یا پابندی نہیں - ٹرانسپورٹ کا نظام عمدہ ہے - جس سے کسی قسم کی تکلیف یا شکایت پیدا نہیں ہوتی بلکہ عام اور ارزاں ہے - صنعتی انقلاب نے روزمرہ کی ضروریات کو عام کر دیا ہے - جس سے عوام کا معیار زندگی بڑھ چکا ہے - بنکوں کا رواج عام ہے - نیز برطانوی تجارت ایماندارانہ ہے - اور

اُس میں دھوکا بازی اور فریب مطلقاً نہیں۔ برطانیہ اب بھی تجارتی مرکز کہلاتا ہے اور دنیا کی ایک تہائی تجارت کا واحد اجارہ دار ہے اُس کا تجارتی اعتبار اس کے سیاسی اثر ورسوخ سے زیادہ ہے۔ دُنیا کے دوسرے ممالک تجارت کے معاملے میں برطانیہ پر پورا پورا اعتبار کرتے ہیں۔ اور برطانوی بنکوں کے لین دین پر اُنہیں کامل اعتماد ہے۔ جب اولڈ بیلی کا ریکارڈر کچہری میں داخل ہوتا ہے تو وہ اپنے ہمراہ پھولوں کا گچھا لاتا ہے یہ چیز ملک کی قومی روایات کا ایک نہایت ہی لطیف پہلو پیش کرتی ہے گویا بہت زمانہ گذرنے پر بھی انگریز اپنی پرانی روایات اور رسومات کو چھوڑنے کا نام تک نہیں لیتے (گو دوسری قوموں کے کان میں جا کر اُن ممالک کی قدیم رسومات کے خلاف سرگوشیاں کرتے ہیں تاکہ اُن ممالک کو ہلاک کر کے اُن اقوام کو بد اخلاق بنا سکیں۔ برطانیہ غیر ممالک کی رسومات کا تمسخر اُڑاتا ہے۔ لیکن اپنے مذہبی اور بد مذاق ماضی سے ابھی تک چمٹے ہوئے ہے) مثلاً وہ پھولوں کا گچھا ایک قومی روایت بن چکا ہے یہ اُس وقت کی یاد کو تازہ کرتا ہے جب گورے ملزموں سے کچہری بھر جاتی تھی۔ اور ساری کچہری میں ان کے آنے سے اس قدر تعفن پیدا ہوتا تھا۔ کہ حاکم عدالت کو مجبوراً اپنی میز پر تازہ پھولوں کا گچھا منگوانے کی ضرورت پڑتی تھی۔ تاکہ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو سے کمرے میں ملزموں کے بدن اور کپڑوں کی بدبو زائل کی جا سکے۔ مدتوں تک انگریز نہانے دھونے کے قائل نہ تھے۔ اُس کے برعکس آج کا ملزم بہت صاف ستھرا اور عمدہ لباس میں ہوتا ہے۔ اور اُس کے بدن اور کپڑوں سے زیادہ بدبو نہیں آتی۔ مگر پرانی رسم کو پھر بھی رہنے دیا گیا۔ اُسے مجلسی زندگی کا قانون بنا دیا گیا ہے۔ یہ ماضی سے لگاؤ انگریز قوم کا ایک نمایاں کردار ہے۔

انگریز اگر دُنیا کے کسی کونے میں سفر کر رہا ہو۔ تو وہ اپنے وطن واپس جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ ایورسٹ کی چوٹی پر چڑھتے وقت برطانیہ کی طرف رُخ کر کے چڑھائی کرے گا۔ افریقہ کے جنگلوں میں گم شدہ انگریزوں کی تلاش کی گئی۔ جب ان سے پوچھا گیا۔ کہ وہ کیسے گم ہو گئے تھے۔ جواب دیا گیا۔ کہ وہ انگلینڈ جانے کا راستہ تلاش کر رہے تھے۔ گویا صحراؤں جنگلوں اور پہاڑوں میں

بھی انگریزوں کو برطانیہ کا راستہ تلاش کرنے کی ضرورت رہتی ہے۔ پاکستان کے جنگلات اور پہاڑوں میں بھی برطانیہ کی طرف جانے کا راستہ ڈھونڈا جاتا ہے۔ اور خود پاکستانیوں کو برطانیہ جانے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ دیہاتیوں کو بھی انگریزوں کے بارے میں تعریفی لیکچر پلائے جاتے ہیں۔ اور ان کو انگریز بننے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ ایک انگریز نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ اگر بہشت میں اُسے بھیج دیا گیا۔ تو وہ بہشت کے نیچے ایک سرنگ لگا کر واپس برطانیہ پہنچ جائے گا۔ اگر اتفاقاً وہ دوزخ میں ڈالا گیا۔ تو وہ دوزخ کی آگ کا رُخ بدل کر دوسری سمت کر دے گا کیونکہ اسے مکمل یقین ہے کہ دوزخ کی آگ کا رُخ برطانیہ کی دوسری جانب ہو گا۔ لہذا آگ کا رُخ پھیرنے سے برطانیہ کا راستہ مل سکتا ہے۔

انگریز اپنے آپ کو مہذب سمجھتا ہے اور غیر اقوام کو وحشی اور بدتہذیب خیال کرتا ہے۔ کالے اور گورے کا سوال تہذیب اور جہالت کا مسئلہ بن چکا ہے۔ حتیٰ کہ ایک حرامی سفید چمڑی والا گورا بھی اپنے آپ کو کالی مخلوق سے بالاتر سمجھتا ہے اور کالی مخلوق کو مٹانا اپنا قومی اور اخلاقی فرض سمجھتا ہے۔ اُسے احساس برتری کی بیماری ہے۔ جب یہ مہذب گورے امریکہ پہنچے۔ تو وہاں کے اصلی باشندوں کو دھکیلنا شروع کر دیا اور بالآخر اُن کو فنا کے گھاٹ اُتار دیا۔ تاکہ سفید آبادکاروں کے لئے زمین کشادہ کی جائے۔ یہی حال کینیڈا اور آسٹریلیا میں ہے۔ وہاں بیکار اور لاتعداد زمین سفید اقوام کی آبادکاری کے لئے محفوظ رکھ چھوڑی ہے اور ان علاقوں میں کالی مخلوق کا داخلہ بند کر دیا گیا۔ بلکہ کالی مخلوق کی نسل کشی کے لئے خاندانی منصوبہ بندی کی اسکیموں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ تاکہ اُن کی آبادی زیادہ نہ بڑھنے پائے اور وہ سفید اقوام کے علاقوں پہ قابض نہ ہو سکیں۔ آسٹریلیا کے اصل باشندوں کو بتدریج ختم کر دیا گیا ہے۔ اور وہاں سفید آبادکار بسائے گئے ہیں۔ یہی حال نیوزی لینڈ اور جنوبی امریکہ کی ریاستوں کا ہے گویا کالی مخلوق کو بتدریج مٹانے کے لئے خفیہ اور اعلانیہ منصوبہ بندی طیار ہے جس پہ باقاعدگی سے عمل ہو رہا ہے۔

انگریز جب غیر ممالک میں جاتے ہیں ۔ تو ان ممالک کے باشندوں کو اپنی قومی عینک سے دیکھتے ہیں ۔ اور حیرت ظاہر کرتے ہیں ۔ کہ ساری دُنیا انگریزیت کیوں اختیار نہیں کرتی اور انگریزی زبان کیوں نہیں بولتے ۔ انگریز ہمیشہ غیر اقوام کا مذاق اُڑاتے ہیں ۔ اور ان کے حالات کو توڑ مروڑ کر بیان کرتے ہیں ۔ گویا اُن کے نزدیک سوائے برطانیہ کے کسی اور قوم کا ماضی شاندار نہیں رہا ۔ انگریز کو پورا یقین ہے ۔ کہ خدا نے تمام دُنیا صرف انگریز کے لئے پیدا کی ہے ۔ اور کالی مخلوق انگریز کی خدمت گذاری کے لئے پیدا ہوئی ہے انگریز جہاں چاہے ۔ اپنی مرضی سے جا سکتا ہے یہ اُس کا پیدائشی حق ہے ۔ وہ اجنبیوں کے درمیان اپنے آپ کو اجنبی کہلانا پسند نہیں کرتا ۔ یعنی انگریز کسی غیر ملک میں اجنبی بن کر نہیں جاتا ۔ بلکہ وہ انگریز بن کر جاتا ہے ۔ اُن کے نزدیک اجنبی وہ لوگ ہیں جو انگریز نہیں ہیں یا جو برطانیہ سے باہر غیر ممالک میں آباد ہیں ۔ یہ غیر منطقی طرزِ عمل ایک عجیب و غریب معمہ سے کم نہیں ۔ انگریز اسی لئے امریکنوں کے امیرانہ طور طریقوں کو پسند نہیں کرتے ۔ کہ وہ انگریزوں سے مقابلہ کرتے ہیں ۔ اور اُن پر اپنی برتری ظاہر کرنے پھرتے ہیں ۔ انگریزوں کو پورا یقین ہو چکا ہے ۔ کہ سوائے برطانیہ کے کوئی دوسرا ملک نہ ہی خوش ہے ۔ اور نہ ہی برطانیہ کی مرضی کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے ۔ وہ کسی غیر ملکی عنصر کا ہوا خوش حال دیکھ کر مارے حسد سے کباب بن جاتے ہیں ۔ وہ اپنے آپ کو دُنیا کی برگزیدہ اور نمائندہ قوم سمجھتے ہیں ۔ ناصر سے وہ اسی لئے ناراض ہیں ۔ کہ مصر جیسے کمزور اور غیر ملکی علاقہ کو برطانیہ سے گستاخانہ طرزِ عمل اختیار کرنے کی جرأت کیسے ہو سکتی ہے وہ یہ برداشت نہیں کر سکتے ۔ کہ کوئی بھی انگریزوں کے خلاف گستاخی سے پیش آئے

انگریز عجائب گھروں اور قدیم عمارتوں کو محفوظ رکھنے کا بہت شائق ہے ۔ شاہی محل کے افراد تک پُرانی روایات اور رسومات کے قائل ہیں ۔ شاہی خاندان کا یہ خیال ہے کہ دقیانوسی رسومات کی ادائیگی سے قوم کا اخلاقی ضمیر زندہ رہ سکتا ہے ۔ انگریز کی قدامت پسندانہ طبیعت اور مزاج نے ملک کی خارجہ پالیسی میں بھی نمایاں تبدیلی پیدا کر رکھی ہے گویا قدامت پسندی کے باعث ابھی تک برطانیہ دولت مشترکہ سے چمٹا ہوا ہے ۔ حالانکہ دولت مشترکہ محض ایک جذباتی چیز ہے ۔ یہ ایک کلب ہے ۔ جس کے تمام ممبر خود مختار اور آزاد

ہیں۔ اور اُن کے اشتراک باہمی کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ قدامت پسندی کا کیا علاج کہ صرف ایک قدیمی روایت سے انگریزی جذبات کی تسلی ہو جاتی ہے۔ پرانی روایات اسی لئے قائم ہیں۔

عام انگریزوں نے اپنی انفرادی شخصیت کو بھی بجنسہٖ قائم رکھا۔ اگر ساری دنیا انگریزوں کو مغرور اور متکبر خیال کرتی ہے تو انگریز کچھ بھی پرواہ نہیں کرتے۔ بلکہ اپنی انگریزیت پر زیادہ فخر اور ناز کرتے ہیں۔ انگریزوں نے دوسری قوموں سے اثرات حاصل کر کے اُسے انگریزیت کی شکل میں ڈھال دیا۔ اور قومی روایات کا ایک جزو بنا دیا۔ یورپ کی دوسری قومیں انگریزوں کو مسخرہ اور گنوار سمجھتی ہیں۔ کیونکہ انگریز اپنی دُنیا میں مست قلندر رہنا زیادہ پسند کرتا ہے۔ اور اسی چیز نے برطانیہ کو یورپ کا احمق اور مسخرہ جزیرہ بنا دیا ہے۔ حتیٰ کہ روس کا کروشچوف بھی کہہ اُٹھا۔ کہ اگر میں برطانیہ میں پیدا ہوتا۔ تو ضرور قدامت پسند بنتا۔ انگریزیت بجائے خود ایک مذہب بن چکا ہے۔ جس پر ہمارے نقلی صاحب لوگ بھی اپنی جان فدا کرتے ہیں۔ انگریزوں کو اپنی انگریزیت پر پورا اعتماد ہے اور وہ دوسروں کو بھی مجبور کرتا ہے۔ کہ اُس کے نقش قدم پر چلیں۔ انگریز کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ ساری دنیا برطانیہ کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ اور جنت بھی انگریزوں کے لئے مخصوص کی جا چکی ہے۔ اس قومی فخر نے انگریزوں کو فرعون مزاج بنا دیا ہے۔ برطانیہ ہمیشہ غیر قوموں سے جنگ لڑتا رہا ہے۔ اس نے اسپین پر فتح حاصل کی فرانس کو نیچا دکھایا۔ نپولین کو شکست دی۔ ہندوستان۔ پاکستان۔ امریکہ۔ افریقہ اور دیگر نو آبادیات پر قبضہ کیا۔ صنعتی انقلاب نے برطانیہ کو تجارتی منڈی بنا دیا۔ جرمنی کو شکست دے کر اپنی برتری کو منوایا۔ صرف نہر سویز کے حادثہ پر برطانیہ کی غرور کی گردن کو خم ہونا پڑا اور اُسے بڑی طرح قومی ندامت اُٹھانی پڑی اور سخت شرمندہ ہونا پڑا جب امریکہ ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ تو انگریز اپنی شکست اور ناکامی کو آسانی سے ماننے کو تیار نہ تھا۔ وہ زیادہ افسردہ بھی نہیں رہتا۔ بلکہ جلد ہی اپنی ندامت پر قابو پا لیتا ہے۔ اور نئی مستعدی سے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے گو برطانیہ کو حادثہ سویز سے بہت صدمہ پہنچا۔ اور اُسے اپنی اُمیدوں اور جذبات کے پیش نظر اور اپنی سابقہ عظمت اور قومی روایات کے برخلاف بہت کچھ ٹھیس پہنچی۔ لیکن بہت جلد قوم کو پہلی بار یہ احساس ہوا کہ وہ اپنا اقتدار کھو چکی ہے۔ اور ایک برائے نام طاقت رہ

گئی ہے۔ لہٰذا سابقہ غرور اور گھمنڈ کھوکھلا اور بناوٹی نظر آیا ہمتیں پست ہوگئیں۔ اور حوصلہ جاتا رہا۔ اور ایسا معلوم ہونے لگا۔ کہ برطانیہ ہی یورپ کا مرد بیمار ہے۔ لہٰذا ہمت بڑھانے کے لئے اپنے آپ کو طفل تسلیاں دینے لگا۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ آجکل انگریزوں کے پاس سوائے انگریزی زبان کے اور کوئی چیز قابل فخر باقی نہیں رہی۔ روحانی حیثیت سے برطانیہ دیوالیہ ہوچکا ہے۔ جرائم کی تعداد بڑھ رہی ہے اور مذہب کی طرف لوگوں کا شوق ختم ہوچکا ہے۔ گرجے تک خالی ہوگئے ہیں بہت سے گرائے جاچکے ہیں۔ جو لوگ باقیماندہ گرجوں میں جاتے ہیں۔ وہ بھی محض آپس میں رسمی میل ملاپ اور سوشل تعلقات قائم رکھنے کے لئے یا مقامی حضرات سے واقفیت بڑھاتے ہیں۔ ان کی دعائیں بھی رسمی ہوتی ہیں۔ اتوار کا دن عبادت کے بجائے شراب نوشی یا جوا بازی میں استعمال ہوتا ہے۔ مذہبی پابندیاں پاگل پن سمجھی جاتی ہیں۔ یا محض خرافات کا مجموعی بن چکی ہیں۔ گو شیطان کے وجود سے انکار کیا جاتا ہے۔ لیکن شیطانی کاموں سے محبت رکھی جاتی ہے۔ پادری لوگ عیسائیت کی تعلیم پھیلانے کے لئے اسلامی ممالک میں گھومتے پھرتے ہیں۔ حالانکہ برطانیہ کو عیسائیت کی سب سے بڑی ضرورت ہے غیر ممالک میں عیسائیت کی تبلیغ سے سامراجی مقاصد پورے کئے جاتے ہیں۔ خود برطانیہ میں عیسائیت کے پھیلانے سے کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آتا۔ ملک سے جنت کا مذہبی تصور مٹ چکا ہے لیکن خود برطانیہ کو جنت بنانے کی کوششیں جاری ہیں۔ حتیٰ کہ نوآبادیات کی جنت کو دوزخ میں بدل دیا گیا ہے۔ زندگی بعد الموت سے کوئی واقف نہیں ہے۔ بلکہ موجودہ زندگی کو ہی لمبا کرنے کی فکر کی جاتی ہے۔ بوڑھوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہوچکا ہے ؎

جس کے ہر پیچ میں سو دام بلا ہیں اکبر
ایک عالم کو اُس زلف کا شیدا پایا (اکبرؔ)

تمام دنیا کے تجارتی راستے برطانیہ میں آکر ملتے ہیں۔ سمندری اور ہوائی شاہراہیں برطانیہ میں پہنچ کر مرکزی طور پر اکٹھی ہوجاتی ہیں۔ برطانوی عوام حکومت پسند ہوتے ہیں۔ وہ دنیا سے الگ تھلگ رہنا پسند کرتے ہیں۔ سمندر نے ملک کو جغرافیائی طور پر غیر ممالک سے جدا کر رکھا ہے۔ گویا جغرافیائی کیفیت برطانیہ کے حق میں مفید ثابت ہوئی اور اُس سے

تمام دُنیا کا مرکزی درجہ دیا ۔ سمندر نے ہی برطانیہ کو تمام ممالک کا ہمسایہ بنا دیا ہے حتیٰ کہ ساری دنیا برطانیہ کے اردگرد گھومتی ہے ۔ اور یہ طانیہ دُنیا کے اردگرد چکر کاٹتا ہے نیز سمندر کی نزدیکی نے برطانوی عوام کو سیاح اور جہاز راں بنا دیا ۔ سمندر عبور کر کے انگریز سب دُنیا کے کونوں میں جا پہنچے ۔ اور اپنے طاقتور بحری بیڑے کی مدد سے اپنی سلطنت میں اضافہ کر سکے ۔ اور برطانیہ کو نمبر اول کی طاقت بنا دیا ۔ طوفانوں سے مقابلے کر کے مشکلات پر قابو پانے کا عملی سبق سیکھ کر بالآخر تمام ممالک کی تجارت اور سیارت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا ۔

برطانیہ چند جزائر کا مجموعہ ہے جو انگلینڈ ۔ اسکاٹ لینڈ اور ویلز کے علاقوں پر مشتمل ہے شمالی آئرلینڈ بھی اسی مجموعہ کا ایک حصہ ہے ۔ (جنوبی آئرلینڈ کا علاقہ خود مختار ریاست ہے) یہ تمام جزائر کا مجموعہ چاروں طرف سمندر سے گھرا ہوا ہے ۔ اور تمام ساحلی علاقے اندرون ملک سے کسی بھی مقام پر بہت نزدیک واقع ہیں ۔ قدرت نے تمام ملک کو معدنیات کی دولت سے مالا مال کر دیا ہے ۔ لوہا اور کوئلہ یکجا ہونے سے ملک میں صنعتی انقلاب پیدا ہوا ۔ دریائے ٹیمز اور دریائے سیوان دو بڑے دریا ہیں ۔ پہاڑی علاقے اپنے قدرتی نظاروں کے لئے بہت مشہور ہیں ۔ موسم ہمیشہ بدلتا رہتا ہے ۔ اور ہوائیں بھی نیا رُخ تبدیل کرتی رہتی ہیں ۔ جس سے موسم میں نمایاں تبدیلیاں ظاہر ہوتی ہیں ۔ بارش کا پانی سارے ملک میں یکساں تقسیم ہو جاتا ہے ۔ اور کوئی بھی حصہ خشک نہیں رہنے پاتا ۔ کبھی کبھار اتفاقاً گرمیوں میں بھی چند مہینوں کے لئے بارش ہو جاتی ہے ۔ ورنہ مئی ۔ جون اور جولائی کے مہینے موسم گرما کہلاتے ہیں ۔ اور ان مہینوں میں دن بھی خلاف معمول زیادہ لمبے رہتے ہیں ۔ اور سورج بھی بادلوں سے باہر نکل آتا ہے ۔ اور عام آبادی خوشیاں مناتی ہے پہاڑی علاقوں کی چراگاہیں گھاس چارے کے لئے اب بھی کام میں لائی جاتی ہیں ۔ اور جنگلات کی پرورش بھی بڑے شوق سے کی جاتی ہے ۔ گو کارخانوں کے اردگرد زمین ناقابل زراعت بن چکی ہے ۔ تاہم ملک میں قابل زراعت زمین کی کمی نہیں ۔ اور زراعت ختم نہیں ہو سکی ۔ اور اس میں برابر ترقی جاری ہے ۔ انگریز قوم دیہاتی زندگی زیادہ پسند کرتی ہے ۔ چنانچہ صدیوں تک یہ قوم گڈریوں کی زندگی بسر کرتی رہی ہے ۔ اور اسی

زندگی کو اپنے لئے پسند کیا۔

انگریزوں کا عام مشہور مقولہ ہے۔ کہ خدا بھی طاقتور توپوں کا ساتھی ہے۔ لہذا انگریز جنگ جیتنے کے لئے جنگی طیاریوں پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ اور خدا سے مدد مانگنے کے بجائے وہ بڑی بڑی توپیں بنا کر خدائی مدد حاصل کرتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ خدا نے انگریزی توپوں کی ہمیشہ مدد کی ہے۔ اگر جنگ کے دوران ایک فریق کمزور نکلا اور شکست کھا گیا۔ تو انگریزوں کے نزدیک اُس کمزور فریق کی شکست خدا کی مرضی کے عین مطابق ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ خدائی قانون ہے۔ کہ کمزور کبھی غالب نہیں آسکتا۔ اور نہ ہی وہ کامیاب ہوسکتا ہے۔ ولنگٹن جب اسپین میں نپولین کے خلاف جنگ کرنے کے لئے پہنچا۔ تو اُس نے ہر ایک فوجی سپاہی کا وزن کر لیا۔ پہلے فوجی ساز و سامان کے ساتھ اور پھر بغیر سامان کے۔ تاکہ فوجی ساز و سامان کے وزن سے فوجی طاقت کا اندازہ لگا سکے۔ اور دشمن کے خلاف زیادہ سے زیادہ فوجی ساز و سامان کے ساتھ جنگ لڑی جا سکے۔ اور اس میں کامیابی یقینی ہوجائے۔ اسی خیال کے پیش نظر دارالعوام میں لارڈ پامرسٹن کو کہنا پڑا۔ کہ برطانوی سپاہی کی دنیا بھر کے فوجیوں سے بڑھ چڑھ کر قدر و منزلت کی جاتی ہے۔ اور اُس کے آرام و آسائش کا خاص خیال رکھا جاتا ہے اس قدر احتیاط کسی اور ملک کے فوجی کے ساتھ نہیں کی جاتی۔ برطانیہ ہی میدان جنگ میں زیادہ سے زیادہ فوجیں لاتا رہا ہے۔ حتیٰ کہ سابقہ ہندوستانی فوج اپنے برطانوی کمانڈروں کے زیر کمان زیادہ جانفشانی اور بہادری سے لڑتی تھی۔ اور بڑی خوشی سے اپنی جانیں قربان کرنے سے بھی دریغ نہ کرتی تھی۔ لارڈ ویلسن بھی نپولین کے خلاف لڑائی کے میدان میں ہر ایک جنگی مورچہ کو پہلے ہی سے ملاحظہ کر لیتا تھا۔ تاکہ اُس میں کسی طرح کا نقص پیدا نہ ہو۔ اور کسی طور پر جنگی طیاریوں کے اندر کوئی بھی خرابی پیدا نہ ہونے پائے۔ ہر ایک جنگی کل پرزہ اپنی اپنی جگہ مکمل اور پورا ہو۔ اور نقص پڑ جانے کی صورت میں اُس کی مرمت وقت پر اچھی طرح سے ہو جائے۔ تاکہ دشمن کے خلاف محاذ جنگ میں کسی طرح کمزوری ظاہر نہ ہوسکے۔ اور اس میں رتی بھر بھی فرق نہ آنے پائے۔ دشمن کا ستیاناس کیا جا سکے۔ اور جنگ فیصلہ کن ہو جائے۔ اور اس

طرح خدائی امداد حاصل کرکے آخری فتح مل سکے۔ انگریزوں کی یہ سب سے بڑی خوبی ہے۔ کہ وہ ہر کام کو بکمال اہلیت سرانجام دیتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ جو کام کیا جائے اُس میں جان ڈال دی جائے۔ یہی اصول برطانوی دوکانداری میں بھی کارفرما ہے یعنی مال پائیدار اور کھرا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برطانوی مال ہی منڈی میں مقبولِ عام بن جاتا ہے۔ مزدوری کا معیار بھی عمدہ ہوتا ہے۔ یہ خدائی اصول ہے جس کے ذریعے کامیابی حاصل کی جاتی ہے۔

انگریزوں کو طاقت واقتدار کسی سنہری تھال یا پیتل کے پاندان پر رکھا رکھایا نہیں ملا۔ بلکہ اُس کے حصول کے لئے انہوں نے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں تب جاکر آزادی اور فارغ البالی حاصل کی۔ ایک وقت ایسا آیا۔ کہ انہوں نے اپنے بادشاہوں کا سرقلم کیا۔ اُن سے میگنا کارٹا پر زبردستی دستخط کرائے۔ اور اپنی آزادی کے حقوق کو تسلیم کرایا۔ انصاف پسند عدالتوں کا قیام کیا گیا۔ پوپ کی شخصی طاقت کو ختم کیا گیا۔ اور انگریزی چرچ کو اُس کی غلامی سے نجات دلائی۔ بلکہ خود عیسائیت کو انگریزیت کا جامہ پہنا کر یسوع مسیح کو انگریزی سانچے میں ڈھالا گیا۔ امریکہ کو آباد کیا۔ اور اُسے دنیا کی سب سے بڑی طاقت بنایا۔ گویا شفیلڈ کا فولاد بنانے والی قوم فولادی خصائل کی مالک بن گئی۔ شفیلڈ میں فولاد سے جو چاقو اور چھریاں طیار ہوتی ہیں۔ آخر اُن پر محنت اور فولادی مزدوری خرچ ہوتی ہے۔ فولاد کو طیار کرنے میں فولادی ہمت اور طاقت سے کام لیا جاتا ہے۔ کسی زمانہ میں شفیلڈ میں ایسے شخص کا داخلہ بند تھا۔ جو کچھ ہنر نہ جانتا تھا اور بغیر ہنرمند شخص کو وہاں رہنے کی اجازت تک نہ تھی۔ انگریزوں نے جب ہندوستان پر قبضہ کیا۔ تو دوسری ملکی صنعتوں کے علاوہ سب سے پہلے فولاد کی صنعت کو برباد کیا۔ مختلف پیشوں کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک اور شبہات پیدا کئے تاکہ عام آبادی پر روزی کے دروازے تنگ کر دیئے جائیں اور وہ برطانیہ کے محتاج بن کر رہ جائیں یا خودکشی کرلیں۔ چنانچہ پس ماندہ اقوام کی موجودہ پس ماندگی کا سب سے بڑا سبب برطانیہ کی یہی سامراجی شاطرانہ چال تھی۔ ملک کے صنعتی انقلاب کو کامیاب کرنے کے لئے غیر ممالک اور نوآبادیات کی صنعتی زندگی کو برباد کرکے صرف برطانیہ کو ہی

تمام دنیا کا کارخانہ بنایا گیا - اور باقی دنیا کو برطانیہ کی تجارتی منڈی بنا ڈالا - ایک وقت ایسا آیا - کہ برطانیہ دنیا کا مالی بنک بن کر ساری دنیا کی دولت کا واحد اجارہ دار بن بیٹھا مثلاً اگر ساری دنیا میں دولت ختم بھی ہو جاتی - تو صرف انگریز اس خسارے کو پورا کر سکتا تھا - فولاد سے کھیلنے والی قوم خود فولاد بن گئی - اور چند برسوں میں اپنے فولادی گرزوں سے صدیوں کی پرانی تہذیبوں کو خاک میں ملا کر رکھ دیا - حتیٰ کہ نو آبادیات کے باشندوں کی شکلیں تک مسخ کر ڈالیں - اُن کی تاریخوں کو توڑ مروڑ کر رکھ دیا - اور اُنہیں برطانیہ کا ایسا گرویدہ بنایا کہ وہ اپنی روایات تک کے دشمن بن گئے - اور برطانیہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے ہی ہم وطنوں کا گلا کاٹنے لگے - برطانیہ کی دوستی کے ثبوت میں اپنی قوم سے غداری کرنا اپنا مقدس فرض سمجھ لیا گیا - یہ برطانیہ ہی ہے - جس نے برطانوی عوام کو ذلیل حالت سے اُٹھایا اور اُسے سربلندی دی - آج یہ حالت ہے - کہ کوئی بھی دریافت نہیں - جس میں انگریز کا ہاتھ نہ ہو - کوئی بھی سیاسی کھیل اور چالبازی ایسی نہیں - جس میں انگریز کی شاطرانہ بدمعاشی کا دخل نہ ہو - صنعتی نمائش یا تجارتی میلہ ہو - تو انگریز وہاں ضرور موجود ہو گا - فولاد کو موم کرنے کا کام ہو - تو انگریز کا نام ضرور لیا جائے گا - علم و ادب سائنس - آرٹ اور موسیقی وغیرہ غرضیکہ کسی بھی صنعت کا نام لیا جائے - تو انگریز ضرور وہاں دکھائی دے گا - تجارت کے گُر انگریز کے پاس پائے جاتے ہیں - شاید کب پردہ غیب سے کوئی دریافت نکل آئے - تو وہ ضرور انگریز سے ہی تعلق رکھے گی - اتنی بڑی سلطنت کا قائم کرنا اور اُس کا خوش اسلوبی سے انتظام چلانا اور اپنی خداداد اہلیت کا ثبوت دینا صرف انگریز کا ہی حصہ رہا ہے - جہاں عقل و حکمت کی ضرورت ہو - یا قابل افراد کا ذکر آئے تو انگریز ضرور وہاں موجود ہو گا -

برطانیہ میں قابل افراد کی بہتات ہے - اُن کو چمکنے اور ترقی کرنے کے تمام ذرائع اور سہولتیں بھی انگریزی قوم نے مہیا کر رکھی ہیں - اور اُن کی ہر قسم کی حوصلہ افزائی یعنی جانی - مالی اور اخلاقی امداد دی جاتی ہے - بیکن نے ایک دفعہ کہا تھا - کہ روم کی سلطنت میں کسی تضاد کا دخل نہیں - لیکن برطانیہ کے بارے میں ایسا نہیں کہا جا سکتا کیونکہ تضاد پر ہی برطانیہ کی زندگی کا دارو مدار ہے - اور وہ ملک تضاد کا عجائب گھر ہے - عجیب بات تو یہ ہے - کہ دھند اور بارش کے دوران میں بھی ستاروں کی گردش

کے بارے میں برابر دریافت جاری رکھی جاتی ہے۔ ملک کے چھوٹے دریاؤں کے پانی سے بجلی تو پیدا نہیں ہو سکتی۔ مگر ملک کے لاتعداد کارخانے بجلی سے ہی چلتے ہیں گو ملک میں سونے کی کانیں نہیں پائی جاتیں۔ لیکن دُنیا کا زیادہ سونا برطانیہ میں ہی اکٹھا کیا گیا ہے۔ ملک میں انگوری شراب بنانے کا کوئی بندوبست یا ذریعہ نہیں لیکن برطانیہ کی بندرگاہیں دُنیا بھر کی شراب سے بھری پڑی رہتی ہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس میوہ جات ملک میں نہیں اُگائے جاتے۔ لیکن برطانیہ کے تمام شہروں میں میوہ جات کی بہتات رہتی ہے۔

تقریباً ایک صدی تک برطانیہ دُنیا کی تجارت اور سیاست پر چھایا رہا۔ ملک کی خوشحالی اور فارغ البالی کا اعلیٰ معیار زندگی محض نوآبادیات کی لوٹ کھسوٹ اور بیرونی تجارت پر رہا ہے۔ صنعتی اشیاء برآمد کی گئیں۔ خوراک اور کچا مال سستے داموں اور زیادہ تعداد میں نوآبادیات سے ہی حاصل کیا گیا۔ دو بڑی جنگوں کے درمیان برطانیہ کا ہی بول بالا رہا۔ پھر اس کے تجارتی رقیبوں کی تعداد بھی بڑھنے لگی۔ اور برطانیہ کا پہلا سا سیاسی اور تجارتی اثر و رسوخ کم ہونے لگا۔ لیکن اس گئی گذری حالت میں بھی دُنیا کی سیاسی طاقت اور تجارتی فوقیت کی کنجی اب بھی برطانیہ کے پاس ہی ہے۔ برطانیہ کا پاؤنڈ اسٹرلنگ دُنیا میں تجارت کا بہترین رفیق ہے۔ اور بین الاقوامی تجارت کے اکثر لین دین اسی سکہ سے طے پاتے ہیں۔ نیز بین الاقوامی تجارت میں بنیادی اشیا کی مارکٹنگ کا برطانیہ ہی سواتی مرکز ہے۔ گو برطانیہ کا بیرونی سرمایہ دو بڑی جنگوں کے نذر ہو چکا ہے۔ تاہم وہ اپنی سابقہ برتری بحال کرنے میں بہت جدوجہد کر رہا ہے۔ انیسویں صدی میں برطانیہ نے دُنیا کے اندر اپنا ممتاز مقام حاصل کر لیا تھا۔ یعنی وہ سب سے ترقی یافتہ ملک تھا۔ اور صنعتی اور تجارتی میدان میں بھی آگے بڑھ چکا تھا۔ ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کا معیار زندگی اعلیٰ پیمانہ پر قائم کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا تھا۔ بلکہ سنہ ۱۸۹۰ء سے لے کر ۱۹۱۴ء تک جرمنی بھی یورپ میں صنعتی طور پر ترقی کرنے لگا تھا۔ اور اس طرح شمالی امریکہ نے بھی اپنے پر پھیلانے شروع کر دیئے تھے۔ تاہم برطانیہ اپنی صنعتی اور تجارتی فوقیت کے باعث نیز اپنی نوآبادیات خاص کر ہندوستان پر قابض ہو جانے کے

بعد بہت نمایاں ملک بن گیا تھا۔ لیکن پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ پر برطانیہ اپنی پہلی آن بان اور اعلیٰ معیار کو زیادہ دیر تک قائم نہ رکھ سکا۔ اور اُسے مختلف مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ یعنی اُس کی صنعتی اور تجارتی برتری اور فوقیت میں بدستور کمی ہونے لگی۔ اور دوسرے صنعتی ممالک اُس کے مدّمقابل آنے لگے۔ حتیٰ کہ جاپان۔ جرمنی اور ہندوستان بھی صنعتی میدان میں کود پڑے۔ اور برطانیہ کو پہلے پہل سوتی کپڑوں کی تجارت میں جاپان اور ہندوستان کے مقابلہ میں پیچھے ہٹنا پڑا۔

پٹرولیم کے استعمال نے برطانیہ کے کوئلہ کی مانگ کو کم کر دیا۔ اور یورپی ممالک بھی خود کوئلہ مہیا کرنے لگے۔ بلکہ انہوں نے کوئلہ کو برآمد کرنا شروع کر دیا۔ برطانوی نوآبادیات نے سیاسی آزادی کے مطالبہ کے ساتھ ساتھ اقتصادی آزادی کے مطالبات بڑھائے اور پس ماندہ ممالک نے اقتصادی طور پر برطانیہ کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے خود کفیل ہونے کے منصوبے تیار کر لئے۔ برطانوی مال کی برآمد کم ہونے لگی۔ محکوم ممالک نے اُس پر محصولات کا اضافہ کر دیا۔ جس سے برآمدی تجارت گھٹ گئی۔ کوئلہ۔ لوہا کپڑا اور مشینری کا سامان بُری طرح اثر انداز ہوئے۔ ملک میں بیکاری بڑھ گئی۔ ۱۹۲۱/۲۹ کی بیکاری ۱۹٪ تک پہنچ گئی اور ۱۹۳۲ء میں ۲۲٪ تک بڑھ گئی۔ لیکن ۱۹۳۵ء کے اسلحہ بندی کے پروگرام نے گرتی ہوئی تجارت کو قدرے سنبھال لیا۔ اور ملک پھر کسی حد تک اقتصادی طور پر تباہی سے بچ نکلا۔ اس کے باوجود اُس کی اقتصادی حالت تباہی کے راستے پر پڑ چکی تھی۔ جس کا نتیجہ دوسری جنگ عظیم کی صورت میں ظاہر ہوا۔ دراصل دوسری جنگ عظیم کی بنیاد ہی اقتصادی پریشانی سے شروع ہوئی۔ برطانیہ اپنی اقتصادی برتری کو جرمنی کی شکست سے قائم رکھنا چاہتا تھا۔ قدرتی طور پر برطانیہ اُس وقت یورپ اور جرمنی کی بڑھتی ہوئی تجارت سے بہت خائف ہو گیا۔ مشرق میں اُسے جاپان سے ڈر محسوس ہوا بین الاقوامی حالات قابو سے باہر ہو چکے تھے۔ اور برطانیہ کی مرضی کے خلاف جا چکے تھے مجبوراً برطانیہ اس بھڑکتی ہوئی آگ میں کود پڑا۔ لیکن جنگ کے خاتمہ پر گزشتہ عظمت حاصل کرنے کے بجائے اُسے اپنی باقیماندہ فوقیت سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔ برطانیہ کے بجائے روس اور امریکہ ہی دُنیا کی اجارہ داری حاصل کرنے یا اُس کے حصہ دار بننے کا دعویٰ کرنے لگے۔ بیچارہ برطانیہ گذشتہ اقتدار تک کھو بیٹھا۔ بلکہ اُس کا دیوالیہ نکل گیا۔ اُس کے

سمندری جہاز زیر آب غرق ہو گئے۔ اس کے صنعتی علاقوں پر شدید بمباری نے اس کی ملکی صنعت اور تجارت کو زمین دوز کر دیا۔ مجبوراً برطانیہ کو غیر ملکی (امریکہ) امداد پر بھروسہ کرنا پڑا۔ بلکہ اس نے اپنا غیر ملکی سرمایہ تک امریکہ کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ شمالی امریکہ نے برطانوی اندوختہ کو خرید لیا۔ اور برطانیہ امریکہ کا قرضخواہ بن گیا۔ — درآمدی اشیا کی بھاری قیمتیں ادا کرنے سے اس کی برآمدی تجارت کو نقصان پہنچا۔ بلکہ ۱۹۴۴ء میں اس کی برآمدی تجارت ایک تہائی رہ گئی۔ نیز اس کے سکہ کی قیمت بھی جنگ سے قبل قیمت کے مقابلہ میں آدھی رہ گئی۔ اسٹرلنگ علاقہ کی ساری تجارت امریکہ کے قبضہ میں پہنچ گئی۔ اور امریکہ ہی برطانیہ کی سرپرستی کرنے لگا۔ لندن کی مالی منڈی کا مرکز اب نیویارک منتقل ہو گیا اور امریکہ نے برطانیہ کے مقابلے میں فوقیت اور برتری حاصل کر لی۔ گویا برطانیہ اب امریکہ کے رحم و کرم پر تھا۔ برطانیہ نے اپنی ڈوبتی ہوئی کشتی کو نو آبادیات بالخصوص ہندوستان اور پاکستان کو قربان کر کے اپنے آپ کو اقتصادی طور پر بچایا۔ یعنی کالی مخلوق کو سفید چمڑی والے انسانوں کی خاطر قربان کیا گیا۔ تمام اقتصادی پریشانیوں کا بوجھ ہندوستان اور پاکستان کے عوام پر ڈالا گیا۔ اور خود برطانیہ نے اپنی مابعد جنگ کی مشکلات سے نجات حاصل کی۔ اور اس طرح وہ اقتصادی بربادی سے محفوظ ہو گیا۔ گویا نو آبادیات اور ہندوستان اور پاکستان کی موجودہ اقتصادی مشکلات کا باعث برطانیہ ہی ہے۔ اور برطانیہ کی موجودہ اقتصادی خوشحالی کالی مخلوق کی بربادی سے پیدا ہوئی۔ برطانیہ نے نو آبادیات کو سیاسی آزادی دے کر خود خوب فائدہ اٹھایا۔ جو وہ دو صدیوں کی لوٹ کھسوٹ سے بھی اتنا فائدہ نہ اٹھا سکا تھا۔ نااہل اور کم سمجھ قومی لیڈروں کو سیاسی اقتدار دے کر اندرون پردہ برطانیہ نے اقتصادی فائدے حاصل کئے۔

مختصراً برطانیہ جنگ کے خاتمہ پر اپنے سابقہ لوٹ کھسوٹ کے کاروبار میں مصروف ہو گیا۔ اس دفعہ سیاسی آزادی کے پس پردہ یہ کھیل کھیلا گیا۔ نیز خود برطانیہ میں اسلحہ سازی کی مہم کو تیز کیا گیا۔ اور نئے آزاد ممالک کو پرانا اسلحہ فروخت کر کے اُن کوتاہ اندیش ممالک سے قیمتی زرمبادلہ کمایا۔ اندرون ملک ہوائی جہازوں اور ایٹمی طاقت میں اضافہ کیا۔ امریکہ اور کینیڈا سے مالی امداد حاصل کر کے اپنے مالی خسارے کو پورا کر کے اپنی گرتی ہوئی تجارتی ساکھ کو درست کیا۔ غیر ممالک میں سرمایہ اندوزی اور

منافع اسٹرلنگ فاضلات کی بتدریج کمی - قرضہ جات کی ادائیگی وغیرہ مشکلات نے مجبوراً برطانیہ کو ۱۹۵۶ء میں بین الاقوامی بینک سے قرضہ مانگنا پڑا - نپولین نے سچ کہا تھا - کہ برطانیہ دوکانداروں کا گھر ہے - آج بھی دُنیا کی آدھی آبادی اسٹرلنگ کے ذریعے تجارتی کاروبار چلاتی ہے - اور برطانیہ دوبارہ اپنے پاؤں پہ کھڑا ہو چکا ہے -

---

انگریز نے اپنی دانائی - دور اندیشی - اہلیت اور قوم پروری کے باعث برطانیہ جیسے چھوٹے جزیرہ کو اور اپنی اُجڈ اور گنوار قوم کو مہذب زندگی کے خوشحال راستے پر ڈال دیا ہے - مگر ہم پاکستان جنت نشان کو محض اپنی نا اہلی - فرعونیت - کوتاہ اندیشی اور خلاف انسانیت حرکتوں کی وجہ سے دُنیا میں ایک جہنم کدہ میں تبدیل کر دیا ہے اس سے زیادہ اور کیا لعنت اور عذاب ہو سکتا ہے - جو ایک بد اخلاق قوم کو اپنے کرتوتوں کی سزا میں مل سکتا ہے - یہ سچ ہے - کہ ہمارے پاس مالدار طبقہ اور چند افراد کارخانہ دار بھی ہیں - جو آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں - لیکن کروڑوں مخلوق خدا غربت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے - پاکستان اُس وقت خوش حال ہو سکتا ہے - اور طاقتور بھی کہلا سکتا ہے - جبکہ اُس کی غربت کا خاتمہ ہو - اور مزدور کا معیار زندگی بلند ہو - برطانیہ کا امیر طبقہ ٹیکسوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے - لیکن وہ اپنی قوم کی خاطر سب کچھ برداشت کرتا ہے - مگر ہمارے ملک کا بے غیرت اور ذلیل طبقہ اُمراء رات دن اپنے فالتو سرمائے کی کوشش کرتا پھرتا ہے - تاکہ رات کو دن بنا سکیں - اور خوب عیش و عشرت کر سکیں - بلکہ ہمارے ملک کا سرمایہ دار طبقہ غریبوں کا خون چوسنے والا اور سامراجی ایجنٹ ہے - بلکہ وہ سامراجیوں سے بھی زیادہ خطرناک ہے - اور ملک و ملت کا سب سے بڑا غدار ہے - اُس کا مقصد حیات ہی سرمایہ اندوزی ہے - حالانکہ اُس کے فالتو سرمایہ سے غربت اور جہالت کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے - برطانیہ کا سرمایہ دار طبقہ اپنے ملک میں معاشرتی اصلاح کا لیڈر ہے - اور عوام کی فلاح و بہبود ہی اُس کی زندگی کا مشن ہے - ہمارے ملک کا سرمایہ دار قوم کا چور اور ڈاکو ہے - برطانیہ میں غربت ختم کر دی گئی ہے - اور ایک غریب کا معیار زندگی ہمارے ملک کے امیر کے معیار تک پہنچ چکا ہے - گویا

غریب حسرے سے دکھائی ہی نہیں دیتا۔ اور حالت یہ ہے کہ غریب اور امیر کا ظاہری فرق تقریباً مٹ چکا ہے۔ اور ہر جگہ یک رنگی پائی جاتی ہے۔ ہمارے ملک میں امیر و غریب دو علیحدہ علیحدہ قومیں ہیں۔ جن کا آپس میں کوئی بھی انسانی تعلق نہیں رہا۔ بلکہ وہ ایک دوسرے سے دور دور رہتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کے حالات سے قطعاً لاپرواہ اور بے خبر ہیں۔ برطانیہ میں غریب نظر نہیں آتے۔ ہر ایک فرد اچھے سے اچھے لباس میں ملبوس ہوتا ہے۔ رہائش کے لئے اُس کے پاس عمدہ مکان ہے۔ ہمارے ملک کا غریب ہڈیوں کا ڈھانچہ اور انسانیت کی مسخ شدہ مکروہ تصویر ہوتی ہے۔ بھوک سے اُس کے جسم کی ہڈیاں باہر نکلی ہوتی ہیں۔ بیماریوں سے اُس کا ہر ایک حصہ جکڑا ہوتا ہے۔ اُس کا جھونپڑا بہت غلیظ اور گندا ہوتا ہے۔ اُس کے بال بچے جاہل اور آوارہ ہوتے ہیں۔ جو بڑے ہو کر یا تو مجرم بنتے ہیں۔ یا قاتل بن کر پھانسی پر لٹکائے جاتے ہیں۔ برطانیہ میں غریب کے بچے بہت اچھی طرح پرورش پاتے ہیں۔ اُن کی ابتدائی تعلیم کا انتظام سولہ برس تک گورنمنٹ کی طرف سے مفت ہوتا ہے یونیورسٹی کی تعلیم کے لئے ان کو وظائف کی ہر ممکن سہولتیں میسر ہیں۔ لباس۔ رہائش اور گھر کا سامان صاف ستھرا اور عمدہ ہوتا ہے۔ ہمارے ملک میں غریب سڑکوں پر پڑا دن کے وقت تارے گنتا ہے۔ برطانیہ میں ایسا نہیں ہوتا۔ وہاں چپے چپے زمین پر ہسپتال قائم ہیں۔ جہاں اعلیٰ پیمانے پر مفت علاج معالجہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر اور نرسیں ایمانداری سے خدمتگاری کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ رشوت نام کو نہیں سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ کافر لوگ تو اس قدر رحم دل اور فیاض ہیں۔ لیکن ہمارے ملک کے مسلمان امیر لوگ کیوں انسانیت سے خالی ہو چکے ہیں۔ وہ اپنے اردگرد غریبوں کے دکھ درد سے بالکل لاپرواہ ہیں۔ وہ صرف دولت سمیٹنے سے غرض رکھتے ہیں ان کی دولت اپنی ذات پر پانی کی طرح استعمال ہوتی ہے۔ گویا سارا ملک اُن کی بدمعاشی کے لئے آزاد ہے۔ اور وہ ساری قوم کو عصمت فروشی اور جنس بازاری کی طرف تیزی سے لے جا رہے ہیں۔ افراط زر کے باعث قومی سکہ کی قیمت بھی برائے نام رہ گئی ہے۔ ٹیکسوں کا زیادہ بوجھ بھی غریب اٹھاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی غریبوں سے دُکھ درد کا پوچھنے والا کوئی نہیں۔ دلیسی صاحب لوگ جو انگریز کی نقالی

ہیں بہت آگے بڑھ چکے ہیں - وہ غریب کی غربت دیکھ کر صرف مشاعرہ منعقد کر کے دو چار مرثیے پڑھ لیتے ہیں - اور واہ واہ کہہ کر خاموش اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں - لیکن کوئی عملی کام نہیں کرتے - یہی وجہ ہے - کہ ہمارے ملک کا غریب طبقہ قرض مانگ مانگ کر برطانیہ کا سفر اختیار کرتا ہے - اور اگر پاسپورٹ وغیرہ کی رکاوٹ نہ ہو - تو سارا پاکستان ہی برطانیہ پہنچ جائے گا - تاکہ اپنی آئندہ زندگی کا کچھ حصہ آرام سے گذار سکے - اور اس طرح اپنے ملک کی غربت اور حکمران طبقہ کی نااہلیت اور فرعونیت سے چند روزہ چھٹکارا حاصل کرلیں - جو پاکستانی برطانیہ کا سفر کرتے ہیں - وہ محض اپنی غربت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے گھربار چھوڑنے پر مجبور ہوتے ہیں - اگر پاکستان میں ان کی غربت کا کوئی علاج ہوتا - تو کون چاہتا کہ اپنے بال بچوں اور گھربار کو چھوڑ کر غیر ملک میں جا کر بے عزتی کی زندگی بسر کرے اور اس طرح اپنے ملک کا قیمتی زرمبادلہ ضائع کرے - حتیٰ کہ پاکستانی انجنیئر - ڈاکٹر اور دوسرے ماہرین بھی برطانیہ میں پہنچ چکے ہیں -

برطانیہ میں مزدوری کو عزت کا درجہ دے کر غربت کا خاتمہ کیا گیا ہے - مگر ہمارے ملک میں مزدوری بے عزتی اور رسوائی کا دوسرا نام ہے - شاید پاکستانی لارنس نے ہمارے کانوں میں یہ سرگوشی کی ہوگی - کہ مزدور بڑی حقیر شے ہے اور حقیقت بھی یہ ہے - کہ پاکستان میں مزدور کو بہت حقیر سمجھا جاتا ہے - صنعتی کاریگروں کی سوسائٹی میں کوئی عزت نہیں کی جاتی - اور ان سے کوئی بھی شادی بیاہ کے تعلقات قائم نہیں کرنا چاہتا ... - مگر برطانیہ کے مزدور کو حقارت سے نہیں دیکھا جاتا - بلکہ برطانوی مزدور کا معیار زندگی ہمارے ملک کے امیروں سے بھی بلند ہے - اس چیز نے پاکستان میں لاکھوں اشخاص کو برطانیہ کے لئے دیوانہ کر دیا ہے - وہ اس انتظار میں بیٹھے ہیں - کہ کب جلد از جلد برطانیہ پہنچ سکیں - کیا ہمارے ملک کی غربت ہمارے ملک کے دفاع کے خلاف سب سے زیادہ خطرناک اور ارزاں ترین خفیہ ہتھیار نہیں ؟ برطانوی حکومت برطانوی عوام کی بہبودی کا کام کرتی ہے - اور اس حکومت کا مقصد ہی سوشل ویلفیئر ہے - یعنی عوام کی خوشحالی اور بہتری کے لئے کام کرنا - نیز سیاسی پارٹیوں کی کامیابی اسی میں سمجھی جاتی

ہے۔ کہ وہ عوام کی بہبودی کے لئے پارٹی پروگرام پیش کریں۔ اور اس طرح قوم سے رضامندی حاصل کرسکیں۔ امیروں اور کارخانہ داروں پر بھاری بھاری ٹیکس عائد کئے گئے ہیں۔ نیز ساری قوم کو بھی عام بہبودی کے کاموں میں شریک کیا جاتا ہے۔ اور اُن سے بھی معمولی ٹیکس وصول کر کے ایک دوسرے کی مدد کا کام جاری رکھا جاتا ہے۔ آخر یہ تمام بہبودی اور بہتری کا کام آسمان سے تو نازل نہیں ہوتا بلکہ اس کام میں ساری قوم کو جانی۔ مالی۔ اخلاقی اور ذہنی طور پر شریک کیا جاتا ہے۔ اور ہر ایک سے اُس کی آمدنی کے تناسب کے لحاظ سے ٹیکس وصول ہوتے ہیں۔ یعنی ملک کی بالغ آبادی کا قومی بیمہ رائج ہے۔ جس کی آمدنی سے قومی فلاح و بہبود کے کام کئے جاتے ہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے برطانیہ میں غربت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ بچوں کی ابتدائی تعلیم مفت ہے۔ علاج معالجہ مفت ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں غریبوں سے جو ٹیکس وصول ہوتا ہے۔ وہ سرکاری افسروں کے سفر خرچ پر ہی ختم ہو جاتا ہے۔ برطانیہ میں ٹیکس سے عوام کی بہبودی کے کام سرانجام پاتے ہیں۔ پیدائش سے لے کر موت تک سارے ضروری کام سرکاری امداد سے پورے ہوتے ہیں۔ بیماری کے دوران میں بیماروں کو وظیفہ ملتا ہے۔ بیکاری الاؤنس اور قومی امداد بھی دی جاتی ہے۔ چند شلنگ ادا کر کے دوائیوں کے نسخوں سے علاج کا سارا خرچ گورنمنٹ برداشت کرتی ہے۔ ہمارے ملک میں علاج معالجہ ڈاکٹروں کی نفع اندوزی کا ایک خفیہ ہتھیار ہے۔ سرکاری ہسپتال امیروں کے لئے تفریح گاہیں بن چکے ہیں۔ جہاں غریبوں کی ہڈیوں سے آٹا طیار ہوتا ہے۔ علاج معالجہ کے لئے ہمارے ملک کے حکیم یا ڈاکٹر انسانی بھیڑیوں سے بھی زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ اور غریب کا سارا سرمایہ لوٹ کر اپنی کار خرید لیتے ہیں۔ بہت سے غریب بغیر علاج معالجے ہی خودکشی کر لیتے ہیں۔ تاکہ ڈاکٹروں کے خرچ سے محفوظ رہ سکیں۔ کم آمدنی والے اشخاص اس مہنگے علاج سے مزید مالی پریشانیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کے مصائب میں بیماری کے خاتمہ پر زیادہ اضافہ شروع ہوتا ہے۔ برطانیہ میں بیکار اور بیمار کو لاچار مرنے نہیں دیا جاتا۔ اُسے سرکاری امداد ملتی ہے۔ مکانات آسان قسطوں پر خریدے جا سکتے ہیں۔ پرانے مکانات دھڑا دھڑ گرائے جا رہے ہیں۔ اور اُن کی جگہ عمدہ ترین کئی منزلہ فلیٹ تعمیر ہو رہے ہیں ہمارے ملک کے امرا اور اسمگلر تو بنگلے تعمیر کرنے میں معروف ہیں۔ لیکن غریبوں کی

رہائش کا مسئلہ عذاب جہنم سے کم نہیں ہے

کیا کہیں اوروں کو یہ ایسے ہیں وہ ویسے ہیں
سچ جو پوچھو تو ہمیں کون سے اچھے ہیں (اکبر مرحوم)

انگریزوں میں مل جل کر کام کرنے کی بہت اچھی عادت ہے۔ اور وہ قومی مقصد کے لئے پوری تنظیم کے ساتھ اکٹھے ہو کر کام کرتے ہیں۔ جہاد پاکستان میں ہم میں سے بہت سے اشخاص دشمنوں سے جا ملے۔ اور ساری قوم کو نقصان پہنچانے سے دریغ نہیں کیا بلکہ خود سامراجی طاقتوں کے قدم مضبوط کرنے میں ہمارے اہل ملک نے اپنی قوم سے غداری کی۔ لیکن انگریزوں نے اپنی قوم کے خلاف کبھی غداری نہیں کی۔ حتیٰ کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران میں مخالف سیاسی پارٹیاں بھی اپنے اختلافات بھول کر قومی کاموں میں یکجا ہو گئیں۔ اور متحدہ قومی حکومت میں شریک ہو کر دشمن کے خلاف جنگ جاری رکھی جنگ کے خاتمہ تک اپنے اتحاد کو قائم رکھا۔ موجودہ ٹوری پارٹی دو بار لیبر پارٹی کو شکست دے کر کامیاب ہوئی۔ گویا برطانوی مزدور بھی اپنے ملک کے سرمایہ دار طبقہ پہ پورا اعتماد رکھتا ہے۔ اسی لئے انگریزی سوسائٹی میں طبقاتی تقسیم رفتہ رفتہ ختم ہو رہی ہے امیر و غریب کا ظاہری امتیاز مٹ چکا ہے۔ یہ سماجی انقلاب آجکل برطانیہ میں نظر آتا ہے۔ جو صنعتی انقلاب کے بعد ملک کا سب سے بڑا انقلاب کہلاتا ہے۔ بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ انگریز قوم بھی اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کرتی ہے۔ انگریزی سوسائٹی کا امیر طبقہ خود بخود اپنی خوشی سے جملہ اختیارات اور مراعات کو ختم کر کے عوام کو قومی سطح پہ یکساں طور پہ لانے کے لئے کوشش کرتا ہے۔ اس مصلحت پسندی نے انگریزوں کو فرانسیسی یا روسی جیسے خونی انقلابات سے محفوظ رکھا۔ اور بغیر کسی ہنگامہ یا خون خرابہ کے ملک میں سماجی انقلاب پیدا ہوا۔ ہمارے ملک کے حالات دگرگوں اور پراگندہ ہیں۔ امیر و غریب کے مدارج میں بہت گہری خلیج پاٹ دی گئی ہے۔ اور پاکستانی سوسائٹی مختلف طبقات میں تقسیم ہو چکی ہے۔ جو ایک دوسرے سے پرخاش اور دبے آثار رہتے ہیں۔ امیر و غریب کا فرق بہت گہرا اور پیچیدہ بنتا جا رہا ہے۔ دیہاتی اور شہری کا بھی فرق نمایاں ہے۔ دفتری بابو اور سرکاری افسروں کا آپس میں کوئی میل ملاپ نہیں۔ سول کا محکمہ فوج سے علیحدہ اور مختلف ہے۔ صنعتی مزدور اور کسان میں بہت فرق

ہے - کاریگر اور کارندہ کا فرق بھی صاف نظر آتا ہے - تجارتی اور صنعتی طبقوں کا بھی یہی حال ہے - یہ تمام طبقے جداگانہ حیثیت اختیار کر چکے ہیں - جو ملکی دفاع کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں - کیونکہ اندرون ملک اس قسم کی طبقاتی چپقلش اور مجلسی تقسیم در اصل طاقت اور اقتدار کی رسہ کشی بن سکتی ہے - اور قومی مقصد ضائع ہو جانے کا احتمال ہے سوسائٹی کے مختلف عناصر اور طبقوں میں مشترکہ مقصد نہیں پایا جاتا - برطانیہ میں سماجی انقلاب کے باعث قومی یک جہتی اور اتحاد پیدا ہو چکا ہے - نیز طبقاتی تقسیم کے باقی ماندہ اثرات سے جو خرابیاں پیدا ہونے کا احتمال ہے - اُن کو دور کرنے کے لئے ہر ممکن کوششیں جاری ہیں پاکستان میں سرے سے اس سلسلہ میں کوئی کوشش نہیں کی جاتی - ایک قیامت کا عالم ہے گویا ہر طرف نفسانفسی کا دور دورہ ہے - عوام میں خاموش بغاوت کے اثرات پائے جاتے ہیں - جو آسانی سے قابو سے باہر ہو سکتے ہیں

برطانیہ کی حکومت اب سوشل ویلفیئر اسٹیٹ کہلاتی ہے - جس کا مطلب یہ ہوا - کہ حکومت کے تمام ادارے اور قومی پالیسی عام پبلک کی بھلائی اور بہبودی کے لئے مخصوص ہیں - جس کا مقصد ہے - کہ بیکسوں کی امداد کی جائے - ناداروں کی خبر گیری ہو - تعلیم اور حفظان صحت عام اور مفت ہو - رہائشی مکانات کی تعمیر کی جائے - بیکاری اور بیماری کے دوران میں مناسب دیکھ بھال اور امداد کی جائے - بوڑھوں اور اپاہجوں کی بہبودی ہو - اور ان کے لئے پنشن اور معاوضہ مقرر کیا جائے - بچوں کی پیدائش اور خوراک کا مفت انتظام ہو - دایوں کا بندوبست ہو - مزدوروں کے مقررہ اوقات اور مناسب اجرتیں ہوں - فیملی الاؤنس وغیرہ دیئے جائیں - سارے کام سرکاری سطح پر ہو رہے ہیں - مگر قومی ادارے بھی برابر پورے طور پر قومی فلاح و بہبود کے کاموں میں مصروف ہیں - گرجا گھر مفاد عامہ کا کام کرتے ہیں - بلکہ ویلفیئر اسٹیٹ بننے سے پہلے گرجا گھروں کے پادری صاحبان ہی مفت خدمت خلق کا کام سر انجام دیا کرتے تھے - اور چرچ کی طرف سے اسکولوں - کالجوں اور ہسپتالوں کا کام جاری تھا - اب بھی ضرورت مندوں کی امداد بھی اُن کے ذمہ ہے - لیکن خدمت خلق کا سارا بوجھ اب گورنمنٹ نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے - اور ٹیکس دہندوں کی مدد سے یہ کام چلایا جاتا ہے - اس کے علاوہ

مختلف سرکاری اور پرائیویٹ ادارے خدمت خلق کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ مثلاً اندھوں کی دیکھ بھال کے لئے ایک علیحدہ انجمن قائم ہے۔ فیملی ویلفیئر الیوسی ایشن قائم ہے۔ اپاہجوں کی بہبودی کے لئے سنٹرل کونسل ہے۔ بے گھر بچوں کے لئے نیشنل کونسل فار چلڈرن ہوم ہے۔ نیز نیشنل الیوسی ایشن اور نیشنل ہیلتھ۔ پبلک ویلفیئر وومن گروپ نیشنل میریج گائیڈنس کونسل۔ سیلویشن آرمی (مکتی فوج) چرچ آرمی۔ سوشل سروس آف چرچ آف اسکاٹ لینڈ۔ چرچ آف انگلینڈ مارل ویلفیئر کونسل۔ وائی۔ ایم۔ سی۔ اے وائی۔ ڈبلیو۔ سی۔ اے۔ جیوش بورڈ اور گارڈین۔ کیتھولک میریج ایڈوائزری کونسل شہریوں کے لئے ایڈوائزری بیورو۔ برٹش ریڈ کراس وغیرہ۔ یہ تمام سماجی ادارے آزادانہ طور پر برطانوی عوام کی بہبودی کے لئے نہایت ہی خلوص اور ایمانداری سے خدمت سرانجام دیتے ہیں۔ گورنمنٹ بھی ان اداروں کی مالی امداد کرتی ہے پبلک سے بھی چندہ لیا جاتا ہے۔ تاکہ قومی خدمت کا کام جاری رکھا جا سکے۔ ان سب اداروں میں سوشل ورکروں کی ایک فوج ملازم رکھی ہوئی ہے۔ جو باقاعدہ تنخواہ وصول کرتے ہیں۔ اور اپنا کام ڈسپلن اور محنت سے کرتے ہیں۔ ۱۹۴۶ء سے فیملی الاؤنس منظور ہوئے۔ تاکہ بچوں کی نگہداشت کا بوجھ خاندانوں پر نہ پڑے اور بچوں کی پرورش میں کوتاہی نہ ہو۔ ہمارے ملک میں خاندانی منصوبہ بندی پر تو بہت زور دیا جاتا ہے کیونکہ اس میں سامراجی مقاصد پورے ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارے ہونہار اور غریب بچوں کی نگہداشت کی طرف کوئی بھی دھیان نہیں دیتا۔ شاید اس میں محنت کرنی پڑتی ہے اور مالی قربانی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ نیز یہ چیز سامراجوں کی پالیسی کے خلاف ہے ۱۹۴۸ء کے نیشنل انشورنس ایکٹ بننے سے یہ پابندی ضروری ہو گئی۔ کہ ہر ایک ملازم اور مالک برابر برابر قیمت ادا کر کے سرکاری خزانہ میں یہ جمع شدہ رقم ٹکٹوں کی صورت میں جمع کریں۔ تاکہ بیماری اور بیکاری کے ایام میں مدد حاصل کی جا سکے نیز پنشن کی ادائیگی کی صورت بھی نکل آئے۔ چنانچہ بیماری اور بیکاری کے دوران بیکاروں کو خرچ ملتا ہے۔ اور علاج معالجہ مفت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ زچہ گیری کا الاؤنس ہے جو گرانٹ کی صورت میں ملتا ہے۔ بیواؤں کو بھی الاؤنس دیا جاتا ہے یتیم بچوں کے وارثوں یا سرپرستوں کو جو اُن کی سرپرستی کریں۔ معقول معاوضہ دیا

جاتا ہے۔کسی کو حادثہ پیش آئے ۔تو بھی معاوضہ دیا جاتا ہے۔ ۶۵ سال پہنچنے پر پنشن مقرر ہوتی ہے ۔ عورتوں کو ۶۰ سال کی عمر میں پنشن دی جاتی ہے ۔ شادی شدہ عورت اپنے خاوند کے بیمہ کارڈ پر بھی اپنی پنشن حاصل کر سکتی ہے ۔ پنشن یافتہ اشخاص کی آمدنی کو بڑھانے کے لئے اُن کو وقتی کام بھی دیا جاتا ہے۔ پھر موت کے موقع پر گرانٹ ملتی ہے۔تاکہ متوفی کے وارث یا واقف کار میت کو سنبھال سکیں ۔ زخمیوں کو معاوضہ کے علاوہ ہفتہ واری الاؤنس دیئے جاتے ہیں ۔ضرورت مند اشخاص ہنگامی صورت میں گورنمنٹ سے امداد حاصل کر سکتے ہیں ۔گورنمنٹ نے ایک ادارہ نیشل امدادی بورڈ بنا رکھا ہے ۔جو ضرورت مندوں اور لاچاروں کی بروقت مدد کرتا ہے۔ اور بوڑھوں کی مالی مشکلات کو دور کرتا ہے۔ بلکہ اپاہجوں کو بھی مالی مصیبت سے نجات دلاتا ہے۔ اس کے علاوہ مقامی ادارے اپنے ہاں اندھوں ۔لنگڑوں ۔بہروں اور بوڑھوں کی خبر گیری اور رہائش کا بندوبست بھی کرتے ہیں ۔اور ان کے لئے سوشل کلب قائم کر رکھے ہیں ۔اور گذارے کے لئے کام بھی مہیا کیا جاتا ہے ۔ نیز ان کی سیر تفریح کے انتظامات ہیں ۔بچوں کی دیکھ بھال تو سرکاری فرض بن چکا ہے۔ اور ہر ایک لوکل ادارے کا یہ فرض ہوتا ہے ۔کہ وہ سترہ سال تک اُن کم عمر بچوں کا نگران ہو ۔جن کا کوئی والی وارث نہ ہو یا اُن بچوں کی دیکھ بھال کرے ۔جن کا غریب خاندان خرچ برداشت نہ کر سکیں ۔ یا اُن کی دیکھ بھال اُس خاندان کی طاقت سے باہر ہو جائے چنانچہ سرکاری نگرانی میں ۱۸ سال کی عمر تک پہنچ کر وہ خود مختار اور آزاد شہری بن جاتے ہیں ۔ اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتے ہیں۔ بعض اوقات چھوٹے بچے کسی معتبر اور قومی کارکن خاندان کی سرپرستی میں بھی پرورش پاتے ہیں ۔ یا اُن کو چلڈرن ہوم میں رکھا جاتا ہے ۔ اور اس طرح بچوں کو آوارہ زندگی سے محفوظ رکھ کر مفید شہری بنایا جاتا ہے ۔تاکہ وہ اپنے لئے اور قوم کے واسطے فائدہ مند ثابت ہو سکیں ۔

پنشن یافتہ اشخاص کے لئے ایک ویلفیئر ادارہ ہے جو اُن کی حفاظت کرتا ہے سابقہ فوجیوں ۔بیواؤں ۔یتیم بچوں کے لئے الاؤنس مقرر کئے جاتے ہیں ۔ نیز سابقہ

فوجیوں کی اپنی ایک علیحدہ انجمن ہے۔ جس کا نام برٹش لیجئین ہے۔ جو حکومت سے براہ راست تعلق قائم کر کے سابقہ فوجیوں کے حقوق کی نگہداشت رکھتی ہے۔ ملک بھر میں ہسپتالوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ جہاں ہر وقت مفت اور فوری علاج معالجہ ہوتا ہے۔ علاوہ کئے ہسپتال سے ملحقہ میڈیکل اسکول بھی ہیں۔ تاکہ طبی تعلیم آسانی سے حاصل کی جا سکے۔ ڈاکٹر یا دایہ کی ہدایت کے مطابق حاملہ عورت چاہے گھر پہ یا ہسپتال میں بچہ کی پیدائش کے بارے میں اپنی مرضی بتا سکتی ہے۔ زچہ گیری اور بہبودئی اطفال کے مراکز ملک بھر میں قائم ہیں۔ جہاں خشک دودھ اور ضروری دوائیں تقسیم ہوتی ہیں نیز سستی خوراک کا بھی بندوبست ہے۔ غیر شادی شدہ مائیں اور اُن کے بچوں کے لئے لاتعداد قومی ادارے کام کرتے ہیں۔ ایمبولنس کا انتظام بہت وسیع پیمانہ پر مفت قائم ہے۔ تپ دق کی روک تھام کے لئے مناسب انتظامات کئے گئے ہیں۔ بہت سے مراکز قائم ہیں۔ جہاں مفت ایکس رے ہوتا ہے۔ نیز تپدق کے لئے مفت صحت گاہیں قائم ہیں۔ چیچک اور دیگر مہلک دباؤں کا قلع قمع کر دیا گیا ہے۔ مکھیوں مچھروں کا نام ونشان تک نہیں۔ مفت صحت کے انتظامات کے ساتھ ساتھ مفت تعلیم کا بھی بندوبست ہے ۹۵٪ بچے سرکاری خرچ پر مفت تعلیم حاصل کر رہے ہیں یونیورسٹیاں اپنے انتظامی امور میں خود مختار اور آزاد ہیں۔ گو سرکاری امداد برابر اُن کو ملتی ہے مفت ابتدائی تعلیم کا انتظام ۱۸۷۰ء میں جاری ہوا۔ اور ابتدائی تعلیم لازمی قرار پائی۔ اس طرح ۵ سال سے ۱۶ / ۱۵ سال تک کے بچے لازمی اور مفت تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ امیر بچوں کے پبلک اسکول ہیں۔ جہاں ہونہار بچوں کو سرکاری خرچ پر تعلیم کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ کوئی ۱۶ یونیورسٹیاں ہیں۔ چار اسکاٹ لینڈ میں ہیں ۲ ایک ویلز میں اور ایک شمالی آئرلینڈ میں ہے۔ مشہور یونیورسٹیاں۔ آکسفورڈ کیمبرج۔ لندن۔ برمنگھم۔ برسٹل۔ ڈرہم لیڈز۔ لورپول اور مانچسٹر ہیں۔ بہت سی یونیورسٹیوں سے ملحقہ رہائشی کالج بھی ہیں۔ ان یونیورسٹیوں میں عورتیں بھی مردوں کے برابر شامل ہو سکتی ہیں۔ اور یہ سب سرکاری کنٹرول سے آزاد ہیں۔ ان یونیورسٹیوں کے لئے سال بسال داخلے کے لئے مقابلہ بہت بڑھ رہا ہے۔ اور اس طرح بعض اوقات داخلہ بھی بمشکل ملتا ہے۔ مگر تاہم مستحق طلبا کو اپنی تعلیم جاری رکھنے کے

لئے کہیں نہ کہیں جگہ مل ہی جاتی ہے تعلیم کی طرف آجکل زیادہ دھیان دیا جارہا ہے۔ مستحق اور قابل طلبا کے وظائف بھی مقرر ہیں۔ اور کسی قسم کی مالی مشکلات تعلیم کے راستے میں حائل نہیں ہونے دی جاتیں۔ اور اس طرح اپنی اہلیت اور قابلیت کے مطابق ہر ایک طالب علم اپنی تعلیم جاری رکھ سکتا ہے ۷۵ % طلبا تو سرکاری وظائف سے مستفید ہیں۔ نیز خیراتی ادارے بھی مستحق طلبا کو وظائف دیتے رہتے ہیں۔ وزارت تعلیم کی طرف سے بھی وظائف جاری ہیں۔ مقامی ادارے بھی دل کھول کر تعلیمی وظیفے مقرر کرتے ہیں۔ ریسرچ اور مزید تحقیقات کے لئے بھی وظائف مقرر ہیں۔ حکومت اور صنعت کاروں کی طرف سے بھی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے اور تعلیم کے مالی مطالبات میں ہر سال اضافہ ہوتا ہے۔ اسکولوں اور کالجوں کے اخراجات بھی کم ہیں۔ اور فیس بھی برائے نام ہوتی ہے۔ جو طلبا کارخانوں میں کام کرتے ہیں۔ یا اپنے طور پر کاروبار میں مصروف ہیں۔ وہ چاہیں۔ تو چھٹی لے کر یا اپنی فرصت کے اوقات میں مختلف کلاسوں میں شامل کئے جاتے ہیں۔ ۱۹۵۶ء کے پانچ سالہ تعلیمی پروگرام کے پیش نظر ٹیکنکل اور سائنس کی تعلیم کے لئے کالجوں میں توسیع کی جانے لگی ہے۔ اور جو طلبا یونیورسٹیوں میں داخل نہ ہوسکیں۔ وہ کارخانوں میں کام کرتے ہوئے یونیورسٹی معیار کی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ اور ان کے لئے ترقی کے راستے کھلے رہتے ہیں۔ اور تعلیمی معاملے میں اُن کے راستے میں کسی قسم کی رکاوٹ محسوس نہیں ہوتی۔ جس کا جی چاہے۔ اپنی تعلیمی حسرت پوری کر سکتا ہے۔ چاہے بوڑھا ہی کیوں نہ ہو۔ اور کسی شہری کی خداداد صلاحیتوں کو دبایا نہیں جاتا۔ بلکہ اُسے فروغ دینے کے لئے ہر ممکن امداد اور اعانت کی جاتی ہے۔ تاکہ ایک عمدہ شہری کی خدمات سے ساری قوم مستفید ہو سکے۔ اور قوم اُس پر بجا طور پر فخر کر سکے۔ کہ پاکستان میں پرائیویٹ تعلیم بند کر کے خداداد صلاحیتوں کو مٹانے کی کوششیں جاری ہیں۔ تاکہ آئندہ نسلیں علم کی دولت سے محروم کر دی جائیں۔ برطانیہ میں شبانہ مدارس بھی قائم ہیں۔ جہاں ہر ایک مضمون پر تعلیم دی جاتی ہے۔ تقریباً ۵۰۰۰ سو تو غیر ملکی طلبا تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ برٹش کونسل بیرونی ممالک کے طلبا کو وظائف بھی دیتی ہے تاکہ وہ برطانوی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کر سکیں۔ اسی لئے

ہر سال بیرونی طلبا کے لئے یونیورسٹیوں میں خاص تعداد میں نشستیں تعین کی جاتی ہیں اُن میں خاصی تعداد وظائف وصول کرتی ہے ۔کوئی ریسرچ کے لئے آتا ہے ۔کوئی انجنرنگ کے لئے ۔ کوئی پروفیسر بننے کے لئے یا ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے اور زیادہ تعداد بیرسٹر بننے کے لئے آتی ہے ۔ علیٰ ہٰذالقیاس ۔ برٹش کونسل کا کام یہی ہے کہ برطانوی معاشرت اور تہذیب کو غیر ممالک میں روشناس کرائے۔۔۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ انگریزی زبان کو فروغ دے ۔ اور انگریزی قوم کی تہذیبی کاموں کی اشاعت اور تبلیغ کرے۔ اور غیر ممالک کو برطانیہ کی علمی ۔ تہذیبی اور سائنٹیفک اور صنعتی ترقیوں سے روشناس کرائے ۔ غیر ملکی طلبا کے لئے برطانیہ میں تعلیمی سہولتیں بھی بہم پہنچائی جاتی ہیں ۔ گو برطانوی عوام اس کی مخالفت کرتے ہیں ۔

جزائر برطانیہ سے انگریزوں کا بہت پیار ہے اور یہ عام کہاوت مشہور ہے ۔ کہ کہ خدا جب کوئی کام سرانجام دینا چاہے ۔ تو وہ اپنے بندوں میں سے صرف انگریزوں کو ہی منتخب کرتا ہے ۔ گویا خدا بھی برطانیہ سے محبت رکھتا ہے ۔ انگریز کا یہ پختہ ایمان ہے ۔ کہ خدا نے انگریزوں کو اپنے ہاتھ سے بنایا ہے ۔ اور دوسری قوموں کو شیطان نے پیدا کیا ۔ برطانیہ کی تعریف میں انگریزی لٹریچر بھرا ہوا ہے ۔ لیکن اجنبیوں سے نفرت کی جاتی ہے ۔ بلکہ انگریز غیر قوموں کو محکوم رکھنا اپنا قومی مشن خیال کرتے ہیں ۔ اور عین منشائے ایزدی خیال کرتے ہیں ۔ انگریزوں کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح سما گئی ہے ۔ کہ دوسری قوموں پر جو بھی مصیبت آتی ہے ۔ وہ اس لئے آتی ہے ۔ کہ وہ انگریز نہیں ہوتے ۔ اور خدا بھی ان سے اسی وجہ سے ناراض رہتا ہے ۔ اور جب انگریزوں پر مصیبت نازل ہو جائے ۔ تو اس کا سبب یہ بتایا جاتا ہے ۔ کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہوتا ہے ۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے ۔ کہ انگریز پر مصیبت آئے ۔ شاید خدا نے یہ جان لیا ہے کہ برطانیہ والے انگریزیت سے ضرور ہٹ چکے ہیں ۔ یا سرے سے انگریز ہی نہیں رہے

خدا انگریزوں کا اپنا خدا ہوتا ہے ۔ وہ دوسروں کا خدا نہیں ہو سکتا اسی لئے خدا بھی انگریز کو اس وقت تک تکلیف نہیں دیتا ۔ جب تک وہ انگریزیت پر قائم رہتا ہے ۔ انگریزوں کو جو بھی شکست ملی ۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے ۔ کہ

انگریزوں نے غیر قوموں کا طریقہ اختیار کر لیا۔ گویا انگریزوں کے نزدیک انگریزیت سے بڑھ کر اور کوئی چیز بہتر نہیں ہوتی۔ وہ غیر ملکیوں کی نجات اسی میں سمجھتے ہیں۔ کہ وہ انگریزی طرز حیات اختیار کریں۔ ورنہ وہ غیر مہذب رہ کر خدا کے عذاب سے کبھی بھی بچ نہیں سکتے۔ برطانیہ میں پرانی یادگاریں ابھی تک موجود ہیں۔ شاہی رسومات بطور ایک مذہبی اور قدیم قومی فریضہ کے پڑا نے طور طریقوں سے ادا کی جاتی ہیں۔ اور اُن میں کچھ بھی تبدیلی نہیں کی گئی ہے۔ اور نہ ہی کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت سمجھی جاتی ہے ہر ایک انگریز چھوٹا سا غیر سرکاری وزیر اعظم بنا پھرتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے آپ کو شاہی خاندان سے ظاہر کرتا ہے۔ اُس کے دل و دماغ میں یہ چیز سرایت کر چکی ہے۔ کہ وہ برطانیہ کا واحد مالک ہے۔ اسی لئے برطانوی لیڈروں اور سیاست دانوں کو اپنی قوم کے جذبات اور احساسات کا زیادہ احترام کرنا پڑتا ہے۔ اور وہ رائے عامہ کو بہت وقعت دیتے ہیں۔ بلکہ رائے عامہ کو اپنا ہم خیال بنانے میں اُن کو بہت محنت کرنی پڑتی ہے۔ وہ اپنی کامیابی اسی میں سمجھتے ہیں۔ گو ملک میں ابھی تک طاقت و اقتدار کی اجارہ داری ایک مخصوص گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔ لیکن پھر بھی قومی لیڈر عوام کے جذبات سے بالکل غافل نہیں رہ سکتے۔ اور وہ رائے عامہ کا بہت احترام اور لحاظ کرتے ہیں۔ کیونکہ کسی قسم کی لغزش یا کمزوری سے تمام قوم کے جذبات بھڑک اُٹھنے کا ڈر رہتا ہے۔ بلکہ ایک ہنگامہ سا مچ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مجموعی طور پر سارا ملک سیاسی بد دیانتی سے محفوظ ہے۔ یعنی سیاسی بد دیانتی کے واقعات جو دوسرے ممالک میں روزمرہ کا معمول بن چکے ہیں۔ شاذ و نادر ہی برطانیہ میں پیش آتے ہیں قومی لیڈر دیانتدار ہیں۔ اور پبلک کے مفاد کا ہر ممکن خیال رکھتے ہیں۔ ملک کو اندرونی طاقت عوام کی یک جہتی سے حاصل ہے۔ سیاسی وعدوں کی پابندی اخلاقی فرض بن جاتی ہے۔ شریف آدمی اُس کو سمجھا جاتا ہے جو وعدے کا پکا ہو۔ حتیٰ کہ انگلینڈ و فرانسیسی دونوں کے درمیان اس طرح شناخت کی جاتی ہے۔ کہ انگریز سچا ہوتا ہے اور فرانسیسی خوش اخلاق ہوگا۔ فرانسیسی ادب میں مشہور ہے۔ کہ کوئی بات ملمع سازی جھوٹ اور چاپلوسی کے بغیر مزہ نہیں دیتی۔ انگریز اپنی کھری سچائی کے باعث فرانسیسیوں کے نزدیک اُجڈ۔ گنوار اور وحشی خیال کئے جاتے ہیں۔ اور

انہیں یورپ کا بھولا بادشاہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ حقیقت بھی یہ ہے۔ کہ انگریز عام اصطلاح میں نہایت ہی سادہ مزاج ہوتا ہے۔ وہ جھوٹ اور ملمع سازی کے نزدیک تک نہیں آتا۔ ظاہری رکھ رکھاؤ اور سوفیانہ ظاہرداری نہیں رکھتا۔ بلکہ ان چیزوں کو بُرا سمجھتا ہے۔ حتیٰ کہ انگریز عورتیں تک زیورات کا استعمال کم کرتی ہیں۔ عام باشندوں کا لباس معمولی اور سادہ ہوتا ہے۔ اور وہ رہائش بھی سادہ رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اور باہمی صلاح ومشورے سے کام کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو دھوکا نہیں دیتے۔ بلکہ پورا اعتبار کرتے ہیں۔ نپولین ہمیشہ اس چیز کو دیکھ کر غصہ میں آجاتا تھا کہ انگریز ایک دوسرے کے ساتھ بہت دیانتداری سے پیش آتے ہیں۔ اور یکجا ہو کر اپنا مقصد حاصل کر لیتے ہیں۔ نیز انگریز کو اپنی لڑائیوں کے لئے دیانتدار اور جانثار سپاہی آسانی سے مل جاتے ہیں۔ جو نہایت ہی دیانتداری کے ساتھ بڑے جوش وخروش سے لڑائیوں میں حصہ لیتے ہیں۔ ملکہ وکٹوریہ کا عہد حکومت برطانیہ کی عظمت واقتدار کی نشانی بن چکا ہے۔ اُس عہد کو زریں زمانہ کہہ کر یاد کیا جاتا ہے۔ وہ عہد قومی خوشحالی اور سیاسی برتری کا زمانہ کہلاتا تھا۔ اور اس عہد پر بجا طور پر برطانیہ والے فخر کرتے ہیں۔ اُس زمانے میں ملک میں ترقی پسند خیالات کی آزادی تھی اور قومی پریس کو بھی قومی عزت حاصل تھی۔ کہ وہ جس طرح چاہے۔ قومی جذبات کی رہنمائی کر سکے یہودیوں کو پہلی بار سیاسی حقوق حاصل ہوئے۔ غلاموں کی تجارت کا خاتمہ ہوا۔ برطانوی تجارت اور اقتدار ساری دُنیا میں پھیل گیا۔ گویا بغیر جنگ لڑے اور گولی چلائے بغیر ہی برطانیہ تمام دُنیا کا بنک، اور تجارتی مرکز کہلاتا تھا۔ برطانوی صنعت وحرفت میں نمایاں ترقی ہوئی۔ جس سے برطانوی عوام کا معیار زندگی بڑھتا گیا۔ مگر تجارت کا زیادہ حصہ غیر قانونی ذرائع سے بھی چلتا تھا۔ نوآبادیات کی لوٹ کھسوٹ کی پالیسی زوروں پر تھی۔ برطانوی بحری بیڑے کی طاقت کے ذریعے زیادہ تر تجارت سمگلنگ ذرائع سے چلنے لگی۔ جبرالٹر۔ مالٹا۔ کرفو۔ ہندوستان۔ سیلون۔ عدن۔ سنگاپور اور ہانگ کانگ وغیرہ برطانوی مقامات پر برطانوی تجارت کا بازار گرم تھا۔ اور سارا سونا اکٹھا کر کے لندن پہنچایا جاتا تھا۔ گو امریکہ ہاتھ سے جاتا رہا۔ تاہم افریقہ، ایشیا اور سمندری جزائر میں برطانوی قبضہ قائم تھا۔ نہر سویز برطانوی قبضے میں تھی۔ اُس کے

ساتھ ہی مشرقی وسطی اور شمالی افریقہ کی ساری تجارت پر برطانیہ کا قبضہ تھا۔ افریقہ کے سونے اور جواہرات کی کانوں پر برطانوی سرمایہ داروں کی اجارہ داری تھی اور افریقہ کی لوٹ مار کا سلسلہ صدیوں تک جاری رہا۔ آسٹریلیا، نیوزی لینڈ کو نئے سرے سے آباد کیا جا رہا تھا۔ جہاں بھیڑ بکریاں پال کر اون اور گوشت حاصل ہونے لگا۔ افریقہ کے ممالک ہندوستان کے بعد برطانوی لوٹ مار کے لئے سونے کے ڈھیر تھے۔ حبشیوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے۔ اور اُن کو در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کیا گیا۔ اسکیمو اور سرخ انڈین قبائل کو تو تقریباً صفحہ ہستی سے ملیا میٹ کر دیا گیا۔ یہ معصوم اور سادہ لوگ بدمعاش گوروں کے ہاتھوں بُری طرح مصائب میں مبتلا ہوئے۔ ان میں طرح طرح کی خطرناک بیماریاں مثلاً آتشک اور سوزاک مغربی ممالک سے رائج ہوئیں۔ اُن کی خوشحال بستیاں بہت جلد برباد ہو گئیں۔ باقی ماندہ افراد آج بھی قریب المرگ ہیں۔

مشرقی ممالک بالخصوص پاکستان میں برطانیہ کے بارے میں ابھی تک خوش اعتقادی پائی جاتی ہے۔ عوام کے جذبات برطانیہ کے متعلق دوستانہ اور خوش فہم ہیں۔ بہت سے اشخاص اپنی قوم یا پاکستان کے بجائے برطانیہ اور انگریزوں سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ وہ برطانوی عشق میں اس قدر بڑھ جاتے ہیں۔ کہ اپنی قوم سے غداری کرنے سے بھی نہیں شرماتے۔ بلکہ انگریز کو خوش رکھنے کے لئے اپنی قوم کا گلا کاٹنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ خانساماں اور بیرے لوگ جو انگریزوں کے پاس گھریلو ملازمت کرتے رہے ہیں۔ وہ آج تک انگریزوں کی تعریفیں کرتے پھرتے ہیں۔ اور رات دن اُن کی واپسی کے لئے دعائیں مانگتے ہیں.................. .... بلکہ انگریزوں کی محبت اُن کو کھینچ کھینچ کر خود برطانیہ لے جاتی ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں پاکستانی برطانیہ میں آباد ہو چکے ہیں۔ اور لاکھوں اس انتظار میں بیٹھے ہیں۔ کہ جلد از جلد برطانیہ پہنچ جائیں۔ انگریزوں کے بارے میں طرح طرح کے قصے کہانیاں مشہور ہو چکی ہیں۔ جو حضرات انگریزوں کے ساتھ کام کرتے رہے ہیں۔ وہ بھی انگریزوں کی تعریف کرتے کرتے پاگل ہو چکے ہیں۔ دن رات انگریزوں کی اچھائی کا چرچا لگا رہتا ہے۔ دراصل انگریز ملک کے حکمران تھے

اور ان کی بادشاہی اور حکومت پر آج بھی عوام ناز کرتے ہیں - اور محبت بھرے جذبات سے انگریزوں کا زمانہ یاد کیا جاتا ہے - انگریزوں کی اہلیت ملکی انتظام انصاف اور قابلیت کے بارے میں بہت خوش اعتقادی پائی جاتی ہے - حقیقت بھی یہ ہے - کہ انگریزوں کے زمانہ میں امن وامان قائم تھا - چوری چکاری کا ڈر نہ تھا - ملکی انتظام بڑی خوش اسلوبی سے چلتا تھا - ریلیں وقت پر چلتی تھیں - رشوت ستانی کا بازار بہت کم گرم تھا - سفارش برائے نام تھی - ڈاکخانے اور دوسرے محکمے اپنا کام بڑی عمدگی سے سرانجام دیتے تھے - حتیٰ کہ ایک فوجی سپاہی بھی انگریز افسر کے ماتحت کام کرنے میں زیادہ فخر محسوس کرتا تھا - ملک میں عام طور پر یہ مشہور تھا - کہ انگریزوں کے راج میں شیر بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں - انگریزوں کو بُرا کہنے والے صرف سیاسی لیڈر تھے - عوام کے اندر انگریزوں کے خلاف نفرت کا جذبہ بہت کم پایا جاتا تھا کبھی کبھار انگریزوں کی انگریزیت بے غیرتی اور بے حیائی کا ذکر آجاتا - وہ بھی اُن کی شراب نوشی اور عورتوں کی آزادی کے بارے میں چرچا ہوتا تھا - نیز انگریز عورتوں کی بدمزاجی اور بدکلامی کے متعلق خانساماں اور بیرے لوگ بُرائیاں کرتے تھے - لیکن مجموعی طور پر انگریزوں کے بارے میں مخالفانہ فضا بالکل نہ پائی جاتی تھی - ہر ایک پاکستانی انگریزوں کی حکومت کی تعریف کرتا پھرتا تھا - اور انگریزوں کی ہر چیز کو اچھا اور عمدہ خیال کرتا تھا - پڑھے لکھے اشخاص تو انگریزی ادب کے عاشق بن چکے تھے - حتیٰ کہ اُنہوں نے اپنی عورتوں تک کو انگریزی پڑھانی شروع کر دی - انگریزی ادب نے انگریز قوم سے محبت پیدا کر دی تھی جو حضرات انگریزوں سے براہ راست تعلق رکھتے تھے - وہ اپنی ملاقات کا ذکر چٹخارے لے کر دہراتے اور حاضرین کو خوش کرتے - ایک قصہ عام مشہور ہو چکا تھا کہ ایک انگریز ڈپٹی کمشنر اپنے اردلی کے ہمراہ ایک دفعہ شکار کھیلنے کے لئے گیا - ایک جگہ پہنچ کر اُس نے اپنے اردلی کو نزدیک ہی ایک پہاڑی کی چوٹی پر چڑھنے کے لئے اشارہ کیا - کہ وہ وہاں بیٹھ کر شکار کا انتظار کرے - اور شکار پاتے ہی اشارہ کرے - اتفاقاً وہ اردلی شکار کو بھول گیا - اور محبت بھری نظروں سے انگریز کو شکار کی تلاش میں مصروف دیکھ کر بہت خوش رہا - انگریز شکار نہ پا سکا - مجبوراً اُسے اپنے اردلی کے لئے پہاڑی کی جانب رُخ کرنا پڑا - شکار نہ ملنے کا غصہ اردلی پر اُتارا اور اُسے خوب ڈانٹ

ڈپٹ دی اور بعد میں وہ واپس اپنے اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ اردلی صاحب جب اپنے گھر پہنچا۔ تو وہ کافی دیر تک خاموش رہا۔ نہ کچھ کھایا اور نہ ہی پیا۔ بلکہ گھر کے کسی فرد سے بات چیت تک نہ کی۔ بہت اصرار کے بعد اُس سے پوچھا گیا۔ کہ وہ اس قدر کس لئے خاموش ہے۔ کہ وہ نہ تو بات چیت کرتا ہے۔ اور نہ ہی کھانا کھاتا ہے۔ مجبوراً اردلی کو اپنی زبان کھولنی پڑی۔ کہ وہ جس منہ سے انگریز سے بات چیت کر چکا ہے۔ اُسی منہ سے وہ کیسے عام آدمیوں سے بات چیت کر سکتا ہے۔ گویا اردلی کے نزدیک انگریز سے بات چیت کرنا ایک قابل فخر کارنامہ بن گیا۔ یہ حالت تو عام پاکستانی شہریوں کی تھی کہ وہ انگریزوں کے بارے میں بہت خوش اعتقاد اور پُر اُمید تھے۔ اور ان کے متعلق دوستانہ اور مخلصانہ جذبات رکھتے ہیں۔ اور اب بھی ایسے اشخاص لاتعداد موجود ہیں۔ جو انگریزوں کی دوبارہ حکومت کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔ اور خدا سے فریاد کرتے ہیں۔ کہ جلد از جلد انگریزوں کی حکومت واپس آجائے۔ مگر انگریز اپنی حکمرانی اور سلطنت کے غرور میں عوام سے دور رہا۔ اور اُس نے عوام سے براہ راست تعلقات نہ بڑھائے۔ عام نقلی صاحب لوگ آج بھی وہی طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ انگریز نے اپنے اردگرد ٹوڈیوں اور خوشامدیوں کا ایک گروہ قائم کر رکھا تھا۔ اور ان سے ہی اپنے تعلقات قائم رکھے۔ اُس نے عوام کے نزدیک جانے کی ضرورت ہی نہ سمجھی بہرحال انگریز طاقت اور حکمرانی کی ذمہ داریوں کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اسی لئے عوام بھی خوش تھے۔ ورنہ ؎

تہذیب مغربی کی بھی ہے دانش عجیب
ہم کیا جناب شیخ بھی چکنے گھڑے ہوئے (اکبرؔ)

پاکستانی شہروں میں انگریزیت کی بیماری ایک وبا کی صورت اختیار کر چکی ہے یہ عام طور پر انگریزی اشتہار بازی کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ اور کچھ ہمارے اہل ملک کا بھولاپن کوتاہ اندیشی اور لاعلمی کے باعث ہے۔ جسے بھولے عوام آسانی سے نہیں سمجھ سکتے۔ انگریزی اشتہار بازی نے تمام ملک کو دیوانہ بنا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انگریزیت کی جائز اور ناجائز حرکتوں کی ہر وقت تعریف کی جاتی ہے۔ اور پاکستانی

کی پرانی اخلاقی روایات جو صدیوں کے تجربات کا نچوڑ اور مجرب ہیں - وہ سب بُری دکھائی دیتی ہیں - یا مٹائی جا رہی ہیں - ۱۹۴۷ء کے بعد ایک ایسا موقع ہمارے ہاتھ آیا جب ہمارے اخلاقی کردار کا امتحان لیا گیا - مگر مردہ جسم میں دوبارہ زندگی پیدا نہ ہو سکی جہالت اور درندگی کا جس قدر مظاہرہ اُس وقت سے ہمارے ملک میں ہوا اُس قدر ہماری گزشتہ تاریخ میں کہیں بھی نشان تک نہیں ملتا - یہ سب کچھ ہمارے نقلی صاحب لوگوں کی نا اہلیت اور فرعونیت کے سبب ہوا - جو انگریزیت کی اشتہار بازی اور غلط تعلیم کا شکار ہوئے - جو سراسر اسلامی تعلیم - انسانی اصولوں اور قوانین قطرت کے خلاف ہے - ہمارا ملک برطانیہ کی طرح اسلامی مساوات کو چھوڑ کر طبقاتی درجوں میں تقسیم ہو چکا ہے - آبادی کا ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے نفرت کرتا ہے - فارغ البال طبقہ نے صرف اپنی ذات تک ہی تمام ملک کے مادی ذرائع محدود کر دیئے - یہی اُن کی زندگی کا نصب العین بن چکا ہے - مزدور طبقہ سرمایہ داروں کے انسانیت سوز سلوک اور حیوانی لالچ کی وجہ سے نیز دیسی صاحب لوگوں کی نا اہلیت اور فرعونیت کے باعث مختلف قسم کی سماجی - معاشرتی اور اقتصادی بیماریوں اور مشکلات میں مبتلا ہے - اور کوئی بھی اُن کی مدد کو نہیں پہنچتا - گویا سارا ملک خانہ برباد نظر آتا ہے چند حضرات اگر فارغ البال ہیں - تو کروڑوں مخلوق مصائب میں گرفتار بھی تو ہے - صدیوں کی تہذیب زندگی اور برہمنیت میں بدل چکی ہے - ہر ایک اپنی ذات کا غلام بن چکا ہے وہ نہیں جانتا - کہ اُس کی ذات ساری قوم کا ایک جزو ہے - بھلا اُس کی ذات یا اولاد ایسے حالات میں زیادہ دیر کب آرام اور سکون سے زندگی بسر کر سکتی ہے جب چاروں طرف آگ لگی ہوئی ہو - اور پوری قوم مصیبت اور تکالیف میں مبتلا ہو مختلف اقسام کی سماجی اور مجلسی بیماریوں کی شکار ہو - یہی وجہ ہے کہ پاکستانی بچہ اپنے مستقبل کو خطرناک پاتا ہے - گو اُس کا ماضی بہت شاندار رہ چکا ہے - مگر موجودہ نقلی صاحب لوگوں کی نا اہلیت اور فرعون مزاجی کے باعث ہر طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے - خود غرضی عام ہو چکی ہے - اور سوسائٹی کے افراد باہمی طور پہ کسی بھی مسئلہ پہ ٹھنڈے دل سے اجتماع نہیں کر سکتے - اور نہ ہی صحیح فیصلہ پہ پہنچ کر قومی جد و جہد شروع کر سکتے ہیں - اس گو مگو کی حالت میں فرد بھی نقصان اٹھاتا ہے - اور

سوسائٹی بھی خطرات سے دوچار ہوتی ہے - نقلی صاحب لوگ صرف - ٹائی - پتلون اور شراب نوشی میں انگریزوں کی نقل کر سکے - مگر انگریزوں کی قوم پرستی - حوصلہ مندی جرأت اور اخلاقی بہادری کی نقل کی طرف بالکل دھیان نہیں دیا - انسانی فرائض اور اسلامی تعلیمات سے وہ اس قدر دور ہٹ چکے ہیں - کہ اُن سے خنزیر کھانے والوں شرابیوں - جواریوں کی معمولی انسانیت تک ختم ہو چکی ہے - اگر جہاد اب بھی مذہبی فریضہ سمجھا جاتا ہے تو ضرور بالضرور نقلی صاحب لوگوں کے خلاف سب سے پہلا جہاد شروع کیا جائے - تاکہ انسانیت کے دشمنوں کو اچھی طرح سبق دیا جا سکے -
پاکستانی عوام اب بھی اس گئے گذرے زمانہ میں اپنی فیاضی - اخلاقی جرأت - اخلاص مہمان نوازی - بہادری - محبت و انکساری - ایثار اور جوش اخلاق میں اپنی نظیر آپ ہیں - اُن کو صرف نقلی صاحب لوگوں سے بچانے کی ضرورت ہے - عوام تو نقلی صاحب لوگوں سے خوف زدہ رہتے ہیں - جس سے ملک کو ذہنی اور تہذیبی حیثیت سے خسارہ اٹھانا پڑا ہے - آبادی کا تہذیبی معیار گر چکا ہے - نقلی صاحب لوگ عوام سے کوسوں دور بھاگتے ہیں - اور عام آبادی سے کٹ کر اپنی نئی آبادیوں میں مست اور گم ہو چکے ہیں - اسلام نے انسانی مساوات کی تعلیم دی ہے - جسے گاندھی نے سیکھ کر عمل میں لانے کی کوشش کی - مگر پاکستان میں ایک بھی گاندھی پیدا نہ ہو سکا - جو اسلامی تعلیم پر عمل کر کے اسلامی سوسائٹی کی خلیج کو پاٹنے کی کوشش کرتا پاکستانیوں کا خوش حال اور امیر طبقہ فرعون مزاج بن چکا ہے - جو عوام کو ذلیل کرنا اپنا نجادتی فرض سمجھتا ہے - حالانکہ یہ اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے - دنیا میں کسی اور جگہ ایسی قوم آباد نہیں - جو اپنی قوم سے دشمنی رکھے - پاکستان کا امیر طبقہ قوم اور ملک کا بدترین دشمن اور غدار ہے - برطانیہ کی نقالی میں عقل بھی کھو چکا ہے - حالانکہ برطانیہ خود دماغی اور جسمانی بیماریوں کا شکار ہے - وکٹورین زمانہ کے کچھ تہذیبی اثرات تو مشرقی وراثت سے ملے - وہ بھی رفتہ رفتہ برطانیہ سے مٹ رہے ہیں - خود شریف قسم کے انگریز لوگ برطانیہ کو خیرباد کہہ کر اپنی دنیا دوسرے ممالک میں جا کر آباد کرتے ہیں - ہندوستانی ذات پات جیسی تقسیم کی طرح برطانیہ کی آبادی بھی مختلف طبقات میں منقسم ہے - ایک طبقہ دوسرے طبقہ سے سروکار نہیں

رکھتا۔ غیر قوموں کے خلاف نفرت اور حقارت اسی طبقاتی تقسیم سے شروع ہوئی۔ گویا شہنشاہیت اور سامراج خود کو برہمن زاد سمجھتی ہے۔ اور کالی مخلوق کو اچھوت بنا دیا گیا ہے

نقالی کا بُرا ہو۔ کہ ہم دھوبی کے کتے کی طرح نہ گھر کے رہے اور نہ گھاٹ کے مگر جو مزا سر منڈانے میں ہے۔ وہ بالوں کی چھتری میں نہیں۔ جو آرام کھلی قمیض اور شلوار میں ہے۔ وہ ٹائی اور سوٹ میں نہیں۔ کہاں سادگی اور کہاں آوارگی۔ کہاں کم خرچ اور بالانشین والا معاملہ کہاں اخراجات کی بھرمار اور زندگی کی الجھنیں اور ذہنی خواہش کے تقاضے۔ بھلا یہ عقل کی بات ہے۔ کہ پاکستان کی سخت گرمیوں میں پاکستانی صاحب لوگ انگریزوں کی نقل میں گرم سوٹ اور نکٹائی پہن کر حق نقالی ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ امریکن لوگ نقالی کرنے کے بجائے اپنی عقل سے کام لیتے ہوئے صرف ایک بش شرٹ سے ہی کام لیتے ہیں۔ گو وہ بھی سوٹ پہن سکتے ہیں۔ مگر ایسا نہیں کرتے۔ دھڑلے سے کوٹ اتارا اور قمیض کے بٹن کھول کر چلتے پھرتے ہیں۔ پھر کوئی اُن کو فیشن کا دشمن نہیں سمجھتا۔ وہ انگریزوں کی طرح اُلو کی مانند خاموشی سے ایک دوسرے کا منہ نہیں تکتے۔ بلکہ دوستانہ بات چیت کر کے اپنی طبیعت خوش رکھتے ہیں۔ ہمارے ملک کے مغرب زدہ انگریزی نقال انگریزوں کی طرح بات چیت میں فرعونیت اور اکڑفوں کرتے پھرتے ہیں۔ گورا تو اسی لئے بات چیت نہیں کر سکتا۔ کہ وہ اپنے نقلی دانتوں کو منہ میں چھپائے رکھتا ہے۔ بات کرتے وقت دانتوں کے ٹوٹ جانے کا خدشہ رہتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ شرمیلا اور بیوقوف بھی ہوتا ہے۔ اور زیادہ بات چیت کرنے کا سلیقہ نہیں رکھتا۔ خاموش رہ کر اپنی بیوقوفی اور لاعلمی کو چھپاتا ہے۔ وہ خاموش رہ کر زیادہ مہذب دکھائی دیتا ہے۔ کوئی عجب نہیں۔ جب یہ گندار گورے مہذب ممالک میں پہنچے۔ تو وہاں آباد اور خوشحال بستیوں کو ویرانوں میں بدل ڈالا۔ اور اپنی خوشی اور تہذیب کو قائم رکھنے کے لئے اُن علاقوں کو ماتم کدہ بنا دیا۔ جب ۱۹۴۷ء میں ہندوستان اور پاکستان آزاد ہوئے۔ تو انگریز کھڑا تماشہ دیکھتا رہا۔ کہ کس طرح بھولی بھالی اور گمراہ کالی مخلوق جو کبھی مندروں۔ مسجدوں اور

گوردواروں میں اپنی اپنی مذہبی عبادتوں میں معروف رہتی تھی - وہ ایک دوسرے کے خون سے ہولی کھیلنے لگے - مسجدیں جو نمازیوں کی عبادت سے پر رونق تھیں - ان کو یکایک ہندو بلوائیوں نے آگ لگا دی - نمازیوں کو قتل کر ڈالا - اور مندر جہاں مذہبی رسومات ادا کئے جاتے تھے - مسلمانوں کے قتل عام کے ہیڈکوارٹرز بن گئے اور اسی طرح گوردواروں میں بھی مسلمانوں کو ہلاک کرنے کے لئے منصوبے طیار کئے گئے انگریز یہ "تہذیبی" تماشہ دیکھتا رہا ہے - بلکہ یہ سب کچھ انگریزی کی وجہ سے ہوا جس کی نقابی پہ ہم فخر کرتے ہیں - پاکستان اور ہندوستان ایک وقت شرافت اور تہذیب کے گھر تھے - مگر انگریزیت کے طفیل اور انگریزی تہذیب کے اثرات کی وجہ سے آجکل ڈکیتی - دھینگا مشتی - پاگل پن اور غنڈہ گردی کی بیماریوں میں مبتلا ہیں - ایک زمانہ ایسا بھی تھا - کہ پاکستان کا معمولی حجام یا لوہار بھی اپنی دوکانوں میں بیٹھ کر مثنوی مولانا جلال الدین رومی سنا کر میں عام سے بڑے ذوق شوق سے سنتا - فلسفہ غزالی یا رازی کے رموز بیان کئے جاتے تھے - بات بات پہ شیخ سعدی اور خواجہ شیرازی کا ذکر کیا جاتا مگر اُن کی دوکانیں آج انگریزی تہذیب کی بدولت ہالی وڈ کی ننگی ایکٹرسوں کی تصویروں سے آراستہ ہیں - بلکہ محلہ کا حجام خوبصورت عورتوں کا دلال بن چکا ہے - یہ انگریزیت کی وجہ ہے - کہ گھر گھر عداوت اور کدورت پھیل گئی ہے - اور کالی مخلوق مختلف امراض کا شکار ہے - انگریز اُن کا مذاق اُڑاتا ہے - اور کالی مخلوق اپنے مذاق اڑانے والوں کی تعریف کرتی ہے - انگریزیت کا ابتدائی سبق سیکھنا ہو - تو جولس ورن کی مشہور عالم کتاب "دنیا کے ارد گرد اسی دنوں میں چکر" کا مطالعہ کرنا چاہیئے - جس میں کتاب کا ہیرو فاگ انگریزی کردار کا ہیرو ہے - فاگ انگریزی اخلاق اور تہذیب کی عملی تصویر ہے یہ ہیرو بہت ہی سرد مہر - گستاخ - فرعون مزاج - بیوقوف - بیہودہ - ضدی - جاہل اُجڈ - گنوار - کم عقل - کوتاہ اندیش اور نہایت ہی بھدی قسم کا جانور ہے - جو کہ ایک عام انگریز کی تعریف بیان کی جاتی ہے - فاگ کے کم ظرف چال چلن سے معلوم ہوتا ہے - کہ یہ شخص برف سے زیادہ ٹھنڈا اور یخ بستہ مغرور قسم کا انسان ہے - جو سارا سفر کسی سے بات چیت تک نہیں کرتا - جب تک اُس کا باقاعدہ تعارف نہ کرایا جائے - وہ اپنے آپ کو تمام مسافروں سے بہتر سمجھتا ہے - اگر کسی سے بات چیت کی ضرورت

بھی پڑ جائے۔ تو وہ بھی عین خود ستائی اور مغرورانہ انداز میں کرتا ہے۔ گویا وہ بات کر کے
کسی پر احسان کرنا چاہتا ہے۔ برطانیہ فاگ جیسے انگریزوں کا ایک جزیرہ ہے۔ جس میں
فاگ خاندان کا بہت بڑا کنبہ آباد ہے۔ گاڑی میں یا بس میں کوئی ایک دوسرے سے بات چیت
نہیں کرتا۔ اور نقلی صاحب بھی فاگ کی پوری پوری نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور
فاگ سے زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔ شاید ہمارے ملک کا کوئی ناول نگار ہمارے نقلی فاگ
یا دیسی صاحب لوگوں کے بارے میں ناول لکھے تو کیا اچھا ہو۔ فاگ ہر ایک غیر ملکی یا
اجنبی سے نفرت کرتا ہے۔ کہ وہ انگریز نہیں۔ لیکن خود کسی انگریز سے اس لئے بات چیت
نہیں کرتا۔ کہ وہ اُس کا واقف نہیں۔ خود برطانیہ کے لوگ آپس میں ایک دوسرے سے
شرماتے ہیں۔ حتیٰ کہ بات چیت کرنا بُرا خیال کرتے ہیں۔ یہ برطانوی فطرت میں شامل
ہے۔ کہ وہ سوائے نفرت اور حقارت کے اور کچھ بھی نہیں جانتا۔ ہمارے ملک میں ابھی
تک بہت سی خوبیاں موجود ہیں۔ جو انگریزی تہذیب میں سرے سے موجود نہیں اور
انگریزی تہذیب میں جو خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ وہ اسلامی تعلیم کا ایک حصہ ہیں۔ گویا
ہم میں سے بہت سی خوبیاں مٹ رہی ہیں۔ اور اُن کی جگہ انگریزیت کی بُرائیاں داخل
ہو چکی ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہندوستان اور پاکستان کی کیا حالت ہوتی۔ اگر انگریز
سرے سے ان ممالک میں قدم ہی نہ رکھتا۔ یہ ایک غلامانہ اور پست ذہنیت کا مظاہرہ
ہے۔ اور خود اعتمادی کے فقدان کا نتیجہ ہے۔ دراصل ہمارے ملک کی غلامانہ ذہنیت
اور چاپلوسی کی عادت نے انگریز کا دماغ خراب کر دیا۔ پھر انگریز کی مسلم دشمنی نے بھی
انگریز کو ہمارے ملک پر قابض ہونے میں مدد پہنچائی۔ انگریزوں کے آنے سے پہلے
ہندوستان پر مسلمانوں کا سیاسی اقتدار اور قبضہ تھا۔ لہٰذا انگریزوں نے ہندوؤں اور
غدار مسلمانوں کی مدد سے مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر ملک پر قبضہ کیا۔ پھر مسلمانوں کو جو جانی
مالی۔ اخلاقی اور مذہبی نقصانات پہنچے۔ وہ آج مسلمانوں کی مسخ شدہ صورتوں میں نظر
آتے ہیں۔ کہ وہ بمشکل پہچانے جا سکتے ہیں۔ بلکہ وہ مسلمان تک باقی نہیں رہنے پائے
اور اُن میں انسانیت تک باقی نہیں رہی۔ انگریز کا چینیوں سے مقابلہ ہوا۔ تو وہ
سارے چین پر قابض نہ ہو سکے۔ صرف چند ساحلی علاقوں پر ہی قابض ہوئے کیونکہ
چینیوں کی قومی خودداری نے اُن کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ لیکن ہندوستانی کے

ہندوؤں نے اور مسلمان غداروں نے انگریزوں کو ہندوستان پر قبضہ جمانے میں کافی مدد دی۔ جو قوم اپنی قوم کا گلا کاٹنے سے نہ ٹلے تو اس میں انگریز کا کیا قصور ہو سکتا ہے۔ وہ تو دشمن ٹھہرے۔ جو ہمیشہ کمزور قوموں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ آج ایشیا میں ہندوستان کا ہندو ہی انگریز کا سب سے گہرا دوست تجارتی ایجنٹ اور خفیہ جاسوس ہے۔ اسلامی ممالک کے خلاف تو ہندوؤں کی اسلام دشمنی ہی نے انگریزی سامراج کو کامیاب کیا۔ گو ہندوستان کا نہرو ایشیائی لیڈری کا دعویٰ کرتا ہے۔ لیکن وہ اسلام دشمنی کے باعث اپنی کمینہ اور متعصب ذہنیت کی وجہ سے انگریزی سامراج کا ایشیا میں سب سے بڑا رفیق کار ہے۔ پاکستان کبھی بھی نہ بنتا۔ اگر ہندو فراخ دلی کا ثبوت دیتے۔ اور انگریز کے اشاروں پر نہ ناچتے۔ ایشیا اور افریقہ پر سامراجی غلبہ کی داستان بھی ہندو کی غلامانہ اور اسلام دشمنی پالیسی کی وجہ سے کامیاب ہو سکی۔ تقسیم ہندوستان کے موقع پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اپنی قدیم اسلام دشمن پالیسی کے باعث اور اپنی یہودی بیوی کو خوش کرنے کے لئے نیز نہرو کی خوشنودی کی خاطر پاکستان کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا۔ ملک کی تقسیم غیر منصفانہ اور غیر مساوی کی گئی۔ کشمیر کو زبردستی ہندوستان کے حوالے کیا گیا۔ اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے صدیوں تک اسلامی تعلیمات اور ملا لوگوں کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا جاری رکھا۔ تاکہ عوام اسلامی تعلیمات کو چھوڑ کر بداخلاق بن جائیں۔ اور رفتہ رفتہ ختم ہو جائیں۔ یا اپنی موت آپ مر جائیں۔ در اصل زندگی کو قائم رکھنے کے لئے مذہب اور اخلاقی اصولوں کی ضرورت بہت رہتی ہے۔ جب اخلاقی کردار ہی مٹ جائے۔ تو زندگی ایک درندگی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اور بہت جلد خودکشی کر لیتی ہے۔ بلکہ بداخلاقی سے ہی قومیں مر جاتی ہیں۔ اس میں انگریز کو قتل عام کی مہم چلانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ بلکہ ہمارے ملک میں بے ایمانی کے کاروبار کو پھیلانے کے لئے اور ہم کو مٹانے کے لئے انگریز نے بڑی محنت سے کام کیا۔ مگر اپنی بے ایمان گوری قوم کو ایماندار اور دیانتدار بنانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ تاکہ وہ زندہ رہ سکیں۔ انگریزوں کا تجارتی لین دین اور کاروبار نہایت ایماندارانہ ہے۔ جس میں دیانتداری زیادہ پائی جاتی ہے۔ لیکن ہمارے ملک کا کاروبار انسانی اصولوں کی مٹی پلید کرتا ہے۔ اور اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے

ہر طرف بے ایمانی کا دور دورہ ہے - جو سب انگریز کی پھیلائی ہوئی ہے - ہمارے ملک میں مذہب پر فسادات کرائے جاتے ہیں - لیکن مذہب کی عملی صورت کہیں بھی دکھائی نہیں دیتی - جس سے ہماری مذہبی منافقت کا پتہ چلتا ہے - عوام کو مذاہب کے نام پر لڑایا جاتا ہے - مگر جب مذہبی اصولوں پر عمل کا وقت آتا ہے - تو ہمارے تجارتی - مجلسی معاشرتی اور مذہبی امور بہت ہی ناقابل اعتبار اور خلاف مذہب اور انسانیت بن جاتے ہیں - ہمارے ملک کا تعلیم یافتہ طبقہ انگریزوں کی اسلام دشمن پالیسی کے بدولت عہدوں کے لالچ - امارت - سیاسی اقتدار - خاندانی برتری اور ذاتی عیش و آرام کے پیچھے سرگرداں رہتا ہے - گویا ساری قوم مجلسی اور اخلاقی طور پر بیمار ہو چکی ہے - اور تاریخ کے بے رحم ہاتھوں سے خودکشی کرنے پر آمادہ ہے - انگریزوں کی اسلام دشمنی کا سارا زور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے صرف ہوا - نیز ہندوؤں نے بھی اسلام دشمنی میں زیادہ حصہ لیا - اور وہ انگریزوں کے پہلو بہ پہلو مسلمانوں کو بد اخلاق کرنے اور برباد کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے رہے - بالآخر ہندوستان پر مسلمانوں کا اقتدار ختم ہوا آل تیموری کے نواب زادے اور شہزادیاں آج بالکل غائب ہو چکے ہیں - بہت سے فنا کے گھاٹ اتار دیئے گئے - کئی سرکاری پنشن پر افیون کھا کر گذارہ کرتے ہیں - مغل شہزادیاں چکلوں کی زینت بن گئیں - ہم عمدہ لباس کو ترستے رہے - اور اچھے لباس کے استعمال کو مذہبی فریضہ خیال کرتے ہیں - لیکن ہمارے ملک کی آبادی کا زیادہ حصہ ننگا رہتا ہے - مُردے تک کفن کے محتاج ہیں - لیکن کپڑا میسر نہیں آتا - انگریزوں کے کتے گدھے اور گھوڑے ریشمی لباس میں ملبوس ہوتے ہیں - آبادی کا زیادہ حصہ بہت قیمتی لباس استعمال کرتا ہے - اور کسی بھی شخص کو کپڑے کی محتاجی نہیں - بلکہ عمدہ لباس اور کپڑوں کی بھرمار ہے - ہماری زندگی کا گو مادی نظریہ نہیں - اور اب بھی مذہبی روایات پر رسمی پابندی ہے - مگر جس قدر مادی لالچ اور حرص ہم کو مال - جائداد اور اسباب سے ہے - اُتنا انگریز ان چیزوں کو وقعت نہیں دیتا - وہ نہ مال کی پرواہ کرتا ہے - اور نہ جائداد کا بھوکا ہے - اور نہ ہی مادی اشیاء کا غلام ہے - تاہم اسے سب کچھ مادی دولت بافراط حاصل ہے - مگر وہ ان چیزوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا - انگریزوں میں مذہبی تعلیم سرے سے موجود نہیں - مگر ان کا اخلاقی کردار بلند ہو چکا ہے - اور وہ اپنی زندگی

میں مذہبی اصولوں کے اخلاقی پہلو پر کاربند ہیں ۔ہم مذہب کے بارے میں رات دن ڈھنڈورا پیٹتے ہیں ۔لیکن ہماری عملی زندگی مذہب سے دشمنی رکھتی ہے ۔اور ہم بڑی حد تک اُخلاقی اصولوں سے دور ہٹے ہوئے ہیں ۔انگریزی عوام ہمارے ملک کے عوام کے مقابلے میں بہت ہی کم سمجھ ۔بیوقوف ۔ نادان اور اُجڈ معلوم ہوتے ہیں ۔مگر اُن میں ہمارے لوگوں کی طرح بے ایمانی کے بہت کم رجحانات دکھائی دیتے ہیں ۔ہماری ہوشیاری اور ذہانت کسی خاص اخلاقی اصولوں کا پابند نہ ہونے کی وجہ سے ہماری تباہی اور بربادی کا باعث بن چکی ہے ۔برطانیہ کا تجارتی اور سرمایہ دار طبقہ اپنے کاروبار میں دیانتدار اور مستعد ہوتا ہے ۔وہ قومی خیراتی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے ۔اپنے ملازمین کا بھی خاص خیال رکھتا ہے ۔اُن پر کسی قسم کا ناجائز دباؤ یا ظلم نہیں کرتا ۔لیکن ہمارے تجارتی اور سرمایہ دار طبقہ کا یہ حال ہے کہ ایک دن امیر بن جاؤ ۔پھر دیکھا جائے گا نتیجہ ظاہر ہے ۔خود بھی مٹ جائیں گے ۔اور ساری قوم کا بھی بیڑا غرق کر دیں گے ۔بلکہ ہمارے ملک کے تمام مصائب کا باعث ہمارے تجارتی طبقہ کی نادانی اور کوتاہ اندیشی کی وجہ ہے ۔ انگریز نے اپنے ملک میں حکومت کا جو ڈھانچہ طیار کر رکھا ہے ۔وہ بھی سوشل ویلفیئر اسٹیٹ ہے ۔جس کا مطلب یہ ہوا ۔کہ عوام کی زیادہ سے زیادہ بھلائی کی جائے ۔اور اُن کی بہبودی اور بہتری کا کام مذہبی جوش و خروش کے ساتھ کیا جائے عوام پر تحکمانہ دباؤ یا فرعون صفت رعب داب ڈالنے کی کوشش نہیں کی جاتی ۔سرکاری ملازمین عوام کے صحیح معنوں میں خادم ہوتے ہیں ۔اور عوام سے نہایت ہی خوش اخلاقی اور مروت سے پیش آتے ہیں ۔اُن کے دکھ درد کو دور کرتے ہیں ۔ اور ان کی مشکلات کو کم کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں ۔ برعکس اس کے ہمارے ملک کے سرکاری ملازمین اپنی نااہلیت اور بیوقوفی کو چھپانے کے لئے فرعونیت ۔بداخلاقی ۔بدسلوکی اور بدخلقی کا مظاہرہ کرتے ہیں ۔زیادہ تعداد رشوت خور اور ظالم ہے ۔جو عوام کی تکالیف کو دور کرنے کے بجائے مزید مصائب کا اضافہ کرتے ہیں ۔ غیر مذہبی اور بداخلاقی کردار سے عوام کی تباہی اور بربادی کا باعث سرکاری ملازمین کا گروہ ہے ۔انگریزوں میں مذہبی اصولوں کی پابندی نہیں ۔اور نہ ہی مذہب کا زیادہ چرچا ہے حتیٰ کہ مذہب پہ مر مٹنے والوں کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا ۔مگر نظام حکومت بہت انصاف پسند

ایماندارانہ اور انسانیت کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتا ہے۔ رشوت کا نام ونشان تک، نہیں پایا جاتا۔ ظلم و ناانصافی کو پھیلنے کا موقع نہیں ملتا۔ ملک کا پولیس انصاف اور سچائی کے لئے ہر وقت لڑتا ہے۔ اور آزادی کے ساتھ قوم کی خدمت کرتا ہے۔ حکومت کو عوام کی مرضی کا پابند بنانے کے لئے قلمی جہاد کرتا ہے۔ انگریزوں کے سیاسی لیڈر بڑی خوبیوں کے مالک ہوتے ہیں۔ اور عوام کے خادم اور دوست کہلاتے ہیں۔ انگریزوں کے کھیلوں میں بھی پوری ایمانداری سے کام لیا جاتا ہے۔ چنانچہ گھوڑ دوڑ۔ مکہ بازی اور فٹ بال وغیرہ کھیلوں کو بڑی ایمانداری کے اصولوں پر قائم کرکے قومی صنعتوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ جن سے لاکھوں پونڈ منافع کمایا جاتا ہے۔ ملک میں تعلیم اس قدر عام اور ارزاں ہے۔ کہ حقیقت میں علم کی دولت کی فراوانی برطانیہ میں ہی موجود ہے۔ علم جیسی نایاب اور کمیاب قیمتی دولت کو معمولی سی کوشش سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اور علم کے راستے میں تمام دشواریوں اور مشکلات کو بالکل ختم کر دیا گیا ہے۔ تھیٹر اور سینماؤں سے بھی تعلیم کا کام لیا جاتا ہے۔ آرٹ گیلریاں۔ عجائب گھر اور نمائش گاہیں عام اور مفت ہیں ۔۔۔۔ ۔۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔ ۔۔ اسپین۔ افریقہ۔ دولت عثمانیہ ہندوستان و پاکستان سے جو کچھ بھی اچھے اصول ملے وہ سب انگریزی تہذیب میں منتقل کر دیے گئے ہیں۔ رومن سلطنت کے گر بھی انگریزوں کے پاس موجود ہیں۔ جرمن قبائل سے تہذیب کے آداب سیکھے گئے۔ صلیبی جنگوں سے اسلام کی دولت کو حاصل کیا :۔ "مبارک ہے اور برکت والا ہے سلطان صلاح الدین جس کی گردن پر کسی پوپ کا جوا نہیں۔ یہ تعریفی کلمات انگریز کہتے تھے اسی اسلامی تعلیم سے انگریزوں نے پوپ کی غلامی سے بھی نجات حاصل کرلی۔ اسلام کے سورج سے علم و تہذیب کی روشنی حاصل کی گئی۔ جب برطانیہ تاریکی میں تھا۔ تو آنکھیں کھولتے ہی طب۔ ریاضت۔ فلسفہ وحکمت۔ شعر و ادب اور سائنس کا مرکز بن بیٹھا۔ اور یہ تمام تہذیبی سرمایہ اسپین کی اسلامی حکومت اور یونیورسٹیوں سے حاصل کیا گیا۔ چنانچہ تقلید کے طور پر برطانیہ میں یونیورسٹیاں قائم ہوئیں۔ کتب خانے قائم کئے گئے۔ صنعت کاغذ سازی اور چھاپہ کو فروغ دے کر تعلیم اور تہذیب کو عام کر دیا گیا حتیٰ کہ ایچ۔ جی۔ ویلز کو بھی یہ اعتراف کرنا پڑا کہ " ارسطو اور کتب خانہ اسکندریہ کے بیج۔ ایک زمانہ سے نظر انداز ہو چکے تھے۔ وہ از سر نو تازہ ہونے لگے۔ اور بالآخر

وہ شگفتہ ہوئے۔ اس تمام ذہنی بیداری کو روکنے کے لئے کلیسا نے ایک تفتیشی عدالت احتساب قائم کی۔ مگر آزادی کا نعرہ آسانی سے مٹایا نہ جا سکا۔ اور بجائے خود ایک مذہب بن گیا۔ انگریزوں نے چین اور پاکستان سے بھی بہت کچھ سیکھا۔ لیکن پادریوں کی اسلام دشمنی کے باعث برطانیہ اسلام قبول نہ کر سکا۔ ورنہ اسلامی تعلیمات سے پورا فائدہ اُٹھایا گیا۔ آج اسلامی تہذیب و تعلیم کا سارا سرمایہ انگریزی تہذیب کے اچھے اصولوں میں نظر آتا ہے۔ اور برطانیہ اُن اسلامی اصولوں سے کافی فائدہ اٹھاتا ہے۔ ہمارے ملک کے نقلی انگریز اور دیسی صاحب لوگ ایمانداری کو قدامت پسندی خیال کرتے ہیں اور دقیانوسی سمجھتے ہیں۔ بلکہ اُسے فیشن کے خلاف جانتے ہیں۔ وہ اتنا نہیں جانتے کہ انگریز کا سارا تجارتی کاروبار اور نظامِ حکومت سچائی اور ایمانداری پر منحصر ہے۔ مگر دیسی صاحب لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آسانی سے نہیں آسکتی۔ وہ تو سرے سے مذہبی اصول سے لاپرواہی کرتے ہیں۔ نیز سچائی اور انصاف پسندی کو اختیار نہیں کرتے بلکہ تمام ملک کو مصیبت میں گرفتار کر رکھا ہے۔ برطانیہ کا شاہی حکمران طبقہ دین کا محافظ کہلاتا ہے اور سلطنت کا کاروبار بھی پوری ایمانداری اور نیک نیتی سے چلایا جاتا ہے۔ گویا مذہبی جوش و خروش کا ثبوت اُن کے اعمال میں دکھائی دیتا ہے۔ دیسی صاحب لوگ صرف نکٹائی کا استعمال جانتے ہیں۔ مگر برطانیہ میں ملک کے قانون اور تجارت میں اخلاقی اصولوں کی سختی سے پابندی کی جاتی ہے۔ گو یا کوئی قانون بھی مذہبی قواعد سے بالاتر نہیں سمجھا جاتا۔ گو ملکی سیاست مذہبی اقتدار کے تحت نہیں۔ اور ملک کی سیاسی پارٹیاں بھی مذہب سے کنارہ کش اور لاتعلق ہیں۔ لیکن سیاسی پروگرام کو مذہبی جوش و خروش کے ساتھ پوری ایمانداری اور دیانتداری کے ساتھ تکمیل کیا جاتا ہے۔ بد دیانتی کا نشان تک نہیں ملتا۔ مذہب ایک پرائیویٹ معاملہ ہے۔ مگر مذہبی اصولوں کی پابندی ایک فرد کا اخلاقی کردار بن چکی ہے جس سے ساری قوم فائدہ اُٹھاتی ہے۔ اور قومی کردار بھی مضبوط اور طاقتور بن جاتا ہے۔

برطانیہ میں مختلف مذہبی عقائد کے لوگ سیاسی مقصد کے لئے ایک جگہ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ اور مطلقاً مذہبی اختلافات کو سیاسی معاملات میں دخل انداز نہیں ہونے دیتے۔ بلکہ برطانیہ کا سیاسی لیڈر اپنے سیاسی کردار اور سیاسی کاموں سے ہی شناخت کیا جاتا ہے

اُس کے مذہبی کردار سے کوئی بحث نہیں - ہمارے ملک میں عام طور پر سیاسی لیڈر مذہب کو ہی بطور سیاسی ہتھیار استعمال کرتے ہیں - جس کے ذریعے سیاسی اقتدار حاصل کیا جاتا ہے - لیکن عوام کی بہبود کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا جاتا - حالانکہ یہ بھی ایک مذہبی فریضہ ہوتا ہے - اولاد - مال - مکان - روزگار - صحت اور مقدمات کے لئے دعائیں مانگی جاتی ہیں - بارش نہ ہوئی - تو دعائیں کی جاتی ہیں - آٹا مہنگا ہوا یا نایاب ہو گیا تو دعائیں کی جاتی ہیں - سیاسی لیڈر آرام سے سوتے ہیں - وہ پبلک کو دعاؤں میں لگا دیتے ہیں - شاید کوئی معجزہ نمایاں ہو - مگر ایک بھی دعا قبول نہیں ہوتی - صرف سیاسی لیڈروں کے برخلاف بد دعائیں قبول ہوتی ہیں - چنانچہ انہی بد دعاؤں کا یہ اثر ہوا - کہ سیاسی لیڈروں کو اپنے بد اعمال کی سزا مل گئی -

ہمارے ملک میں دکاندار صبح سویرے اپنی تجارت میں برکت کے لئے دعائیں مانگتا ہے - مگر اُس کو برکت نہیں ملتی - لیکن برطانیہ میں برکت کے واسطے کوئی بھی دوکاندار دعائیں نہیں مانگتا - وہ ہمیشہ اپنے کاروبار میں برکت پاتا ہے - ہمارے ملک کا کسان اور زمیندار بارش کے لئے دعائیں مانگتے ہیں - مگر یہ دعائیں بروقت قبول نہیں ہوتیں - بارش اپنے وقت پر آتی ہے یا ملک میں قحط رونما ہو جاتا ہے - لیکن برطانیہ میں عام طور پر بارش رہتی ہے - پانی کی بہتات ہے - فصل اگر وقت پر پوری نہ ہوئی - تو یہ کمی غیر ممالک سے منگوا کر پوری کی جاتی ہے - مگر کوئی دعا کے لئے ہاتھ نہیں اُٹھاتا - دوسری جنگ عظیم میں برطانیہ کے جہاز ہٹلر کی مسلسل بمباری اور ناکہ بندی کے باوجود غیر ممالک سے خوراک لا کر برطانوی عوام کو پہنچاتے رہے - اور خوراک کے معاملے میں ملک میں کسی قسم کی کمی نہ ہوئی - راشننگ کا نظام کیا گیا - تاکہ ہر ایک شہری کو مناسب اور ضروری خوراک مہیا کی جا سکے - اور خوراک کے معاملہ میں کسی کو بھی تکلیف نہ اُٹھانی پڑی - لیکن ہمارے ملک میں اُسی زمانہ میں لاکھوں اشخاص دعائیں کرتے - اور ایڑیاں رگڑتے ہوئے بھوکوں مر گئے - قحط زدگی کے بعد میں جو گندم ملی - وہ بھی ناقص اور ملاوٹ سے پھیلی ہوئی - جن سے اور زیادہ اموات واقع ہوئیں - برطانیہ میں روزانہ حرامی بچے پیدا ہوتے ہیں - لیکن حکومت اُن کی پرورش کرتی ہے ہمارے ملک میں حلالی بچوں کا جو حال ہے - اُس پر برطانیہ کے حرامی بچے اپنی حالت دیکھ کر

بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ اور اُن کو ہمارے حلالی پن پر شک آنے لگتا ہے۔ سہ

ناچ ہے مغرب کا بزم دہر میں
جھومتے ہیں مشرقی بیٹھے ہوئے (اکبر مرحوم)

قریب سے

ایک انگریز سیاح جو کسی وقت جاپان میں انگریزی سفارت خانے کے اندر کام کرتا تھا۔ جب اُس کا دل سارا دن دفتر میں کام کرتے کرتے اُکتا گیا۔ تو مجبوراً اُسے سیاحت کا شوق چرایا۔ چنانچہ وہ سفارت سے کچھ روپیہ چرا کر جاپان سے بھاگ نکلا اور سیدھا ہانگ کانگ چلا گیا۔ وہاں سے وہ چین۔ روس۔ یورپ۔ افریقہ اور امریکہ میں سیر و تفریح کرتا ہوا واپس لندن پہنچا۔ اخبارات میں اُس کے متعلق چرچے ہونے لگے۔ اخباری نمائندوں نے اُس سے ملاقات کی۔ اُس سے پوچھا گیا۔ کہ اس قدر تجربات اور سیاحت کے بعد اُس کا ذاتی مشاہدہ اور تجربہ کیا کہتا ہے۔ اُس نے بڑے سوچ بچار کے بعد اپنی قوم کو یہ پیغام دیا۔ کہ عورتیں بچے پیدا کرنا بند کر دیں۔ اور آئندہ کے لئے ایک بچہ بھی پیدا نہ کیا جائے اخباری نمائندوں نے یہ سُن کر اُس سیاح کی دانائی کی تعریف شروع کر دی۔ دوسرے روز اخبارات میں اُس کے خیالات کا ذکر تک نہ آیا۔ اور نہ ہی اُس کے پیغام کو کسی نے اپنے اخبار میں جگہ دی۔ وہ سمجھ گئے۔ کہ سیاح کی دانائی کی باتیں سننے کے بعد مزید اُس پر کچھ اور لکھنا غیر ضروری ہے۔ مگر حکومت برطانیہ نے مغربی طاقتوں سے مل کر امریکہ کو آمادہ کیا۔ کہ ضرور سیاح کی دانائی سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ لیکن اس کا عمل مشرقی ممالک میں شروع ہوا۔ یعنی خاندانی منصوبہ بندی کا پروگرام پاکستان اور ہندوستان میں بڑے پیمانے پر شروع کیا گیا۔ تاکہ پاکستانی بچے اپنی مقررہ وقت سے پہلے ہی مر جائیں اور انگریزوں کو آسٹریلیا کینیڈا۔ اور امریکہ میں آباد ہونے کا موقع مل سکے۔ نیز پاکستان اور ہندوستان بھی آبادی سے خالی ہو کر انگریزی آبادکاروں کے لئے طیار کئے جا سکیں۔ یعنی انگریز ہر بڑی چیز کو کالی

مخلوق پر تھوپ دیتا ہے۔ حتیٰ کہ ایٹم بم کے تجربات کیلئے بھی ایشیائی ممالک میں صرف جاپان کے ترقی یافتہ شہروں، ہیروشیما اور ناگاساکی کو منتخب کیا گیا۔ جرمنی کی آبادی پر یہ تجربات ضروری نہ سمجھے گئے کیونکہ وہ سفید نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ انگریزی سیاح جب غیر ممالک میں پہنچتے ہیں۔ تو وہاں کی اچھی چیزوں کو اپنی قوم کے لئے اخذ کرتے ہیں۔ اور بُری چیزوں کو وہاں ہی چھوڑ آتے ہیں۔ گویا انگریزوں کو اپنی قوم زیادہ عزیز ہے۔ اُنہیں غیر ممالک سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اُن سے دشمنی رکھتے ہیں۔ اور اُن کے مٹانے کے لئے ہر وقت درپے رہتے ہیں۔ غیر ممالک میں جا کر ایک معمولی گورا بھی اپنا خاندانی سلسلہ شاہی خاندان سے ملاتا ہے۔ وہ بادشاہ یا ملکہ کے خاندان سے اپنا تعلق ظاہر کرتا ہے۔ اُس کی نظر میں کالی مخلوق حقیر دکھائی دیتی ہے۔ وہ شاہی خاندان کے بارے میں مختلف واقعات اور روایات بیان کرتا ہے۔ گویا وہ سب اُس کے گھریلو معاملات ہیں جب لندن کی گلیوں کا ذکر آتا ہے۔ تو وہ جھوم جھوم کر داد دیتا ہے۔ اور تعریفوں کے پُل باندھ دیتا ہے۔ جس سے لندن برج بھی کانپ اُٹھتا ہے۔ لیکن غیر ممالک سے جو سیاح برطانیہ پہنچتے ہیں۔ اُن کو برطانیہ میں اجنبی کی حیثیت دی جاتی ہے۔ وہ شاہی محل کو دور سے دیکھ کر ہی برطانیہ سے واپس لوٹ جاتے ہیں۔ اور اُس ملک میں دوبارہ جانے کا نام تک نہیں لیتے۔ اُن کو انگریزوں میں ظاہری آداب کے سوا اَور کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ وہ انگریزوں کو دیکھ کر مایوس ہو جاتے ہیں۔ ان میں روحانی مروت اور مہمان نوازی تک نہیں پاتے۔ انگریز دوستی کا روحانی جذبہ نہیں رکھتے۔ غیر ممالک میں انگریزوں کی خوب خاطر مدارات کی جاتی ہے۔ چونکہ اُن ممالک میں مہمان نوازی ایک قومی کردار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور ان ممالک کے لوگ انگریزوں سے خوش خلقی سے پیش آتے ہیں مگر انگریز یہ سب کچھ مہمان نوازی اور خاطر مدارات دیکھ کر حیران ہو جاتے ہیں۔ وہ ان چیزوں کو برطانیہ سے سازش سمجھتے ہیں۔ وہ میزبان کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔ اُلٹا اسے دشمن کا جاسوس سمجھتے ہیں۔ کہ وہ مہمان نوازی کے پردے میں چھپ کر انگریزوں کو زہر دینا چاہتا ہے۔ یا اُن سے دوستی کا اظہار کر کے برطانوی حکومت کے بارے میں بھید نکالنا چاہتا ہے۔ بیچارے میزبان کو اپنی جان بچانی مشکل ہو جاتی ہے۔ بالآخر میزبان قتل بھی کئے جاتے ہیں۔ برطانیہ میں جو غیر ملکی سیاح چلا جائے۔ تو اسے شک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے

کہ وہ برطانوی گورنمنٹ کے خفیہ راز دریافت کرنا چاہتا ہے۔ اس طرح انگریز نہ تو اچھا مہمان ہے اور نہ ہی میزبانی کے فرائض جانتا ہے۔ دوسرے سے اجنبیوں اور غیر ملکیوں کا دشمن ہے۔ ان سے اچھا سلوک بالکل نہیں کرتا۔ بلکہ جو انگریز عورتیں غیر ملکیوں سے شادی کرلیں (مثلاً شاہ حسین کی انگریز بیوی) وہ روزانہ پولیس اسٹیشن جاکر اپنے غیر ملکی خاوند کے بارے میں یا اُس کے دوستوں کے متعلق طرح طرح کی خبریں پہنچاتی ہیں۔ اگر وہ برطانیہ سے باہر غیر ملکی خاوند کے ملک میں آباد ہو چکی ہیں۔ تو وہ باقاعدہ اپنے حالات کی ڈائری لندن کے اخبار کو خطوط کی صورت میں یا نہ دیک ہی برطانوی سفارت خانے میں پہنچاتی ہیں برطانیہ میں پاکستانی مردوں سے لاچار اور بدحال قسم کی گوری عورتوں نے شادی کر رکھی ہے وہ ضرور تھانہ جاکر اطلاع دیتی ہیں۔ نیز محلہ کی دوسری عورتوں سے دوستی بڑھانے کے لئے اپنے غیر ملکی خاوند کی بد تعریفی کرتی ہیں۔ اس طرح وہ اپنے ہمسایوں سے دوستانہ تعلقات پیدا کرلیتی ہے۔ اور ساتھ ہی اُن کی ہمدردی کر کے

اپنا اُلّو سیدھا کرتی ہیں۔ برطانیہ کی آوارہ مزاج اور بیہودہ عورتیں ہی زیادہ تر غیر ملکیوں سے شادی کرتی ہیں۔ تاکہ اس بہانے وہ باعزت زندگی بسر کر سکیں۔ اور غیر ملکیوں کے بارے میں طرح طرح کی خبریں سنا کر شریف عورتوں میں اپنی رسائی حاصل کریں۔ بس میں یا گاڑی میں سفر کرتے وقت وہ اپنے غیر ملکی خاوند سے الگ تھلگ بیٹھ کر اپنے پاس بیٹھے ہوئے مسافروں سے اپنے خاوند کے بارے میں طرح طرح کی ہتک آمیز اور جھوٹی کہانیاں بیان کرتی ہیں۔ جس سے وہ اپنی دوستی کا حلقہ وسیع کرلیتی ہیں۔ غیر ملکی خاوند (خاص طور پر پاکستانی حضرات) اپنی جگہ خوش ہو جاتے ہیں۔ کہ برطانوی قوم کی ایک گمنام شہزادی سے وہ شادی کر سکے۔ حالانکہ وہی برطانوی بیوی اُس کی تباہی اور بربادی کا موجب بن جاتی ہے۔ اور اُس کو بُری طرح ذلیل و خوار کرتی ہے۔ اور اُس کی جڑیں کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔ غیر ملکی خاوند سوائے اس کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ کہ برطانوی عورتوں کے بارے میں اُسے یقین ہو جاتا ہے کہ وہ واقعی اُجڈ بد کردار ہوتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ برطانیہ میں غیر ملکیوں کے بارے میں طرح طرح کی ریشہ دوانیاں جاری رہتی ہیں۔ گویا دشمن کے جاسوس برطانیہ میں گھس آئے ہیں۔ یا انگریزی عورتیں تو غیر کو دیکھ کر فوری پولیس کو اطلاع کر دیتی ہیں۔ اتفاق سے

کسی انگریز نے اپنے غیر ملکی دوست یا آشنا کو اگر الفاقیہ اپنے ہاں دعوت دے دی۔ تو اُس انگریز کے دوست آشنا یا محلہ والے اُس انگریز کو دشمن کا ایجنٹ سمجھ کر اُس سے کنارہ کش ہو جائیں گے۔ اور اُسے شک وشبہ کی نظروں سے دیکھیں گے۔ اسی لئے انگریز دوستی کا مطلب نہیں جانتا۔ اور نہ ہی کسی کا دوست بننا یا کسی کو دوست بنانا پسند کرتا ہے۔ ہمارے ملک میں ایک واقعہ بہت مشہور ہے۔ جو عام طور پر انگریزوں کی طوطا چشمی کا پتہ دیتا ہے ایک خانساماں اپنے ایک انگریز مالک کا بڑا فرمانبردار اور جان نثار ملازم تھا۔ جو اُس کی چالیس سال تک خدمت کرتا رہا۔ جب انگریز ملازمت سے سبکدوش ہو کر واپس برطانیہ چلا گیا تو خانساماں بھی جہاز پر ملازمت کر کے اپنے صاحب کی ملاقات کے لئے برطانیہ پہنچ گیا۔ مگر اُس انگریز مالک نے اپنے پرانے ملازم خانساماں سے ملنے سے انکار کر دیا۔ تاکہ اُس کے ہمسائے اور اُس کی بیوی اُسے ایک اجنبی سے ملاقات کرتے ہوئے نہ دیکھیں۔ اور اُسکی اُلٹی ملامت نہ کرنے لگ جائیں۔ خانساماں حیران وپریشان واپس پاکستان چلا آیا اور ساری عمر انگریزوں کو گالیاں دیتا رہا۔ حالانکہ برطانیہ جانے سے پہلے وہ ہمیشہ انگریزوں کی تعریفیں کیا کرتا تھا۔

لندن کے ہوائی اڈے پر پہنچتے ہی ایسا محسوس ہوتا ہے۔ کہ گویا آسمان سے اُتر کر برطانیہ کی سرزمین پر آ پہنچے۔ مگر برطانیہ لندن کے ہوائی اڈے سے شروع نہیں ہوتا برطانیہ تو لندن کے گلی کوچوں۔ برمنگھم کے کارخانوں اور دیہات میں آباد ہے۔ برطانیہ کو ہوٹلوں۔ دریاؤں۔ پہاڑوں۔ بندرگاہوں۔ تجارتی اداروں اور سرکاری دفاتر میں دیکھا جاتا ہے۔ جس بس میں لندن کے ہوائی اڈے سے لندن کے کسی ہوٹل پر ٹھہرنے کے لئے سفر کرنا پڑتا ہے۔ اُسی بس کا کنڈکٹر حیرت سے غیر ملکیوں اور اجنبیوں کو گھور گھور کر دیکھتا ہے۔ گویا وہ دشمن کے جاسوسوں کا معائنہ کر رہا ہے۔ بس کا کنڈکٹر برطانوی سامراج اور شہنشاہیت کی زندہ تصویر ہے۔ گو شہنشاہیت ختم ہو چکی ہے۔ لیکن برطانوی سامراج کے اثرات بس کنڈکٹر کے فرعون صفت کردار میں دکھائی دیتے ہیں۔ وہی اکھڑ خانی رعونت۔ احمقانہ طرز کلام اور بدکلامی وغیرہ نظر آتی ہے۔ جو ایک عام گورا غیر ملکوں میں جا کر اپنے ذاتی کردار سے ظاہر کرتا ہے۔ لیکن ہوٹل کا مینیجر برطانوی تجارت کا ترجمان

ہوتا ہے۔ جو مسافروں کو تجارتی مال سمجھتا ہے۔ انسان نہیں خیال کرتا۔ حالانکہ اٹلی فرانس اور دوسرے ممالک کے ہوٹلوں کے مالک گاہکوں کا انتظار کرتے ہیں۔ اور ان کو ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچاتے ہیں۔ لیکن برطانیہ میں گاہکوں کا انتظار نہیں کیا جاتا۔ گاہکوں سے انتظار کرایا جاتا ہے۔ ہوٹل کے ملازمین مسافروں کی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ یہ ضروری نہیں سمجھتے۔ کہ ہوٹل میں کوئی مسافر اترے یا نہ۔ وہ تو سرے سے اجنبیوں غیر ملکیوں اور مسافروں کے وجود کو برداشت ہی نہیں کرتے۔ جب لوٹ کھسوٹ کی غیر ملکی دولت سے آمدنیں زیادہ مل جاتی ہیں۔ تو پھر گاہکوں اور مسافروں کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی جاتی۔ برطانیہ کے تمام شہروں میں رہائشی مکانات کے دروازے کالی مخلوق پر بند ہیں۔ برٹش کونسل جو غیر ممالک میں جاکر برطانوی تہذیب و تمدن کا پراپگنڈا کرتی ہے۔ اور انگریزیت کی تبلیغ پر کافی سرمایہ خرچ کیا جاتا ہے تاکہ غیر ممالک میں برطانیہ سے محبت بڑھے۔ مگر جس وقت غیر ممالک سے برطانیہ کی محبت میں گرفتار طالب علم اور سیاح برطانیہ پہنچتے ہیں تو ان کو برطانوی تہذیب کی اعلیٰ جھلک عوام کی بے رخی۔ سرد مہری۔ بداخلاقی بدکرداری۔ بدمروتی۔ بدعادت۔ بدچلنی۔ بدسلوکی اور نسلی تعصب اور نفرت سے ہی دکھائی دیتی ہے۔ اس وقت برٹش کونسل کا سارا پراپگنڈا آناً فاناً باطل اور دھوکہ نظر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ برطانوی سامراج اور سابقہ شہنشاہیت نے برطانوی عوام کے اخلاقی کردار کو مُردار کردیا ہے۔ یہ بھی شہنشاہیت کا خفیہ ہتھیار ہے کہ برطانوی عوام کو غیر ممالک اور بالخصوص کالی مخلوق سے بدظن کیا جائے۔ کتابوں۔ ڈراموں اور فلموں کے ذریعے غیر ممالک کے لوگوں کے بارے میں طرح طرح کے غلط خیالات پھیلا کر ان کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ برطانوی سامراج کو زیادہ تقویت حاصل ہو۔ اور برطانوی عوام کو ہمنوا کیا جاسکے کہ سوائے برطانیہ کے ساری دنیا کو وحشی اور بد تہذیب خیال کرکے ان پر قابض ہونے میں مدد دیں۔ اور ان سے کوئی بھائی چارہ یا انسانیت کا رشتہ قائم نہ کریں۔ ہر ایک اجنبی سے نفرت کی جائے۔ اور ہر ایک انگریز اپنے آپ کو سامراج کا نمائندہ اور شاہی نسل کا فرد خیال کرے جس انگریز سے بھی بات چیت کی جائے۔ تو وہ اپنے آپ کو شاہی خاندان سے ظاہر کرتا ہے۔ یا کسی انجمن کا سکرٹری یا پریذیڈنٹ یا خزانچی یا گورنر جتاتا ہے۔ گویا ایک چوہڑا بھی اپنے آپ کو لارڈ کرزن سے کم نہیں سمجھتا۔ یہ تو مانی ہوئی بات ہے۔ کہ

ہر ایک انگریز اپنے گھر کا وزیر اعظم ہوتا ہے۔ اور اجنبیوں کے مقابلے میں سارے برطانیہ کی نمائندگی کرتا ہے۔ امریکن سیاح اس لئے برطانیہ کو چھوڑ کر سیدھا پیرس یا نیویارک کا رُخ کرتے ہیں۔ وہ زیادہ دیر تک برطانیہ ٹھہرنا پسند نہیں کرتے۔ روسی سیاح صرف کارل مارکس کے پرانے مکان اور قبر کو دیکھنے چلے آتے ہیں۔ اور وہ برطانیہ سے کوئی عشق نہیں رکھتے۔ اجنبیوں سے برطانیہ کی عورتیں بہت نفرت کرتی ہیں مشہور انگریزی محاورہ ہے۔ " اجنبی پر خدا کی لعنت " یعنی کسی اجنبی کو سڑک پر چلتا ہوا دیکھ لیا جائے۔ تو فی الفور انگریز عورت پولیس کو ٹیلیفون کر دیتی ہے۔ کہ غیر ملکی جاسوس برطانیہ میں چوری چھپکے گھس آیا ہے۔ پولیس والے بھی اجنبی کی خفیہ طور پر نگرانی شروع کر دیتے ہیں۔ اور اُس کی تمام نقل و حرکت پر نگرانی رکھی جاتی ہے۔ جس مکان یا ہوٹل میں غیر ملکی مقیم ہو۔ تو اُس کی رہائش کے اگرد چاروں کونوں پر ایک ایک کارکن کی ڈیوٹی لگ جاتی ہے۔ پولیس کو اجنبیوں کے بارے میں ساری قوم کی رضاکارانہ خدمات مفت حاصل ہو جاتی ہیں۔ گویا ہر ایک گورے یا گوری عورت کی یہ زبردست خواہش رہتی ہے۔ کہ وہ خود ہی وزیر اعظم بن جائے۔ پولیس کا کام کرے۔ ہوٹلوں اور مکانات کے مالک کرایہ دار اجنبی کا ناطقہ بند کر دیتے ہیں۔ بلکہ اُس سے زیادہ کرایہ وصول کیا جاتا ہے اُس کی ہر قسم کی نقل و حرکت حتیٰ کہ پاخانہ جانے کے اوقات تک کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ غیر ملکیوں کے متعلق عجیب و غریب افسانے تراشے جاتے ہیں۔ اور برطانیہ میں ایک خفیہ انجمن بھی قائم ہے۔ جو برطانیہ سے اجنبیوں اور غیر ملکیوں کو زبردستی نکالنے کے منصوبے طیار کر رہی ہے

انگریز کا کردار اجنبیوں کے بارے میں روحانی اعتبار سے مکروہ اور خطرناک ہے یہی وجہ ہے۔ کہ ظلم و فساد انگریز کی گھٹی میں داخل ہے۔ جس سے اُس کا ضمیر مجرم بن چکا ہے۔ اور اسی مجرمانہ ذہنیت نے انگریزوں کو بیرونی دنیا پر قابض ہونے کے لئے آمادہ کیا۔ اور اپنی فوقیت بڑھانے اور مطلب برآری کے لئے انگریزوں نے کالی مخلوق پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے۔ تاکہ برطانیہ زندہ رہے۔ جنگ و جدل۔ ظلم و فساد لوٹ مار اور نفع اندوزی۔ قتل و غارت۔ لوٹ کھسوٹ۔ غارت گری۔ اور خونخوار سامراجی عزائم اور شہنشاہیت پسندانہ ارادے یہ تمام انگریزوں نے رائج کئے

سیاسی اور تجارتی اقتدار کے لئے جنگیں لڑی گئیں۔ گویا برطانیہ دنیا میں شیطانیت کی بادشاہت پھیلانے کا سب سے ایجنٹ بن گیا   انگریزوں اور درندوں میں شکل وصورت کا تھوڑا سا ظاہری فرق رہ گیا ہے۔ ورنہ دونوں کی صفات ایک ہی ہیں۔ اور اُن کی نوعیت کارکردگی وحشیانہ ہے۔ عیسائیت بھی شیطانی ہتھیار بن چکی ہے اور اس ظلم وستم میں ایک خفیہ ہتھیار کے طور پر استعمال میں لائی جاتی ہے۔ گویا وہ شیطان کی لونڈی بن کر کام کرتی ہے۔ بلکہ ظلم کی تلوار ہے۔ انگریزوں کے بد اعمال کا روائیوں کا ردّ عمل تمام دُنیا میں بے چینی۔ بدمعاشی۔ ظلم۔ غربت۔ ناانصافی۔ رشوت ستانی افلاس۔ جنگ وجدل۔ بدامنی اور انقلابات کی انتقامی شکل وصورت میں ظاہر ہوا۔ جس کا خمیازہ خود انگریز بھگت رہے ہیں۔ چنانچہ آجکل انگریزی عوام ساری دُنیا سے نداوت رکھتے ہیں۔ اور سب کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ دوکانداری اور نفع اندوزی اُن کا پیشہ بن چکا ہے۔ یہ بھی ایک انگریز کا مقولہ ہے کہ فرانسیسی میں سچ بولنا کس قدر مشکل ہوتا ہے اور جرمنی میں جھوٹ بولنا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ لیکن سچ اور جھوٹ کا ملاپ صرف انگریزی میں ہی بڑی آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔ اور بلاتکلف سچ اور جھوٹ کو صرف برطانیہ میں ہی ملایا جاسکتا ہے۔ عوام میں کاہلی۔ آرام پسندی اور بدمعاشی کے اثرات بڑھ چکے ہیں۔ چائے اور شراب نوشی کا عام شغل جاری ہے۔ دماغی بیماریاں بہت عام ہو چکی ہیں۔ حرامی بچے زیادہ تعداد میں پیدا ہوتے ہیں۔ جیل خانے۔ پاگل خانے اور شفا خانے خوب آباد ہیں۔ بے ایمانی اور بدمعاشی کے ذرائع سے روزی کمانے کا رواج بڑھ چکا ہے۔ کام سے جی چرایا جاتا ہے۔ گلی محلے نوجوان لڑکیاں اپنا جسم بیچتی پھرتی ہیں جنگ کے دوران میں جتنی بداخلاقی کی آزادی تھی۔ اس کا اثر جنگ کے خاتمہ پر ظاہر ہو رہا ہے۔ ملک کا اخلاقی ضمیر بتدریج ختم ہو رہا ہے۔ پارکوں میں لیلی مجنوں کا کھیل کھلم کھلا اور ننگی حالت میں کھیلا جاتا ہے۔ مرد اور عورت ایک دوسرے سے جانوروں کی طرح بغلگیر نظر آتے ہیں۔ پاگل پن اور بربریت کا دور دورہ ہے۔ جوا، بدمستی اور جرائم پسندی بڑھ رہی ہیں۔ گویا گوروں کی بہ نسبت جانور زیادہ مہذب نظر آتے ہیں موٹر کار یا مکان تو آسان قسطوں پر خریدا جاسکتا ہے۔ لیکن عمدہ اخلاق کسی قیمت پر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور نہ ہی کوئی اخلاق حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ روحانی

اطمینان ختم ہو چکا ہے۔ گو سوسائٹی کی طبقاتی تقسیم مٹ رہی ہے۔ لیکن بدمعاش۔ مجرم پاگل۔ شرابی اور عادی قسم کے طبقے اُبھر رہے ہیں۔ روحانی طور پر انگریز بہت پریشاں ہے وہ نہیں جانتا۔ کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ گو وہ غلطیوں سے بچنے کی کوشش ضرور کرتا ہے۔ مگر وہ اندر سے کھوکھلا ہو چکا ہے۔ اور اُس کا اخلاقی ضمیر قریباً نیم مردہ حالت میں ہے۔ انگریز کی بربادی سے ہماری بربادی بھی وابستہ ہے۔ کیونکہ ہم اُس کی اشتہار بازی سے متاثر ہو کر اُس کے دین پر گامزن ہیں۔ اور انگریزیت کے راستہ پر سفر کر رہے ہیں۔ جو یقیناً ہمیں تباہی و بربادی کی طرف لے جا رہا ہے۔ انگریز دماغی توازن کھو بیٹھا ہے اور ہم نے حق تعالی ادا کرتے ہوئے اپنا ذہن۔ دل و دماغ انگریزیت کے ہاتھوں فروخت کر ڈالا ہے۔ اور انگریزیت ہی ہمارے دماغوں پر شیطان بن کر مسلط ہو چکی ہے۔ ہم میں چینیوں اور جاپانیوں جیسی قومی خودداری سرے سے موجود ہی نہیں۔ صنعتی میدان میں بھی برطانیہ پھسڈی بنتا جا رہا ہے۔ اٹلی اور ہالینڈ تک برطانیہ سے سبقت لینا چاہتے ہیں۔ فرانس۔ بلجیم۔ جاپان۔ جرمنی۔ روس اور امریکہ تو بہت آگے بڑھ چکے ہیں برطانیہ اپنی قدامت پسندی کے باعث نیز سابقہ نو آبادیات کی لوٹ کھسوٹ کے سہارے اپنا وقت مزے سے کاٹتا ہے۔ اُسے تازہ نئی ایجادات کو استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ برطانوی مزدور افراطِ زر کے باعث زیادہ سے زیادہ اُجرتیں وصول کرتا ہے اسی لئے وہ کاہل الوجود ہو چکا ہے۔ اُس کی ذہنیت بگڑ چکی ہے اور اُس کا مزاج دوسری قوموں کا خون چوس کر زیادہ خراب ہو گیا ہے۔ ملک کے صنعت کار بھی نسبتاً کمزور دماغ رکھتے ہیں۔ وہ یورپی ممالک کے صنعتکاروں کے مقابلہ میں نہایت ہی پھسڈی اور بد دماغ ہیں۔

برطانوی گورے جب پاکستان کی چھاؤنیوں میں رہتے تھے۔ تو وہ بہت زیادہ کھانے کے عادی تھے۔ مکھن۔ ڈبل روٹی۔ انڈے۔ گوشت۔ سبزیاں۔ ترکاریاں۔ پھل اور میوے وغیرہ رات دن چٹ کر جاتے تھے۔ حالانکہ ملک کی شہری آبادی بمشکل اپنا پیٹ پال سکتی تھی۔ چھاؤنیوں کے اردگرد کی دیہی آبادی بعض اوقات قحط کا شکار ہوتی تھی۔ اور سوکھی روٹی تک کو محتاج تھی۔ مگر بدبخت گورے عیش و آرام سے اپنا

وقت کاٹتے تھے۔ شہری آبادی کے اندر بیکاری زیادہ تھی۔ کسان سارا سال محنت مزدوری کرکے بمشکل اپنا پیٹ پال سکتا تھا۔ منڈیوں میں زرعی اشیاء کے دام حکماً گرا دیئے جاتے تھے۔ تاکہ برطانیہ اُن اشیا کو سستے داموں خرید سکے اور نفع حاصل کرے۔ برطانوی عوام کو ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچانے کا مکمل بندوبست تھا۔ حالانکہ خود برطانیہ میں زرعی اشیا کی قیمتوں کا معیار بلند کرنے کے لئے حکومت ہمیشہ کسانوں کی مدد کرتی رہتی ہے۔ اور اب بھی یہی حالت ہے۔ مگر برطانیہ کی دو صد سالہ حکومت نے ہمارے ملک کے کسانوں کو برباد اور ہلاک کر دیا۔ گویا یہ بھی درندگی کا ایک ادنیٰ ثبوت ہے۔ اور اخلاقی دیوالیہ پن کا ایک نمونہ ہے۔ انہی اخلاقی بیماریوں کی وجہ سے برطانوی عوام میں خودکشی کی وارداتیں زیادہ بڑھ گئی ہیں۔ گیس چھوڑ کر معہ بال بچوں سمیت خودکشی کرنے کی وارداتیں عام طور پر اخبارات میں پڑھی جاتی ہیں۔ دریائے ٹیمز میں صبح کے وقت خودکشی کرنے والوں کی لاشیں تیرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ نکسیر پھوٹنے پر تو دس سال تک ہسپتال میں پڑے رہتے ہیں۔ انگلی پر ذرا سی چوٹ آئی تو سالہا سال تک ہسپتال سے واپس آنے کا نام نہیں لیتے۔ کوئی کھیل تماشہ ہوا۔ تو اس دن کام پر نہیں جاتے۔ حتیٰ کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران میں ہٹلر کے بم بھی انگریزی قوم کی نیند کو خراب نہ کر سکے۔ بم پڑتے ہی گورے مرد اور عورتیں شراب خانوں میں پہنچ جاتے اور خوب اُونچی آواز سے گاتے۔ اور ساتھ ساتھ شراب بھی پیتے جاتے۔ جنگ کے دوران ہٹلری فوجوں سے شکست اور پسپائی بھی انگلینڈ کی شاندار فتح بن جاتی تھی بالآخر ہٹلر نے مجبوراً تنگ آ کر خودکشی کر لی۔ یعنی امریکہ اور روس کی مدد سے برطانیہ کو فتح ہوئی۔

بلڈاگ کتے میں اور انگریز کی عادات میں بہت تھوڑا فرق ہے۔ دونوں ایک نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک عام گورا سال میں ایک بار غسل کرتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کی لاش کو بھی غسل نہیں دیا جاتا۔ انگریزوں کی خوشی اسی میں ہے۔ کہ ساری دنیا کو خون کا غسل دے کر خود بھی خون میں نہائیں۔ ہائیڈروجن بم اسی لئے تیار کیا گیا ہے۔ کہ اگر خون میں نہ نہا سکیں تو بم کے دھوئیں سے ہی سے تیمم کر لیں۔ جو قوم خودکشی اور قتل کی عادی ہو۔ وہ دوسری قوموں کی ہلاکت سے کبھی خوف اور ڈر محسوس نہیں کرتی۔ انگریز چاہتا

ہے۔ کہ ساری دُنیا کو بم سے اُڑائے۔ دُنیا کے امن و امان کے لئے برطانیہ سے بڑھ کر
کوئی اور خطرناک قوم نہیں پائی جاتی۔ برطانیہ نے ہی مختلف ممالک کو تہ و بالا کیا۔ اور
اُن کو زیادہ سے زیادہ نقصانات پہنچائے۔ انگریز قوموں کا شکار کرتے ہیں۔ اور اب بھی نئے
ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اپنے کھیل میں مصروف ہیں۔ اسی لئے غیر ملکی سیاح برطانیہ پہنچ کر اپنی
روح کھو دیتا ہے۔ روس اور امریکہ کی سیاحت سے کم از کم اُن ممالک کے بارے میں کچھ
تعریفی کلمات سنے جاتے ہیں۔ مگر برطانیہ پر ہزار ہزار لعنت بھیجی جاتی ہے۔ انگریزوں کو
اپنی عورتوں کی خوبصورتی پر بہت ناز ہے۔ اور انگریزی عورتیں بھی اپنی خوبصورتی پر نازاں
ہیں۔ ایک انگریزی کہاوت مشہور ہے۔ کہ اگر برطانوی فوجیں میدان جنگ میں ہار جائیں
تو دشمن برطانوی عورتوں کی خوبصورتی دیکھ کر ہی خود بخود ہتھیار ڈال دیں گے۔ اور بخوشی
شکست قبول کر لیں گے۔ اسی لئے انگریز اپنی بیوی کی ذات پر شک و شبہ نہیں کرتا
اور بیوی اپنے آپ کو خاوند کی بیوی کہنے کے بجائے گھر کی مالکہ کہلانا زیادہ پسند کرتی ہے
اور خاوند کو اپنے گھر میں ایک مہمان یا کرایہ دار کی حیثیت دیتی ہے۔ خاوند کا کام یہ سمجھا
جاتا ہے۔ کہ وہ گھر کا خرچہ پورا ادا کرے۔ اور بیوی سے دوستانہ تعلقات رکھے۔ جس
میں خوشامد اور چاپلوسی زیادہ ہو۔ بیوی گھر کا کاروبار سنبھالتی ہے۔ لیکن وہ گھریلو زندگی
سے چمٹا رہنا پسند نہیں کرتی۔ یا اپنے آپ کو زیادہ پابند نہیں بناتی۔ وہ فالتو اوقات
میں ڈگری کر لیتی ہے۔ اور خاوند سے گھر کے کام کاج بھی کراتی رہتی ہے۔ ورنہ خاوند
زیادہ وقت گھر سے ملحقہ باغ میں گذارتا ہے۔ یا کلب چلا جاتا ہے۔ وہاں وہ ٹائمز اخبار
پڑھتا ہے۔ جسے وہ اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا۔ یا زیادہ وقت اونگھ لیتا ہے یا شراب
کی بوتل پی کر واپس اپنی بیوی کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ بیوی سے ایک دو
چار کلمات کہہ کر دوبارہ باغ میں تیتریاں اکٹھی کرنے کے لئے نکل جاتا ہے۔ یا پرندوں
کی بولیاں جانتا۔ اور اُن کی آمد و رفت اور مختلف اقسام کے بارے میں معلومات اکٹھی
کرتا ہے۔ ان کاموں سے فرصت پا کر وہ اپنی بیوی کے ساتھ یا ہمسایہ کی بیوی کے ساتھ
تاش کھیلنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ زیادہ فرصت کا وقت ملا۔ تو کرکٹ یا فٹ بال میچ دیکھنے
روانہ ہو جاتا ہے وہاں سے واپسی پر کتا دوڑ یا گھوڑ دوڑ دیکھنے نکل گیا۔ شاید کسی سینما یا تھیٹر
میں جا بیٹھا۔ بیوی کو مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے۔ کہ وہ اپنے گھر کو گھر سمجھے یا ہوٹل خیال

کرے۔ دوستانہ کلب یا عارضی رہائش گاہ بھی خیال کر سکتی ہے۔ یہ بیوی کی اپنی مرضی پہ موقوف ہے۔ کہ گھر واپس آئے یا نہ۔ شاید وہ کسی اور مرد دوست آشنا کے پاس ٹھہر جائے تو کوئی مضائقہ نہیں سمجھا جاتا۔ خاوند بھی بیوی کا محتاج نہیں ہوتا۔ کہ وہ گھر پہ بیٹھے عورت کا انتظار کرتا رہے۔ وہ کسی کلب یا ہوٹل میں چلا جاتا ہے۔ دراصل وہ گھریلو زندگی کو ایک بوجھ سمجھتا ہے۔ یہ تو ٹیکس کمانے کا ایک بہانہ ہے۔ کہ شادی کر لی اور گھر بسا لیا۔ ورنہ عورت اور مرد کی زندگیاں علیحدہ طور پر تقسیم ہو چکی ہیں۔ عورت اپنی ذات سے دلچسپی رکھتی ہے۔ اور مرد کی ضرورت نہیں سمجھتی۔ اور مرد کے بغیر ہی اپنی زندگی گزار لیتی ہے عورتیں اب عورتوں سے عشق بازی کرتی ہیں۔ مرد بھی عورت کے بغیر زندگی گزارنے میں ہی اپنی خوشی محسوس کرتا ہے۔ رہا بچوں کا معاملہ۔ بچوں کے بارے میں کوئی فکر نہیں کی جاتی۔ گورنمنٹ نے بچوں کی نگہداشت اور تعلیم کا کام اپنے ذمہ لے لیا ہے بیس برس تک گورنمنٹ اُن کی پرورش کا انتظام خود کرتی ہے۔ رہا محبت اور اخلاق کا معاملہ۔ یہ کاروباری چیز بن چکا ہے۔ بازار جنس کا کاروبار ملک کی ایک قیمتی صنعت رکھتا ہے۔ برطانیہ میں انسانی جنس بہت ارزاں اور عام بکتی ہے۔ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے۔ عورتیں اٹھریوں کے دور سے باتیں کرتی ہیں۔ ٹھنڈی گرم چیزیں کھا کر اُن کے دانت گر چکے ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے آپ کو ہالی وڈ کی ایکٹرسوں کے ڈھب اور چال رفتار پہ ڈھالتی ہیں۔ اور بہت فیشن پرست ہیں۔ مردوں کی کمائی کا زیادہ حصہ نت نئے فیشن کی نذر ہوتا ہے۔ گورے مرد دقیانوسی قسم کے جانور ہوتے ہیں۔ وہ باپ دادا (اگر وہ باپ دادا رکھتے ہوں) کا استعمال شدہ سوٹ پہن کر ہی گزارہ کرتے ہیں۔ اور وہ سوٹ اپنی آئندہ نسلوں کے لئے سنبھال کر رکھتے ہیں۔ مگر عورتوں کا معاملہ اور ہے۔ وہ اگر نئے کپڑے خریدنے کی طاقت نہ رکھتی ہوں۔ تو اپنے دوستوں سے مانگ کر یا دوستی کا حق ادا کر کے یہ کمی پوری کر دیتی ہیں۔ فیملی بجٹ کا زیادہ حصہ عورتوں کے فیشن کا شوق پورا کرنے میں خرچ ہوتا ہے۔ مرد بیچارہ اپنے باپ دادا کے وقت کا اوورکوٹ ہی پہن کر گزارہ کرتا ہے۔ اب تو شراب نوشی بھی عورتوں کے فیشن میں داخل ہو چکی ہے۔ دوستوں کی دوستی کے ذریعے یہ شوق پورا کیا جاتا ہے شراب اور عورت دو لازم ملزوم چیزیں ہیں۔ آج سے پچاس برس پہلے برطانیہ کا یہ

حال نہ تھا۔ لیکن اب تو عورتیں علانیہ شراب نوشی کرتی ہیں۔ اور کوئی بھی اُن پر اعتراض نہیں کرتا۔ ہمارے نقلی صاحب لوگ بھی اپنے ملک میں اس فیشن کا رواج دیکھنا چاہتے ہیں۔ اسی لئے وہ ملاؤں کے دشمن ہیں۔ جو ان کی آزادی کے راستہ میں سب سے بڑا روڑا ہیں۔ برطانیہ میں عورتوں کے فیشن کی نمائش گھوڑ دوڑ۔ کتا دوڑ۔ میلوں۔ کھیل تماشوں۔ ناچ گھر ہل شراب خانوں میں کی جاتی ہے۔ کچھ پادری لوگ ایسے حالات دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں مگر وہ بھی مجبور ہیں۔ اور کچھ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا بوریا بستر باندھ کر غیر ممالک میں عیسائیت پھیلانے کے لئے نکل جاتے ہیں۔ برطانیہ کی حالت بہت بڑے پاگل خانہ جیل خانہ یا کنجر خانہ یا شفاخانہ سے ملتی جلتی ہے۔ شاید ہمارے ملک کے نقلی صاحب لوگ بھی اُسی روز کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ جب پاکستان بھی ایسے خطرناک حالات سے دوچار ہو جائے۔

مشرقی ممالک سے جو کوئی سیاح پہلی بار برطانیہ میں داخل ہوتا ہے تو وہ دیکھ کر حیران ہو جاتا ہے۔ کہ مرد اور عورتیں ایک دوسرے سے برسرِ عام کھلم کھُلا باہم بوسہ بازی یا عشق بازی میں معروف ہیں۔ باہم گلے ملے ہوئے جوڑے ہر جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ مشرقی ممالک میں ایسا نہیں ہوتا۔ گو بعض مقامات پہ انگریزیت کا یہ رنگ بھی چڑھتا جا رہا ہے۔ مگر مجموعی حیثیت سے آزادانہ پیار اور بوسہ بازی رات کی تاریکی یا خلوت میں ہی ہوتی ہے پردہ کی رسم بھی اسی لئے قائم ہوئی۔ کہ علانیہ عشق بازی نہ کی جا سکے۔ برطانیہ میں ان چیزوں کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ محبت اور عشق ایک عام بازاری چیز بن چکے ہیں۔ جن کی کوئی اہمیت نہیں۔ جب جی چاہا۔ علانیہ بلا روک ٹوک دل کو تسلی دے دی۔ محبت روز مرہ کے تمام کاموں میں ایک جزو بن چکی ہے۔ جس کو چھپانے یا نظر انداز کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ مشرقی ممالک کے دیسی صاحب لوگ رفتہ رفتہ برطانیہ کی نقل کرتے ہوئے عورتوں کو پردہ سے باہر نکال رہے ہیں۔ تاکہ عورتوں کو بھی مردوں کے پہلو بہ پہلو مارکیٹ میں لایا جائے۔ مگر بوسہ بازی اور باہم محبت و پیار ابھی تک پس پردہ ہی ہوتا ہے۔ ان کاموں کی ابھی تک علانیہ نوبت نہیں آئی۔ جس دن علانیہ نوبت پہنچ گئی۔ تو پردے سے باہر نکلتے ہی کھلم کھلا عشق بازی کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے جائیں گے۔ شادی بیاہ کے معاملے میں تھوڑی بہت آزادی اور خانہ بربادی کی نوبت شروع ہو چکی ہے۔ مگر پھر بھی مجلسی پابندیاں قائم ہیں۔ جنہیں بہر حال پورا کیا جاتا ہے۔ مگر انگریزیت کے

تعال ان پابندیوں کو بوجھ محسوس کرتے ہیں۔ اسی لئے بہت سے بداعمال واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ طلاق کے بھی حادثات بڑھ چکے ہیں۔ برطانوی گوروں کا معاملہ ہی اور کچھ ہے شادی بیاہ سے برسوں پہلے مرد و عورت کے درمیان باہمی جائز اور ناجائز تعلقات قائم رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ گناہ کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ حرامی بچے پیدا کئے جاتے ہیں پھر جاکر شادی ہوتی ہے۔ شہروں کی زندگی کنجر خانہ کی زندگی بن چکی ہے۔ سے

جنوں کا نام رکھ دیا خرد۔ خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

مغربی فلموں کی ہیجانات نے علانیہ عشق بازی کی مہم کو تیز تر کر دیا ہے۔ زیادہ تعداد کالج کے طلبا کی ان فلموں سے متاثر ہوتی ہے۔ اور کالجوں سے گذر کر عام سوسائٹی میں بھی اس کے اثرات بڑھ رہے ہیں۔ پاکستانی شہروں میں بھی یہ معاملہ کافی بڑھ چکا ہے۔ مگر ابھی تک وبا کی صورت پیدا نہیں ہوئی۔ خوش قسمتی سے ملک کا ماحول مذہبی ہے۔ ورنہ یہ چیز طوفان بن سکتی ہے۔ انگریزی لٹریچر تو عشق بازی کے معاملہ میں مادر پدر آزاد ہے۔ اور اُس کا زیادہ اثر ہمارے ملک کے دیسی صاحب لوگوں پر پڑتا ہے ہمارے جدید ادب میں انگریزی بے حیائی کے اثرات کی نقالی کی جاتی ہے۔ حالانکہ ہمارے ملک کے دوسرے مسائل علانیہ عشق بازی سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ شاید ہمارے ملک کا انگریزیت زدہ طبقہ پاکستان کا حل برطانوی عشق بازی کے علانیہ فعلی رواج میں ہی پاتا ہے۔ وہ یہ خیال کرتا ہے۔ کہ کھلم کھلا علانیہ عشق بازی کے آزادانہ استعمال سے پاکستان مہذب بن سکتا ہے۔ لہٰذا وہ کنجر بازی کو ملک کی قیمتی اور فائدہ مند صنعت سمجھتا ہے۔ اور اسی پوشیدہ سرمایہ کو استعمال میں لانا چاہتا ہے۔ وہ غیرت کو خلاف تہذیب و تمدن تصور کرتا ہے۔ مذہبی پابندیوں کو آزادی کا دشمن جانتا ہے۔ گو برطانیہ کا بیدار مغز اور سمجھ دار طبقہ رفتہ رفتہ اپنے ملک کی پراگندہ حالت کو دیکھ کر مشرقی ممالک کی پرانی تہذیب اور شرافت کا بہت قدر دان اور فریفتہ ہو چکا ہے۔ وہ خود برطانوی عشق بازی کی آزادی کو لعنت سمجھتا ہے۔ جس نے برطانوی زندگی کے صبر و سکون اور شرافت کو ختم کر دیا ہے۔ شاید ہمارے ملک کا نقلی انگریز ابھی تک اُس دن کے

انتظار میں ہے - جب ایک دن پاکستان عشق بازی کے معاملے میں برطانیہ سے سبقت لے جائے گا شاید ایشیا کا سب سے بڑا اسلامی کنجر خانہ بن جائے - گو غربت - تعلیم - صحت اور سماجی بہبود کے مسائل ادھورے اور نامکمل رہ جائیں - تو چنداں پرواہ نہیں کی جاتی مگر عشق بازی کو ضرور ہر عالت میں جاری رکھنا چاہتے ہیں

- برطانیہ میں ہر گلی اور کوچہ میں اور کھلے مقامات پر عشق بازی کا مظاہرہ عام دیکھا جاتا ہے اس آزادی نے عورت کو مرد پر حکمران اور ڈکٹیٹر بنا دیا ہے - اور مرد بیچارہ عورت کے آگے مظلوم بن چکا ہے - اور نہایت ہی ذلیل و خوار ہے - عورت مرد پر حکومت چلاتی ہے اور مرد ایک غلام سے بھی بد تر حیثیت رکھتا ہے - حتیٰ کہ وہ عورت کے جوتے چاٹتا پھرتا ہے اور عورت کے کسی کام میں دخل دینے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا - گویا مرد کی آزادی کو عورت نے تقریباً ختم کر دیا ہے - وہ عورت کی مرضی اور خوشی کے بغیر آزادانہ زندگی بسر کرنے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا - شاید ہمارے ملک کے دیسی صاحب لوگ اپنے مستقبل کی طرف ابھی سے کچھ دھیان دینا شروع کر دیں - کہ وہ عورت کی آزادی تو بہت چاہتے ہیں - مگر اُن کی اپنی غلامی کا زمانہ بھی اُسی دن سے شروع ہوتا ہے - قانون قدرت سے بغاوت کرنے والے کو دردناک سزا ملتی ہے - آجکل برطانیہ میں مرد پریشان اور مردود قسم کا جانور بن چکا ہے - اُس کا دماغی توازن ضائع ہو گیا ہے - وہ لاتعداد جسمانی اور روحانی بیماریوں میں مبتلا ہے - اُس کی خوش حالی اب شراب نوشی - قمار بازی اور ظاہری چمک دمک میں نظر آتی ہے - وہ اپنا روحانی اطمینان کھو چکا ہے - برطانیہ کی انتہائی چمکیلی تہذیب کے پس پردہ کئی امراض پوشیدہ ہیں درخت اپنے میوہ سے پہچانا جاتا ہے - برطانیہ میں عورت کی آزادی نے برطانیہ کی مجلسی زندگی میں کئی بیماریاں اور خرابیاں پیدا کر دی ہیں - جن کو دور کرنے کے لئے خود برطانوی لیڈر حیران اور پریشان ہیں - اور وہ صحیح معنوں میں مشرقی تہذیب کے قدردان بن چکے ہیں - ستم ظریفی ملاحظہ ہو - کہ مشرقی ممالک اپنی مشرقی تہذیب کے خلاف ہیں - دراصل ہمارے ملک کی شاندار تہذیبی روایات کو ختم کر کے انگریز نے ہم کو برباد کیا تاکہ اپنی تہذیبی روایات کو چھوڑ کر ہمارا ملک برطانوی فیشن کی منڈی بن جائے - اور اس طریقہ سے برطانوی سرمایہ دار زیادہ منافع کما سکیں - حالانکہ ہمارے ملک کے باقیماندہ شرم و حیا اور مشرقی روایات نے ہم کو مکمل تباہی سے بچا لیا - آج برطانیہ کو اسی مشرقی تہذیب

کی ضرورت ہے۔ جس کو ہم مغربی نقالی میں ٹھکرا چکے ہیں۔ برطانیہ نے عورت کو آزاد کر کے تہذیب و تمدن کے خلاف ایک بہت بڑا جرم کیا ہے۔ اور اس جرم کی سزا وہ خوب بھگت رہا ہے۔ انگریزی عورت مکر و فریب میں لاثانی ہے۔ وہ مرد کا احترام کرنا نہیں جانتی۔ اپنے جسم کی نمائش اور فروخت سے قیمت وصول کرتی ہے۔ اور اپنے جسم کی نفع اندوزی سے ہی وہ مرد کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔ مرد کو ذلیل و خوار کرنا اور مرد کی دولت سے ناجائز فائدہ اٹھانا وہ اپنا پیدائشی حق سمجھتی ہے۔ وہ مرد کے خلاف جاسوسی کرتی ہے۔ اور اُس کی نظر میں شادی بھی ایک تجارتی پیشہ بن چکا ہے۔ جس کے ذریعے زیادہ سے زیادہ نفع کمایا جاتا ہے۔ بلکہ شادی کو تجارتی کامیابی کا پہلا زینہ سمجھا جاتا ہے۔ جس میں محبت۔ قربانی۔ خلوص اور ہمدردی پاکیزہ افعال غیر ضروری خیال کئے جاتے ہیں۔ حرامی بچے پیدا کرنے کو بُرا خیال نہیں کیا جاتا۔ ساری عمر کے لئے ایک مرد سے وفاداری کرنی بیوقوفی اور تجارتی کامیابی کے خلاف سمجھی جاتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ مردوں کی قربت حاصل کرنے کو تہذیب فرنگی کا نام دیا جاتا ہے۔ جس کے ظاہری جلوے مغرب زدہ نقالوں کو اندھا کر چکے ہیں۔ شادی کو قانونی شکل دے کر زیادہ سے زیادہ نفع کمایا جاتا ہے اور خوب مطلب براری کی جاتی ہے۔ شادی کے مذہبی پہلو کی برطانوی عورت بالکل قائل نہیں ہوتی۔ گویا برطانیہ ایک سماجی تباہی کے دور سے گذر رہا ہے۔ جو شاید پاکستان والوں کو بھی ساتھ لے ڈوبے آخر ہم نقال جو ٹھہرے۔ اور ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ طلاق کی اس قدر بھرمار ہے کہ طلاق بھی ایک فیشن بن چکی ہے۔ طلاق کے عام ہونے سے یہ دکھائی دیتا ہے کہ برطانیہ میں خود غرضی۔ مکر و فریب اور ریاکاری کس قدر عام ہو چکی ہے۔ ایک خاندان میں طلاق کے باعث جو مجلسی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اُن کا ملک کی عام سوسائٹی پر بہت بُرا اثر قائم ہے۔ اسی لئے ملک بھر میں لالچ ہے۔ حرص۔ بغض۔ حسد۔ شک و شبہ اور بے ایمانی عام ہو گئی ہے۔ بربریت اور درندگی تمام فضا پر مسلط ہے۔ خودکشی اور قتل کے واقعات عام ہو رہے ہیں۔ پاگل پن اور جرائم کے واقعات بڑھ گئے ہیں۔ دماغی پریشانیاں اس قدر زیادہ ہیں۔ کہ ہر پانچ اشخاص کے بعد ایک شخص پاگل ہے۔ ہر دس انسانوں کے بعد ایک انسان یا مجرم ہوگا۔ یا قاتل یا پاگل۔ حرامی بچوں کا شمار ہی نہیں۔ لاوارث بچوں کا بھی یہی حال ہے مجلسی زندگی سے گذر کر بین الاقوامی سطح پر برطانیہ مجرمانہ خصائل رکھتا ہے۔ مثلاً دوسری قوموں

پر غلبہ کرنا ۔ سیاسی دباؤ ڈال کر قابض ہو جاتا ہے ۔ اقتصادی لوٹ کھسوٹ اور نفع اندوزی ۔ تجارتی رقابت اور جنگوں کی طیاریاں وغیرہ ۔ یہ تمام اخلاقی اور دماغی بیماریوں کے نشانات ہیں ۔ دنیا میں جو غربت ۔ افلاس اور تنگدستی پائی جاتی ہے ۔ وہ سب برطانیہ کی پیدا کردہ ہیں ۔ کروڑوں انسان گھر سے بے گھر کر دیئے گئے ہیں ۔ اور خانہ بربادی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں ۔ یہ سب مہذب برطانیہ کی وجہ سے ہوا ۔ خود پاکستان اور مسلمانوں نے برطانیہ کے ہاتھوں نقصانات اٹھائے ۔ یہ ایک لمبی تاریخ ہے ۔ اسلامی سلطنتوں کو ملیامیٹ کر کے ہی برطانوی شہنشاہیت اور سامراج قائم ہوا ۔

انگریز عورتیں زیادہ تر بازاروں میں پائی جاتی ہیں ۔ شادی بھی اتفاقیہ ہو جاتی ہے ایک مرد کی ملاقات ایک عورت سے اچانک ہوتی ہے ۔ دونوں کے درمیان بات چیت بڑھ گئی ۔ بڑھتے بڑھتے تعلقات گہرے ہونے لگے ۔ دونوں نے رضامندی ظاہر کر دی شادی ہو گئی ۔ یہ اور بات ہے ۔ کہ خانہ آبادی تک نوبت پہنچے یا معاملہ دوستانہ ہی رکھا جائے یا طلاق پر ختم ہو یا تعلقات زیادہ الجھ جائیں اور شادی کی ضرورت ہی نہ پڑے ۔ بہر حال شادی کے بعد مرد بیچارہ تقریباً بیوی کے رحم و کرم پر رہتا ہے ۔ اگر بیوی کا شوق گھوڑ دوڑ کا ہے ۔ تو مرد کا شوق موٹر کار کا ہو جاتا ہے ۔ یعنی وہ بیوی کے شوق کو پورا کرنے کے بجائے ایک قدم آگے بڑھ جاتا ہے ۔ میاں بیوی دونوں لاٹری کا شوق رکھتے ہیں تاکہ وہ اپنی خواہشات کو دل کھول کر پورا کر سکیں ۔ میاں کو بیوی کے ساتھ بلی بن کر رہنا پڑتا ہے ۔ یہ اور بات ہے ۔ کہ وہ اپنی مرضی سے میاؤں تک نہیں کر سکتا ۔ شاید بلی سے ترقی کر کے گھوڑی بن سکتا ہے ۔ ایک مرد نے بیس سال کی شادی خانہ آبادی کے بعد عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا ۔ کہ اُسے اپنی بیوی سے طلاق دلائی جائے ۔ کیونکہ اُس کی بیوی بیس سال تک ہمیشہ آدھی رات کے وقت روزانہ اُس کی گردن پر سوار ہو جاتی تھی ۔ اور اُسے مجبوراً اپنی بیوی کو اپنی گردن پر بٹھانا پڑتا ۔ اُس کی بیوی خاوند کی گردن پر بیٹھ کر کمرے کے چاروں کونوں میں سواری کیا کرتی تھی ۔ اور خاوند گھوڑی بن کر اُسے سواری کراتا ۔ بعض اوقات مجبوراً خاوند اپنی ناراضگی بھی ظاہر کر دیتا ۔ مگر بیوی حکماً خاوند کی رضامندی کو نظر انداز کر کے سواری کرتی ۔ اور خاوند کو بیوی کا حکم ماننا پڑتا

اگر وہ نیند سے اونگھنے لگتا ہے۔ اور سواری کراتے ہوئے ذرا سا رک جاتا۔ تو بیوی زبردستی اُس کے سر پر ڈنڈا رسید کرتی۔ جس سے اُس کی رفتار میں تیزی پیدا ہو جاتی۔ اور وہ تیز تیز بھاگنے لگتا۔ اور اعلیٰ نسل کی گھوڑی بن جاتا۔ جب بیوی کو نیند آنے لگتی تو یہ سواری ختم کی جاتی۔ عدالت نے مظلوم خاوند کی یہ کہانی بڑے غور اور ہمدردی سے سُنی اور اُس کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ اور اُسے طلاق مل گئی۔ یہ تو ایک واقعہ ہے۔ اسی قسم کے لاکھوں واقعات ہیں۔ جو عدالتوں تک نہیں پہنچ سکے۔ انگریز عورت مرد سے زیادہ جابر اور ظالم ہوتی ہے۔ وہ عورت کم دکھائی دیتی ہے۔ اور مرد کو زیادہ وقعت بھی نہیں دیتی۔ بلکہ وہ مردوں سے ہر معاملہ میں بازی لے جانا چاہتی ہے۔ وہ بچوں کی تربیت کا انتظام خود کرتی ہے تاکہ گھر پر اپنا رعب اور حکومت قائم رکھ سکے۔ غیر ممالک میں اسی لئے انگریزی عورتوں کو بچوں کی تربیت پر ملازم رکھا جاتا ہے۔ اور انگریزی ماماؤں کی مانگ بہت زیادہ رہتی ہے۔ کیونکہ وہ مردوں سے بڑھ کر مردانہ دکھائی دیتی ہیں۔ بچوں کو ڈسپلن سکھانا اور انہیں اچھی طرح سے کنٹرول میں رکھنا وہ بہت اچھی طرح جانتی ہیں۔ انگریزی نینی اپنی روایتی اکڑ خانی اور متکبرانہ چال ڈھال سے پہچانی جاتی ہے۔ وہ جانتی ہے۔ کہ اس کی پشت پر سلطنت برطانیہ کی ساری طاقت کھڑی پہرہ دے رہی ہے۔ وہ غیر ممالک میں ملازم کے بجائے اپنے آپ کو برطانوی قوم کا نمائندہ یا سفیر سمجھتی ہے۔ اور غیر ممالک کو محض کھلونا اور کھیل خیال کرتی ہے۔ اور برطانیہ کو ہی سب سے بڑی طاقت جانتی ہے۔ کوئی اچھی یا خوبصورت دیکھ پائے۔ تو اُسے افسوس ہوتا ہے۔ کاش یہ کسی انگریز نے بنائی ہوتی۔ وہ دُنیا کو ناولوں اور سفر ناموں کی عینک سے دیکھتی ہے اور اپنے آپ کو غیر ملکی اثرات سے پاک صاف رکھتی ہے۔ تاکہ برطانوی روایات قائم رہیں۔ اور غیر ممالک میں بھی رائج ہوں۔ وہ برطانیہ کے باہر کی دنیا کو غیر مہذب جانتی ہے۔ جسے برطانیہ نے مہذب بنایا ہے۔ وہ بہشت میں بھی جا کر برطانیہ کو نہیں بھول سکتی۔ گویا غیر ممالک میں جا کر وہ برطانوی عظمت و اقتدار کے خواب دیکھتی ہے۔ اور اپنے ارد گرد ایک چھوٹا سا برطانیہ بنا دیتی ہے۔ تاکہ غیر ملک کے اثرات اُس پر نہ پڑ سکیں وہ رات کو بڑے آرام سے سوتی ہے۔ کیونکہ وہ جانتی ہے۔ کہ وہ برٹش عورت ہے۔ اور برطانوی بحری بیڑا اُس کی حفاظت کرتا ہے۔ اور کوئی دشمن بھی اس پر انگلی تک

نہیں اُٹھا سکتا۔ وہ بڑے سے بڑے غیر ملکی بادشاہ یا پریذیڈنٹ کے سامنے چھاتی تان کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اور نہایت ہی متکبرانہ لہجہ میں اُس سے بات کرتی ہے۔ وہ جانتی ہے۔ کہ برطانوی حکومت کی ساری طاقت اُس کی پشت پر موجود ہے۔ معمولی سا واقعہ بھی اگر اُسے پیش آ جائے۔ تو وہ سیدھا برطانوی سفارت خانے کا رُخ کرتی ہے اور سفیر کی میز پر ایک دھماکے کا مکہ مار کر اس سے پوچھتی ہے۔ کہ اُس نے کیا ایکشن لیا اگر سفیر نے اپنی مجبوری ظاہر کی۔ تو اُسی وقت برطانوی وزیر اعظم کو جوابی تار دے کر اپنی شکایت پہنچاتی ہے۔ اور فوری کارروائی کا مطالبہ کرتی ہے۔

مردوں اور عورتوں کی مزدوری میں نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ عورتیں زیادہ تر پارٹ ٹائم کام کرتی ہیں۔ یا اُن کو ہلکا اور نرم کام دیا جاتا ہے۔ اور اُن کی اُجرتیں بھی کم ہوتی ہیں۔ وہ مردوں کے شانہ بہ شانہ اور برابر استعداد کارکردگی کے لحاظ سے کام کرتی ہیں اُس صورت میں وہ مردوں کے برابر اُجرت پاتی ہیں۔ اُن کو مردوں کے برابر قانونی حقوق حاصل ہیں۔ لیکن اس غیر قدرتی طرزِ عمل سے بہت کچھ خانگی اور مجلسی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ جن سے عام انگریزی زندگی بہت پریشان بن چکی ہے۔ عورت اور مرد کے درمیان مساوات پائی جاتی ہے۔ عورتیں ڈاکٹری۔ دانت سازی۔ یونیورسٹی۔ جرنلزم براڈکاسٹنگ۔ ٹیلی ویژن۔ فلم اور سرکاری دفاتر میں مردوں کے برابر کام کرتی ہیں ناگہانی حادثات کی صورت میں وہ مردوں کی طرح معقول معاوضہ بھی حاصل کرتی ہیں۔

قومی اخبارات کے اشتہارات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ برطانیہ ایک سماجی انقلاب سے دوچار ہے۔ صابن۔ تیل۔ کریم۔ سُرخی۔ پاؤڈر۔ عطریات۔ ناخن پالش اور خوبصورتی کے مختلف لوازم کی بھرمار ہے۔ فیشن ایک متعدی بیماری ہے۔ جس نے ایک قیمتی صنعت کی صورت اختیار کر لی ہے۔ فیشن کی بدولت ہی پاکستان کی عورتیں ایک عجیب ہیجانی کیفیت سے دوچار ہیں۔ جبکہ خوبصورتی کی صنعت اور رواج نے عورتوں کے مطالبات بڑھا دیئے ہیں۔ اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کا ایک نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا ہے دراصل برطانیہ اس تمام بیماری کا گھر ہے۔ وہاں بڑے نام کی تلاش خاندانی عورتیں خوبصورتی کے اشتہارات سے براہ راست فائدہ اُٹھاتی ہیں۔ اور خوبصورتی کی صنعت

کو زیادہ پھیلانے میں مدد دیتی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو کسی اعلیٰ خاندان سے ظاہر کر کے اشتہارات کے ذریعے اپنا فوٹو کھینچواتی ہیں۔ جن میں یہ بتایا جاتا ہے۔ کہ فلاں نواب زادی یا امیر زادی کی خوبصورتی اور عزت کا راز فلاں قسم کے صابن کریم یا سُرخی کی وجہ سے ہے اور فلاں زیورات اُس کی عزت اور خوبصورتی میں اضافہ کرتے ہیں تصویر چھپتے ہی جاہل اور خود غرض بیوقوف عورتیں دھڑا دھڑ ان چیزوں کی خریدار بن جاتی ہیں۔ اور بازار میں ان اشیائ کی مانگ بڑھ جاتی ہے۔ اس اشتہار بازی نے خوبصورتی اشیا کی صنعت کو وسیع کرتے ہوئے منافع بھی زیادہ بڑھا دیا ہے۔ بڑے خاندانوں کی آوارہ عورتیں بھی ہزاروں پونڈ انہی اشتہارات کے ذریعے وصول کر لیتی ہیں۔ گو تصویر میں قیمتی زیورات کرایہ پر حاصل کئے جاتے ہیں لیکن روزمرہ کی زندگی میں اُن پر زیورات کا استعمال کبھی بھی نہیں کیا جاتا۔ تاہم ایسا ظاہر کیا جاتا ہے کہ فلاں بیگم صاحبہ فلاں ڈیزائن کے قیمتی زیورات پہنے ہوئے ہے۔ اور وہ ان چیزوں کا ہمیشہ استعمال رکھتی ہے۔ اُس کی خوبصورتی اور عزت کا باعث بھی اُنہی اشیا کے روزانہ استعمال پر منحصر ہے۔ یہ نفسیاتی تحریک خوبصورتی کی ضرورت کے لئے کار آمد اور فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔ اور انگریزی بیگمات اُن چیزوں کو ہر قیمت پر خرید کر استعمال میں لاتی ہیں

اور پاکستانی بیگمات عقل سے زیادہ نقل سے کام لیتی ہیں۔ لہٰذا وہ بھی انگریزی بیگمات کی تقلید میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔ وہ اپنے ملک کا زر مبادلہ بطور تحفہ برطانوی بیگمات کو پیش کرتی ہیں۔ تاکہ پاکستانی عوام زیادہ افلاس اور غربت کا شکار بن سکیں۔ گو اس میں پاکستانی بیگمات برطانوی بیگمات سے بھی بازی لے جاتی ہیں۔

انگریز عورتیں روزمرہ کی گفتگو میں ایک دوسرے کو بچ بچ کہہ کر پکارتی ہیں۔ گویا وہ ایک دوسرے سے نفرت کرتی ہیں۔ اسی لئے وہ ہر عورت کو کنجری خیال کرتی ہیں۔ "ڈارلنگ" جو محبت اور پیار کا لفظ ہوتا ہے۔ وہ صرف کتوں کے لئے محفوظ رکھا جاتا ہے تاکہ کتوں کے جذبات زیادہ پاکیزہ رکھے جائیں۔ اور اُن سے اظہار دوستی کا موقع مل سکے۔ (برطانوی عورتوں نے پاکستانی بیگمات کو بھی اس بارے میں اپنا گرویدہ کر دیا ہے) کتوں سے وہ اپنے بچوں کی طرح پیار کرتی ہیں یا خاوندوں کے بجائے محبت کرتی ہیں۔ ماں وڈے سے زیادہ تر

اپنا فیشن نقل کرتی ہیں۔ اور اس معاملے میں اس قدر خرچیلی ہوتی ہیں۔ کہ حیرانی کی بات ہے کہ اُن کے پاس لباس خریدنے کے لئے اس قدر دولت کہاں سے آجاتی ہے۔ مرد تو بیچارے کانوں یا کارخانوں میں سارا دن کوئلہ کی گرد پھانکتے ہیں۔ اور مزدوری میں خون پسینہ ایک کر دیتے ہیں۔ مگر ان کی محنت کی کمائی عورتوں کے فیشن کی نذر ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ گھریلو اخراجات اس قدر بڑھ چکے ہیں۔ کہ طلاق تک نوبت آجاتی ہے۔ وہ طرح طرح کے فیشن ایبل لباس پہن کر پارٹیوں میں شریک ہوتی ہیں۔ وہاں شراب نوشی۔ ناچ اور آزادانہ کھیل کود میں آدھی رات گئے تک ہاتھا پائی جاری رہتی ہے۔ بدمستی کی حالت میں "بلڈی" "بلیڈی" کے الفاظ دہرائے جاتے ہیں۔ جو گنوار گورے زیادہ تر استعمال کرتے ہیں۔

جنگ کے زمانے میں برطانوی عورتیں زندگی کے ہر میدان میں گھس آئیں۔ میدان جنگ میں فوجوں کو لانے اور لے جانے کا کام بھی ان کے سپرد ہو گیا۔ زخمیوں کی دیکھ بھال اور اُن کی خبر گیری۔ فوجیوں کو خوش رکھنا اور عام فضا کو خوشگوار بنانا۔ وہ کانوں اور کارخانوں میں جاکر مزدوری کرتی۔ یہ تمام کام عورتوں نے سنبھال لئے۔ لازمی طور پر عورتوں کو آزادی سے کام کرنے کے لئے گھر سے باہر نکلنا پڑا۔ اور وہ رفتہ رفتہ مردوں کی گردنوں پر سوار ہونے لگیں۔ انگریز جب مشرقی ممالک میں جاکر عورت کی آزادی کی حمایت کرتا ہے۔ اور مغرب زدہ دیسی صاحب لوگوں کے کانوں میں جاکر مشرقی عورت کی غلامی پر افسوس ظاہر کرتا ہے۔ تو وہ اس بہانے مشرقی ممالک کو برباد کرنا چاہتا ہے یا اُن ممالک کو سزا دیتا ہے۔ دراصل وہ خود برطانیہ میں عورت کی آزادی سے نالاں اور پریشان ہو چکا ہے۔ وہ دشمن ممالک کو ختم کرنے کے لئے اسی خوفناک خفیہ ہتھیار سے کام لیتا ہے۔ اور بغیر تلوار چلائے وہ اپنے سامراج کو تقویت دے کر اپنا مقصد حاصل کر لیتا ہے۔ برطانیہ میں عورتیں بسوں میں کام کرتی ہیں۔ کلبوں میں اُن کی آمدورفت عام ہے ہوٹلوں۔ ہسپتالوں اور پولیس کے محکمہ میں بھی عورتیں نظر آتی ہیں۔ گویا عورت کی آزادی۔ عریانی اور بے حیائی نے انگریزی زندگی کو برباد کر دیا ہے۔ اور انگریز مرد نے عورت کی بڑھتی ہوئی آزادی کے خلاف ابھی سے بغاوت شروع کر دی ہے۔ ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ عورت سے محبت کرنے کے بجائے مردوں سے محبت کی جائے۔ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ عورت اور مرد سے محبت کرنے کے بجائے صرف اپنی ذات سے ہی محبت کی جائے تیسرے گروہ کا یہ نظریہ ہے کہ عورت کو آزاد رہنے دو اور اُس سے کوئی سروکار نہ رکھو

اُسے آوارہ چھوڑ دو - اور اُس کی قیمت ادا کر کے اپنا مطلب پورا کرو - چوتھے گروہ کا یہ خیال ہے - کہ عورت کا خیال سرے سے چھوڑ ہی دیا جائے - اور کسی کام میں وقت صرف کر کے عورت کا تصور تک ختم کیا جائے - ایک اور گروہ بھی ہے جو یہ کہتا ہے - کہ عورت کی آزادی کا خاتمہ کر کے اُس سے زندہ رہنے کا حق چھین لیا جائے - اگر عورت کی آزادی ختم نہیں کی جا سکتی - تو مرد کو چاہیئے - کہ وہ خودکشی کرے - ایک اور گروہ یہ کہتا ہے کہ عورت کا گردن سے زانوؤں تک آزاد رہنے دی جائے - باقی حصہ مرد کے ماتحت رکھا جائے - یا قومی کاموں میں استعمال کیا جائے - اسی تمام بغاوت کا اثر یہ نکلا - کہ انگریز مرد نے انگریزی عورت کو گھوڑا سمجھ لیا ہے - یعنی کتے کو عورت سے بہتر خیال کرتا ہے - کتا آخر وفادار ہوتا ہے - اور انگریزی میم صاحبہ وفاداری سے کوسوں دور بھاگتی ہے - بلکہ وہ فطرتاً خود غرض اور مطلب پرست ہوتی ہے - اس لئے گھوڑے کو دیکھ کر انگریزی عورت کا خیال آجاتا ہے - گو اُسکی شکل صورت گھوڑے جیسی خوبصورت نہیں ہوتی - تاہم گھوڑے کی دُم سے ضرور ملتی جلتی ہے - یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ گھرانوں کی انگریز عورتیں اپنے سائیسوں سے شادی کر لیتی ہیں - اور موٹر ڈرائیوروں کو بھی سائیس سمجھ کر اپنا شوہر بنا لیتی ہیں - سائیس اور موٹر ڈرائیور اس لئے اعلیٰ طبقہ کی ملازمت اختیار کرتے ہیں - کہ اسی بہانے اُن کو اعلیٰ گھرانوں کی عورتوں سے شادی کرنے کا موقع مل سکے گا برطانوی عورتوں کی یہ کمزوری ہے کہ وہ اپنے آپ کو نہ گھوڑا سمجھتی ہیں - اور نہ عورت - بلکہ وہ مرد کہلانا زیادہ پسند کرتی ہیں - اُلٹا مردوں کو گھوڑا یا گھوڑی بنانا پسند کرتی ہیں - بلکہ اُن کو گدھا یا خچر خیال کرتی ہیں - مردوں کی مجال تک نہیں ہوتی - کہ وہ عورتوں کی برابری کا دعویٰ کر سکیں - انگریز مرد جب خواب میں بڑبڑاتا ہے یا پاکستان کے کسی کالج میں جا کر لیکچر دیتا ہے تو وہ عورت اور مرد کی مساوات پر تقریریں کرتا ہے - اس پر انگریز عورتیں مردوں کے دعویٰ مساوات کا مذاق اڑاتی ہیں - مگر پاکستانی عورتیں اپوا میں شامل ہو جاتی ہیں - یہ اور بات ہے - کہ عورتیں مردوں جیسا لباس پہن کر خود مرد بننے کی کوشش کریں - عموماً مردوں اور عورتوں کی پہچان بہت مشکل ہو گئی ہے - دیسی صاحب لوگ بھی اس چیز کو اچھی طرح جانتے ہیں کسی انگریزی شہر میں بمشکل کوئی عورت دکھائی دے گی - اگر کسی عورت سے بات کرنے کی ضرورت محسوس ہو - تو نزدیک کے شراب خانے میں جا کر آسانی سے عورت مل جاتی ہے - بازاروں میں تو عورتوں اور مردوں کی شناخت بہت مشکل ہو گئی ہے - عورتیں

عام طور پر مردوں کے لباس میں ہوتی ہیں - اور مرد بیچارے عورتوں کے ہمشکل ہو چکے ہیں۔ شراب خانے میں عورتیں مستی کی حالت میں آسانی سے پہچانی جا سکتی ہیں اسی لئے انگریز مرد اب ولائتی عورتوں سے نفرت کرتا ہے - مگر اپنے گھوڑے کو وہ زیادہ پسند کرتا ہے - عورتوں کے بجائے وہ باغ کے پھولوں سے پیار کرتا ہے یا یونین جیک سے پیار رکھتا ہے۔ جانوروں سے ہمدردی کرتا ہے۔ اپنے کتے کا اچھی طرح خیال رکھتا ہے - کھیل تماشوں سے رغبت رکھتا ہے - اگر وہ انگریزی میم صاحبہ اور اجنبیوں سے ہمیشہ نفرت کرتا ہے کیونکہ انگریزی عورت اجنبیوں سے پیار کرتی ہے - اور اجنبی بھی انگریزی عورت سے پیار کرتے ہیں - بعض اوقات انگریزی عورتیں اجنبیوں کے ساتھ بھاگ جاتی ہیں - گویا کسی کا گھوڑا کوئی چرا کرلے جائے - انگریز اجنبیوں سے اس لئے نفرت کرتا ہے - کہ وہ انگریز عورتوں کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہیں - حالانکہ انگریز مرد اپنی عورت کو محبت بھری نظروں سے دیکھنے کے بجائے پھولوں یا اپنے گھوڑے اور کتے کو محبت و پیار سے دیکھتے ہیں - لندن کے بازاروں میں اگر کوئی عورت مادر زاد ننگی پھرے تو اس پر سوائے اجنبیوں کے اور کوئی انگریز مرد نظر تک نہ ڈالے گا - جب تک اُس کے پاس کتا نہ ہو - ننگی عورت کو دیکھنے کے بجائے ہر ایک شخص اُس ننگی عورت کے کتے پر پیار بھری نظروں سے دیکھنے کے لئے آگے بڑھے گا - اگر وہی ننگی عورت پولیس کے گھوڑے پر سوار ہو کر بازاروں میں گزر جائے - تو کوئی بھی اُس کے ننگے جسم پر نگاہ تک نہ ڈالے گا البتہ ہر ایک شخص گھوڑے کی تعریف کر کے گذر جائے گا اسی لئے جب عورتیں اپنے گھروں سے باہر نکلتی ہیں - تو وہ اپنے ساتھ کتوں کو یا کھلونے کے کتوں کو لے جاتی ہیں - تاکہ عام لوگ کتوں کو ہی دیکھ کر اُس عورت کی طرف متوجہ ہو سکیں - عورت کی بھی یہی خواہش رہتی ہے - کہ کوئی مائی کا لال آگے بڑھے - اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُس کے رخساروں پر محبت بھرا بوسہ دے - مگر کوئی بھی ایسا نہیں کرتا - صرف اُس کے کتے کو دیکھ کر ہر ایک خوش ہو جاتا ہے - اور عورت اپنا منہ آئینہ میں درست کر کے ناکام و نامراد واپس گھر لوٹ جاتی ہے -

---

انگریزی عدالتیں عورتوں سے کھچا کھچ بھری رہتی ہیں - وہاں عورتیں مردوں کے خلاف چیخیں مار مار کر فریادیں کرتی ہیں - کہ اُن کے خاوند کبھی ان کو فٹ بال کا میچ دیکھنے کے لئے ساتھ نہیں لے جاتے - اور نہ ہی کرکٹ میچ اور گھوڑ دوڑ میں اُن کو اپنے ہمراہ لے جاتے ہیں - یہ معاملہ

بڑھتے بڑھتے طلاق تک نوبت آجاتی ہے۔ مردوں کو یہ شکایت رہتی ہے۔ کہ جب وہ کام کاج کے لئے باہر جاتے ہیں۔ تو اُن کی عورتیں فٹ بال یا کرکٹ کا میچ دیکھنے چلی جاتی ہیں عام طور پر کتوں کو اپنے زانوؤں پر بٹھا کر ان کا منہ چاٹتی ہیں۔ اور کتے اُن کا منہ چاٹتے ہیں اور پھر یہ محبت اور پیار زیادہ گہرا بڑھ جاتا ہے۔ گویا خاوند بیوی کے تعلقات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اس طریقے سے کتوں کے اخلاق زیادہ بگڑ جاتے ہیں۔ عورتیں یہ شکایت کرتی ہیں۔ کہ اُن کے خاوند جب کام کاج سے فارغ ہو کر واپس گھروں کو لوٹتے ہیں۔ تو وہ سیدھے باغ میں چلے جاتے ہیں۔ یا اخبارات پڑھنے لگ جاتے ہیں۔ کتوں سے کھیلتے ہیں۔ یا ٹیلی ویژن پر فٹ بال کا میچ دیکھنے لگ جاتے ہیں۔ اس طرح وہ عورتوں کی دل آزاری کرتے ہیں۔ یا غصے میں آکر گھر سے سیدھے باہر نکلتے ہی شراب خانے میں بیٹھے رات گئے تک دوسری عورتوں کی مجلس میں اپنا وقت گزار دیتے ہیں۔ جب بدمستی کی حالت میں اپنے گھروں کو واپس لوٹتے ہیں اپنی بیوی کو یا اس کے مرد دستوں کو مارتے پیٹتے ہیں۔ لہٰذا وہ طلاق حاصل کرنے میں حق بجانب ہیں۔ بعض عورتیں طلاق حاصل کر کے خاوندوں کے پاس دوبارہ چلی جاتی ہیں۔ اور بحیثیت گھریلو دوست کے خاوندوں سے دوستانہ تعلقات قائم رکھتی ہیں وہ خاوند کی خدمات سے پورا پورا فائدہ اٹھاتی ہیں۔ خاوند نہ مل سکے۔ تب بھی گذارہ چلاتی ہیں۔ آخر خاوند تھوڑے ہی کارخانوں میں طیار ہوتے ہیں۔ یہی غنیمت سمجھا جاتا ہے۔ کہ اپنے سابقہ خاوند کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جائے۔ یا اپنے کسی دوست یا کتے کی مجلس سے دل بہلایا جائے۔ چونکہ ملک میں عورتوں کی تعداد مردوں سے چار گنا زیادہ ہے۔ بہت سے مرد شادی بیاہ کے تعلقات میں پڑنا ہی پسند نہیں کرتے۔ لہٰذا عورتیں بھی ساری عمر کنوارے پنے میں گذار دیتی ہیں۔ حالانکہ وہ کئی خاوندوں کے پاس دوستانہ طور پر اپنا وقت کاٹتی ہیں۔ یا شادی بیاہ کے تعلقات قائم کر کے طلاق حاصل کر لیتی ہیں بہرحال وہ کنواری کہلانا زیادہ پسند کرتی ہیں۔ دراصل وہ طلاق اور شادی کے درمیان زیادہ فرق نہیں سمجھتیں۔ دونوں کو ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے خیال کرتی ہیں۔ بلکہ شادی کو گھریلو پابندی اور قید سمجھا جاتا ہے۔ اور طلاق کا دوسرا نام آزادانہ دوستی بن چکا ہے جس میں کسی قسم کی پابندی یا گھریلو قید نہیں پائی جاتی۔ بلکہ اس بہانے دوستانہ تعلقات بہت گہرے ہو جاتے ہیں۔ بہت سی طلاق شدہ کنواری عورتیں اپنے طلاق شدہ خاوندوں

کے پاس گھریلو دوست یا مالکۂ مکان کی حیثیت سے اپنا وقت صرف کرتی ہیں۔ کنواری عورتوں اور شادی شدہ عورتوں کے درمیان صرف طلاق کا فرق رہ جاتا ہے۔ شادی شدہ عورتوں کی زیادہ تعداد طلاق حاصل کر کے دوبارہ کنواری بن جاتی ہیں۔ اسی لئے کنواری اور شادی شدہ عورتوں کو ایک ہی سمجھا جاتا ہے۔ کنواری عورتیں زیادہ وقت اپنے کتّوں کی صحبت میں گذارتی ہیں۔ کتّوں کی زندگی میں وہ مردوں کے نزدیک زیادہ جانا پسند نہیں کرتیں بعض اوقات حبشیوں کی محفل میں اپنا دل بہلا لیتی ہیں۔

انگریز مرد بھی شادی بیاہ کی تکلفات میں پڑنے کے بجائے کنواری عورتوں سے ہی دوستی رکھتے ہیں۔ تاکہ اس طریقے سے گھر بھی آباد رہے۔ اور طلاق یا شادی بیاہ کے اخراجات کی نوبت بھی نہ آنے پائے۔ کنواری عورتوں کا خرچ شادی شدہ عورتوں کے مقابلے میں بہت کم پڑتا ہے۔ عدالتوں میں شادی شدہ عورتیں طلاق حاصل کرنے کے بعد مردوں سے زیادہ خرچہ اور معاوضہ وصول کرتی ہیں۔ گویا شادی اسی لئے کرتی ہیں کہ اس سے معقول آمدنی کا ذریعہ پیدا کیا جائے اور طلاق اس آمدنی کو قانونی شکل دے دیتی ہے۔ اس طرح انگریز عورتیں اپنی قیمت بڑھ چڑھ کر مانگتی ہیں۔ مرد بھی طلاق سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ اپنی عورت کے ناجائز دوست یا حقیقی آشنا اور عاشق سے اپنی شادی کا پورا پورا تاوان اور جرمانہ وصول کرتے ہیں۔ ایک طلاق کے مقدمے میں ایک مرد نے اپنی عورت کے عاشق سے پندرہ ہزار پونڈ کا تاوان طلب کیا۔ اس مظلوم عاشق نے اُس نامراد خاوند پر بیس ہزار پونڈ ہتک عزت کا مقدمہ دائر کر دیا۔ عورت نے اپنے اخراجات کا مقدمہ خاوند اور عاشق دونوں پر دائر کیا۔ کیونکہ انگریزی عدالتوں میں عورت کی قیمت بحیثیت شادی شدہ بیوی کے مقرر نہیں کی جاتی۔ بلکہ وہ گھریلو دوست اور منتظم باورچن یا دھوبن کی حیثیت سے پیش ہوتی ہے۔ اور انہی کاموں کی اجرت پر اُس کے اخراجات کا مقدمہ طے کیا جاتا ہے۔ عام طور پر تمام اخراجات عاشق سے وصول ہوتے ہیں خاوند اور بیوی ان اخراجات کو مساوی طور پر بانٹ لیتے ہیں۔ اور اس طرح خانگی مقدمات کا فیصلہ ہوتا ہے۔ طلاق حاصل کرنے کے بعد خاوند اور بیوی اگر چاہیں۔ تو گھریلو دوست بن کر رہ سکتے ہیں۔ رات کی تنہائی میں جو کچھ ہوتا ہے۔ وہ پرائیویٹ معاملہ ہے جس کا قانون سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بیوی اپنا کنوارا نام اختیار کر لیتی ہے اور دوبارہ

کنواری بن جاتی ہے۔ اور سابق خاوند طلاق یافتہ کنوارا دوست بن جاتا ہے۔ قانونی طور پر اس قسم کی عورت اپنے سابقہ خاوند کے پاس نوکرانی بن کر رہتی ہے۔ اور اسی حالت میں اگر طلاق شدہ بیوی نے اپنے طلاق شدہ خاوند کی نیت میں کچھ فرق پایا تو وہ دوبارہ عدالت سے رجوع کرتی ہے۔ کہ اس کے سابقہ خاوند نے اُس کی کمزور پوزیشن سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُس پر ناجائز حملہ کرنے کی کوشش کی۔ اسی بہانے وہ اپنے سابقہ خاوند کی گردن پر ہمیشہ سوار رہتی ہے۔ اور مرد بیچارہ مجبور و لاچار اپنی باقی ماندہ زندگی تلخی کی حالت میں کاٹنے پر مجبور ہوتا ہے۔ یا ان مصائب سے دائمی چھٹکارا پانے کے لئے امریکہ یا کینیڈا یا آسٹریلیا یا افریقہ چلا جاتا ہے۔ یا اپنے گھر پر گیس چھوڑ کر خودکشی کر لیتا ہے۔ اگر ایسا بھی نہیں کر سکتا۔ تو وہ ظالم بیوی کو ہی قتل کر ڈالتا ہے۔ یہ واقعات برطانیہ میں عام اور لاتعداد پائے جاتے ہیں۔ اگر طلاق شدہ بیوی اپنے سابقہ خاوند سے کسی قسم کا تعلق باقی نہ رکھے تو وہ ایک طاقتور کتے کو خرید لیتی ہے۔ اور اُسے ہی اپنا خاوند سمجھ کر اپنے کنوارپنے کے باقی ماندہ ایام کتے کی محبت میں گذار دیتی ہیں۔

طلاق شدہ خاوند اگر اپنی سابقہ بیوی سے دوستانہ تعلقات قائم رکھنا پسند نہ کرے تو وہ اپنی زندگی کے باقی ماندہ دن غیر ممالک کی سیاحت میں گذارتا ہے۔ ہمالیہ کی چوٹیوں پر چڑھتا ہے۔ یا افریقہ کے جنگلوں میں شکار کرتا ہے یا دور دراز مقامات پر کالی مخلوق کو بیدریغ قتل کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے اس طرح یونین جیک کے جھنڈے کی حفاظت کرتا ہوا وہ اپنی جان کو قربان کر دیتا ہے۔ اگر برطانیہ سے باہر قدم نہ رکھنا چاہے۔ تو اپنے باغ میں بیٹھ کر ہی وقت گذار دیتا ہے۔ تتریاں پکڑتا ہے۔ پرندوں کی بولیاں سیکھنے کی کوشش کرتا ہے یا گھوڑوں اور کتوں کی پرورش شروع کر دیتا ہے۔ شراب خانے جا کر دوسری عورتوں سے دل لگی سے ہی اپنا جی بہلاتا ہے۔

انگریز کا مکان اُس کے ہمسایہ کے مکان کے طرز پر ہوتا ہے۔ تاکہ دونوں ایک دوسرے کے مکان پر حسد اور رشک کی نگاہیں نہ ڈال سکیں۔ اور اُن کے درمیان مخالفت نہ پیدا ہونے پائے اور نہ ہی حیرت سے وہ ایک دوسرے کے مکانوں پر نظریں ڈال سکیں۔ اور نہ ہی باہمی مقابلہ کر سکیں۔ ہمسائے ایک دوسرے کی طرف

دیکھنے یا باہمی باتیں کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے ۔ وہ اپنے کام سے غرض رکھتے ہیں ۔ اگر ایک ہمسایہ باغ میں کام کرنے چلا جائے ۔ تو دوسرا اپنے مکان کے اندر بیٹھا رہتا ہے تاکہ اس کا ہمسایہ اس پر نظر نہ ڈال سکے ۔ اس طرح ان دونوں کی واقفیت نہ بڑھنے پائے دونوں ہمسائے ایک دوسرے سے واقفیت بڑھانے کی کوشش تک نہیں کرتے ۔ ایک ہمسایہ اپنے گھر کو محل خیال کرتا ہے ۔ اور دوسرے کے محل کو جھونپڑا سمجھتا ہے ۔ علیٰ ہذا القیاس دوسرا ہمسایہ بھی اسی طرح خیال رکھتا ہے ۔ دونوں ہمسایوں کے مکان ایک دوسرے سے اس طرح ملے جلے ہوتے ہیں ۔ کہ درمیانی دیوار ایک ہی ہوتی ہے ۔ لیکن ان کے دل جدا جدا رہتے ہیں ان کے مکان کی کھڑکیاں اور دروازے بھی ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں ۔ گھر میں سامان بھی ایک ہی دوکان سے خریدا جاتا ہے ۔ جو ایک جیسا ہوتا ہے ۔ کبھی کبھار ایک ہمسایہ اپنے دوسرے ہمسایہ کی بیوی کو ایک آنکھ دیکھ مسکرا دیتا ہے ۔ یا ضرورت پڑے ۔ تو اپنی بیوی کی عدم موجودگی میں ہمسایہ کی بیوی کو دعوت دیتا ہے ۔ تاکہ ہمسائگی کا حق پورا پورا ادا کر سکے ۔ اتفاقاً ہمسایہ بھی یا اس کی اپنی بیوی عین وقت پر اگر آ پہنچے ۔ تو ان سے سردی کا بہانہ کر کے معاملہ رفع دفع کیا جاتا ہے ۔ حالانکہ اس وقت سردی کا موسم ختم ہوئے تین مہینے گذر جاتے ہیں ۔ ہمسایہ اور اس کی اپنی بیوی دونوں اچھی طرح سمجھ جاتے ہیں ۔ کہ واقعی سردی ہے ۔ ہمسایہ کی بیوی بھی سردی کی شکایت شروع کر دیتی ہے ۔ جس کی تائید اس کی اپنی بیوی کر دیتی ہے ۔ سردی کے موضوع پر ایک غیر دلچسپ بات چیت شروع ہو جاتی ہے ۔ بیوی سردی کی گفتگو سن کر فوراً چائے طیار کر کے لاتی ہے ۔ چائے پینے کے بعد دونوں ہمسائے معہ اپنی اپنی بیویوں کے اپنے مکانوں کے اندر چلے جاتے ہیں ۔ گویا دونوں ہمسایوں کے درمیان صدیوں سے گہرا میل میلاپ رہا ہے ۔ حالانکہ وہ دوبارہ کبھی ہم کلام تک نہیں ہونے پاتے ۔ صرف چٹھی رساں کو ان کے بارے میں سب کچھ معلوم ہوتا ہے ۔ بات دراصل یوں ہے ۔ کہ انگریز گمنام رہنا زیادہ پسند کرتا ہے ۔ اس کا پتہ ٹھکانہ آسانی سے نہیں لگایا جا سکتا ۔ وہ حاضر ہونے کے بجائے زیادہ تر غائب رہتا ہے ۔ اگر حاضر ہے ۔ تو بستر میں غائب ہو جاتا ہے یا چائے پی کر حاضر ہو جاتا ہے ۔ انگریزوں اور جانوروں میں بہت تھوڑا فرق ہوتا ہے ۔ لیکن انگریزوں اور دوسری قوموں کے درمیان

نمایاں فرق پایا جاتا ہے۔ اسی لئے ایک انگریز مصنف نے لکھا ہے۔ کہ انگریزوں کو سمجھنے کے لئے گھوڑا ہسپتال میں ڈاکٹری کرنی چاہئے۔ کیونکہ گھوڑا ہسپتال کا ڈاکٹر ہی انگریزوں کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ چڑیا گھر کا مالی بھی انگریزوں کے بارے میں مناسب رائے دے سکتا ہے۔ انگریز کو اگر کتوں کے ڈربے میں بند کر دیا جائے۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ انگریز کتوں میں غائب ہو گیا ہے۔ اور نظر ہی نہیں آتا۔ عام طور پر گاڑی یا بس کے سفر میں اس قسم کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ بعض اوقات سیٹوں پر بیٹھے ہوئے مسافروں کو انگریز سمجھا جاتا ہے۔ دراصل وہ کتے بیٹھے ہوتے ہیں۔ جو مسافر کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ حقیقت میں انگریز ہوتے ہیں۔ ایک فرانسیسی سیاح نے انگریزوں کے بارے میں اپنا ایک تجربہ بیان کیا ہے۔ کہ اتفاق سے اُسے ایک دفعہ گاڑی میں لورپول جانا پڑا۔ اُسے ایک سیٹ پر کتا سویا ہوا نظر پڑا۔ جسے اُس نے ہٹانے کی کوشش کی۔ اس پر کتے کی مالکہ مس جانسن جھک کر بولی۔ خبردار! اسے ہاتھ مت لگانا۔ یہ تو میرا بھائی ہے۔ ورنہ وہ گارڈ سے شکایت کرے گی۔ چنانچہ وہ سیاح ایک دوسری خالی سیٹ کو دیکھ کر لپکا۔ اتنے میں مس جانسن دوبارہ کڑک کر بولی۔ ارے! یہ تو میرے کتے کی سیٹ ہے۔ وہ پیشاب کرنے گیا ہوا ہے۔ ابھی واپس آ جائے گا۔ یہ سُن کر کتا واقعی واپس آ گیا۔ اور خاموشی سے اپنی سیٹ پر جا بیٹھا۔ سیاح لکھتا ہے۔ کہ اُسے مس جانسن کے بھائی اور کتے میں کوئی فرق بھی دکھائی نہ دیا۔ کیونکہ اُن دونوں کے پاس ٹکٹ موجود تھے۔ کتے کا ٹکٹ اُس کی گردن کے پٹے میں پڑا تھا۔ اور وہ دوسرے انگریز مسافروں کی طرح ایک مسافر تھا۔ جو تمام مسافروں کے ہمراہ سفر کر رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نہرو جب کبھی میکملن یا لارڈ ماونٹ بیٹن سے ملنے جاتا ہے۔ تو وہ سب سے پہلے اُن کے کتوں کا منہ چاٹتا ہے۔ اور اُن کتوں سے باقاعدہ ہاتھ ملانے کے بعد اُن دونوں لیڈروں سے ہاتھ ملاتا ہے۔ برٹش ریلوے بھی انگریز کتوں کو ہندوستانیوں سے زیادہ اہمیت دیتی ہے۔ اور کتوں کے بارے میں کالے اور سفید رنگ کا سوال ناجائز سمجھا جاتا ہے بلکہ اعلیٰ اور کم ذات کے کتوں میں فرق رکھا جاتا ہے۔ اعلیٰ نسل کے کتوں کے لئے برٹش ریلوے نے خاص سہولتیں اور آرام مہیا کر رکھی ہیں۔ بعض اوقات اُن کے لئے سارا ڈبہ خالی کیا جاتا ہے۔ اور اُن کو سفر میں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے دی جاتی بلکہ دو

یونین بھی کتوں کی خاطر کبھی کبھار ہڑتال کر بیٹھتی ہیں۔ تاکہ دوستانہ تعلقات قائم رہیں اور کتوں کی برادری ناراض نہ ہونے پائے۔ کتوں کے حقوق کی باقاعدہ حفاظت کی جاتی ہے۔ ملک بھر کے اخبارات کتوں کی تصاویر بڑے شوق سے چھاپتے ہیں۔ اخباروں کے نامہ نگار اُن کے بارے میں خبریں اکٹھی کر کے قومی پریس کو بھیجتے ہیں۔ اخباری ایجنسیاں کتوں کے بارے میں لمحہ بہ لمحہ ضروری خبریں مہیا کرتی ہیں۔ کوئی بھی پبلک جلسہ ہو کتوں کو حاضرین جلسہ کے پہلو بہ پہلو بٹھایا جاتا ہے۔ کتوں کے مالکوں کا کینل کلب ایک مشہور و معروف قومی ادارہ ہے۔ کتوں کے ساتھ ٹیلیفون پر دور دراز سمندر پار سے بات چیت کی جاتی ہے۔ جب کتا ٹیلیفون پر بلایا جاتا ہے۔ تو وہ مالک یا مالکہ کی آواز سن کر بھونکنے لگتا ہے۔ مالک یا مالکہ اپنے کتے کے بھونکنے کی آواز سن کر مارے خوشی سے چیختے ہیں۔ چلاتے ہیں اور قہقہے لگاتے ہیں۔ ٹانگیں اوپر نیچے کرتے ہیں۔ اور بڑے اشتیاق سے اس واقعہ کا اپنے دوستوں سے تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ایک انگریز کا کتا دس دفعہ بھونکتا تھا اور پھر خاموش ہو جاتا۔ چنانچہ اس کتے کا بیمہ کرایا گیا۔ ویسے تو تقریباً سبھی کتے بیمہ شدہ ہوتے ہیں۔ مگر یہ دس دفعہ بھونکنے والا کتا حساب کے سوالات مثلاً جمع۔ تفریق ضرب اور تقسیم بھونک کر حل کر لیتا تھا۔

انگریزی کتے سیاسیات میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ لیبر پارٹی کے کتے جب چرچل یا میکملن کا نام آتا ہے۔ تو اپنا منہ اپنے پاؤں میں چھپا لیتے ہیں۔ یا منہ لبسور کر دوسری طرف کر لیتے ہیں مگر اٹیلی اور دوسرے لیبر لیڈروں کا نام سنتے ہی خوشی کے مارے بھونکنے لگ جاتے ہیں۔ گویا واہ! واہ! کے تعریفی نعرے بلند کر رہے ہیں۔ ٹوری پارٹی کے کتوں کا بھی یہی حال ہوتا ہے وہ بھی لیبر پارٹی کے لیڈروں کا نام سن کر کھانا تک نہیں کھاتے۔ بلکہ اُس دن وہ بھونکنا بھی بند کر دیتے ہیں۔ لیکن میکملن اور چرچل کا نام سنتے ہی وہ خوشی سے ناچنے لگتے ہیں۔ اور جب کبھی موٹر کاروں میں بیٹھ کر وہ کسی سرکاری تقریب میں شامل ہونے کے لئے تشریف لے جاتے ہیں۔ تو گاڑی سے اُس وقت تک نیچے نہیں اُترتے۔ جب تک پورٹر یا ڈرائیور اُن کے لئے دروازہ نہ کھول دے اور اُن کو تعظیماً جھک کر تسلیمات نہ بجا لائے۔ کالونی میں کتوں کا اکثر ذکر آتا رہتا ہے۔ کتوں کے متعلق بہت سی کہانیاں بھی مشہور ہیں۔ جو انگریزی ادب کا قیمتی سرمایہ بن چکی ہیں۔ تاکہ انگریزوں کی آئندہ نسلیں کتوں سے ہی سبق سیکھ سکیں۔ انگریز ہمیشہ

عقل کی باتیں کتوں سے سیکھتا ہے۔ بلکہ انگریزی قوم فخریہ طور پر اپنے آپ کو بلڈاگ نسل کہلانا پسند کرتی ہے۔ اشتہارات کے ذریعے اپیل کی جاتی ہے۔ کہ فلاں ذات کا کتا فلاں قسم کی وہسکی پیتا ہے یا فلاں قسم کا سوڈا واٹر یا بیر استعمال کرتا ہے۔ کتوں کے عاشق اسی دن سے وہی وہسکی یا سوڈا واٹر یا بیر کا استعمال شروع کر دیتے ہیں۔ اگر اشتہارات میں کتوں کا ذکر نہ آئے۔ تو اُن اشتہارات پر اعتبار نہیں کیا جاتا۔ کتوں کی تصاویر آتے ہی وہ اشتہارات قابل اعتبار بن جاتے ہیں۔ دوائیاں تک کتوں کے اشتہارات کے ذریعے فروخت کی جاتی ہیں۔ ایک انگریز فلاسفر نے یہ کہا ہے کہ اگر دوسرے جہاں میں اُس سے پوچھا جائے۔ کہ اُس کی دوبارہ زندگی میں سب سے بڑی خواہش کیا ہے۔ وہ یہ کہے گا کاش! میں انگریزی کتا پیدا ہو جاؤں۔ تاکہ خوبصورت عورتوں کی بغل کا شرف مجھے حاصل ہو"۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ جو خوراک کتے کو ملتی ہے۔ وہ ایک عام شہری کو نہیں ملتی۔ اسی چیز سے انگریز اور کتے کے درمیان فرق ظاہر ہوتا ہے۔ ورنہ دونوں کی پہچان بہت مشکل ہوتی ہے۔ روسیوں نے لیکا نامی کتے کو فضا میں اڑایا تو سارے برطانیہ میں ایک کہرام مچ گیا۔ اور تمام انگریزی قوم اس زبردست ظلم کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک عام ناراضی کی لہر دوڑ گئی۔ روسی سفیر مقیم لندن سے ملاقات کی گئی۔ اور اُس پر برطانوی رائے عامہ کے غیظ و غضب کی اطلاع پہنچائی گئی۔ لیکن کسی نے الجیریا اور کشمیر کے نادار اور مظلوم مسلمانوں کے قتل عام کی خبر تک نہ لی۔ اور نہ ہی اس بارے میں کسی انگریز مرد یا عورت کے کانوں تک جوں تک رینگی۔ یہ حساب ضرور لگایا گیا۔ کہ الجیریا اور کشمیر میں کتنے کتے زخمی ہوئے یا ہلاک ہوئے۔ چنانچہ اُن کتوں کے زخمی ہونے پر یا اُن کی موت پر افسوس ظاہر کیا گیا۔ اور ان کی ہمدردی کے تار اُن کے مالکوں کے نام بھیجے گئے ریڈیو پر اپیلیں ہونے لگیں۔ کہ الجزائر اور کشمیر کے کتوں کی موت پر ایک منٹ کے لئے خاموشی کی جائے۔ بہت دفعہ تو ایسا ہوا۔ کہ بی بی سی سے یہ فرمائش کی گئی۔ کہ وہ کتوں کے بھونکنے کے بھی خاص پروگرام نشر کیا کرے۔ ایک ہائی کورٹ کے جج نے ایک دفعہ یہ کہا۔ کہ اگر بہشت میں کتے داخل نہ کئے گئے۔ تو میں ایسی بہشت میں جانے کے بجائے دوزخ میں ہی رہنا پسند کروں گا۔ کم از کم دوزخ میں کتوں کی ہڈیاں تو ہوں گی۔ اسکول ماسٹر ہمیشہ جماعتوں میں لڑکوں کو بطور سزا مارتے پیٹتے ہیں۔ لیکن کوئی بھی اُن اسکول ماسٹروں

کا نوٹس نہیں لیتا۔ لیکن اتفاق سے اُس اسکول ماسٹر کی چھڑی کسی لڑکے کے کُتے کی دم تک کو چھو جائے۔ تو وہ اسکول ماسٹر اُسی وقت ڈگری سے برطرف کیا جاتا ہے۔ کم از کم ساری جماعت کے لڑکے اُس اسکول ماسٹر کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ اور اس کے اس مجرمانہ فعل پر اظہار ناراضگی ہوتا ہے۔ بلکہ غیظ و غضب کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ہر طرف ایک شور مچ جاتا ہے۔ کتے کو چھڑی مارنے پر شاید اسکول ماسٹر کو جیل خانہ بھی جانا پڑ جائے۔ تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ انگریز والدین اپنے بچوں کے ساتھ پیار کرنے سے بہت شرماتے ہیں۔ بلکہ وہ بچوں کو پیار کرنا بالکل نہیں جانتے۔ مگر وہ کتوں سے پیار کرتے ہیں۔ اور ہر وقت اُن سے چمٹے رہتے ہیں۔ اور ان کو دلاسہ کرتے ہیں۔ نہایت ہی محبت و پیار کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ بیوی بھی اپنے خاوند کو پیار کرنے کے بجائے اپنے کُتے سے محبت اور پیار رکھتی ہے۔ بعض اوقات کتوں کے لئے طلاق تک نوبت آپہنچتی ہے۔ اور بیوی اپنے خاوند کو چھوڑ چھاڑ کر کے کُتے کو ہی اپنا لاڈلا خاوند بنا لیتی ہے۔ اُسے اپنے ساتھ بستر پہ سُلاتی ہے۔ اور اُس کے منہ کے ساتھ منہ لگا کر سو جاتی ہے۔ اور کتا بھی اس پیار سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور وہ بھی اُسی بے چینی سے پیار کرتا ہے۔ گویا وہ خاوند ہے جسے اپنی بیوی سے پیار کرنے کا پورا حق ہے۔ خاوند بھی اپنی بیوی کی محبت حاصل کرنے کے بجائے بیوی کے کُتے سے پیار کرنے لگ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ گھر پر بیٹا یا بیٹی اپنے ماں باپ کو دوست سمجھنے کے بجائے اپنے کتوں کو ہی دوست سمجھ کر اُن سے الفت کے ساتھ پیش آتے ہیں ہمسایہ اپنے ہمسایہ کی بُرائی اور غیبت تو کرے گا۔ مگر اپنے ہمسایہ کے کُتے سے پیار اور محبت سے پیش آئے گا۔ خاوند اپنی بیمار بیوی کے علاج کی اس قدر فکر نہیں کرے گا۔ اور نہ ہی بیوی کی دوبارہ صحتیابی کا خواہش مند ہوگا۔ وہ اس لئے فکر مند ہوگا۔ خدانخواستہ بیوی کی بیماری کا اثر کہیں بیوی کے کُتے کی صحت پہ نہ پڑ جائے۔ علیٰ ہٰذا القیاس بیوی کو بھی اپنے خاوند کی بیماری کا خیال اس لئے ہوگا۔ کہ اسی بہانے اُس کا کُتا تندرست رہ جائے۔

لومڑی کے شکار میں کتوں کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر لومڑی مر جائے یا زخمی ہو جائے تو کسی کو افسوس نہیں ہوتا۔ بلکہ خوشی ہوتی ہے۔ کیونکہ لومڑی کا شکار ہی کتوں کی تفریح یا کھیل سمجھا جاتا ہے۔ مگر اُس شکار میں اگر کُتا زخمی ہو جائے۔ تو سارا کھیل ہی کرکرا ہو جاتا

ہے۔ کتے کے زخمی ہونے یا مر جانے سے کھیل فوراً بند کرنا پڑتا ہے۔ اور زبردست ماتم کیا جاتا ہے۔ گویا کوئی قومی حادثہ پیش آگیا۔ لومڑی کا شکار تو کتے کو خوش رکھنے کے لئے کھیلا جاتا ہے۔ لومڑی کے پیچھے کتے چھوڑے جاتے ہیں۔ اور خود کتوں کے مالک گھوڑوں پر سوار اُن کتوں کا تعاقب کرتے ہیں۔ اور اس طرح کھیل کھیلا جاتا ہے۔ کتوں کے بارے میں کوئی شکایت نہیں کی جاتی۔ نہ ہی کسی کو شکایت کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ عام طور پر فلموں میں کتے اور ایکٹر ایک ساتھ کام کرتے ہیں۔ کسی خطرناک مہم میں ایکٹر زخمی ہو جائے یا مر جائے۔ تو اُس پر تماشیوں میں کوئی بھی افسوس نہیں کرتا۔ اگر اُس ایکٹر کا کتا زخمی ہو جائے یا مر جائے۔ تو سارا ہال چیخ اُٹھتا ہے۔ افسوس اور غم تمام چہروں پر چھا جاتا ہے۔ بہت سے تماشائی رونے لگ جاتے ہیں۔ عورتیں اور بچے بیہوش ہو جاتے ہیں۔ جنھیں مار مار کر رونا پڑتا ہے۔ اگر کتے نے کسی بچے کو کاٹ دیا۔ تو کتے پر غصہ نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اُسے دلاسہ دیا جاتا ہے۔ تاکہ اُس کا غصہ ٹھنڈا کیا جائے اور وہ زیادہ خفا ہو کر کہیں بیمار نہ ہو جائے۔ لیکن اگر اُس زخمی بچے نے کتے سے انتقام لینا چاہا اور اُس پر ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی۔ تو اس لڑکے کی خوب مرمت کی جاتی ہے۔ ایک انگریز مصنف نے کہا ہے۔ کہ اگر سارا برطانیہ سمندر میں ڈوبنے لگے۔ تو سب سے پہلے کتوں کو بچایا جائے گا۔ اگر کسی نے کتوں کو بچایا اور انسانوں کو بچانے کی کوشش کی۔ تو انگریز اس شخص کو ضرور ہلاک کر دیں گے۔ گویا کتوں کو بچانا انسانی فرض خیال کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے۔ کہ گوروں کی عادات اپنے پالتو کتوں سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے۔ یعنی پالتو کتوں کی طرح یہ ہر ایک اجنبی کو کاٹنے کے لئے دوڑتے ہیں حتیٰ کہ مرد اپنی بیوی کو کاٹتا ہے۔ اور بیوی اپنے مرد کو کاٹتی ہے۔ خاندان کے دوسرے افراد بھی ایک دوسرے کو کاٹتے ہیں بلکہ انگریز کالی مخلوق .... کا گوشت کھا کر اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔

انگریز کو مزید دریافت کرنے کے لئے اتوار کے دن شائع ہونے والے اخبارات اور رسائل کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ اُن سے انگریز خود اپنے آپ سے واقف ہو جاتا ہے اور اپنے ہمسائے کو بھی پہچاننے لگ جاتا ہے جس نے سالہا سال تک نظرانداز کئے رکھا۔ اتوار کے اخبارات میں انگریز ساری دُنیا کے سامنے ننگا ناچتا ہے۔ یہی ذریعہ ہے۔ جس سے انگریز کی شناخت جلدی ہو سکتی ہے۔ اور اجنبی انگریزوں کے بارے میں

صحیح فیصلہ کر سکتے ہیں۔ مثلاً ایک واقعہ مشہور ہو چکا ہے۔ کہ مسٹر جونز اور اُس کی بیوی اپنے ہمسایہ سے برسوں تک ناآشنا رہے۔ بلکہ ان کی کوئی خاص بات چیت تک آپس میں نہ ہوسکی اور نہ ہی کسی قسم کی باہمی علیک سلیک ہی قائم ہوئی۔ اتفاقاً وہ ایک اتوار کی صبح کو گرجا گھر میں ایک ہی بنچ پر بیٹھ گئے۔ وہاں مسٹر جونز اور اُس کے بیوی کے پاس ہی ان کا ہمسایہ۔ مسٹر جانسن اتفاقاً آ بیٹھا۔ وہ ایک دوسرے کی طرف ظاہری مسکراہٹ ادا کر کے دعا پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ مجلس ختم ہونے پر پادری نے دروازہ پہ اُن دونوں سے ہاتھ ملایا۔ نیز اُن کا مسٹر جانسن سے تعارف کرایا گیا۔

جو برسوں سے اُن کے پڑوس میں رہتا رہا۔ اور جسے وہ بالکل نہیں جانتے۔ حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کے نام تک سے ناآشنا تھے۔ مزید معلوم ہوا۔ کہ مسٹر جانسن بہ انگلش کنوارا ہے جس کی جوانی افریقہ کے جنگلوں میں گذری یا کوہ ہمالیہ کی چوٹیاں سر کرنے پر خرچ ہوئی۔ وہ کچھ عرصہ پاکستان کی فوج میں بھی ملازمت کر چکا تھا۔ اور ملازمت سے سبکدوش ہونے پر پاکستان کے جنگلات میں جڑی بوٹیاں اکٹھا کرتا رہا۔ بلکہ وہ کشمیر کے دونوں حصوں کی سیاحت بھی کرتا رہا اور نہرو کے ساتھ بیٹھ کر کئی دفعہ کھانا بھی کھا چکا تھا۔ حالانکہ نہرو پاکستانیوں کا دشمن ہے مگر انگریز کے لئے خاص طور پر مہربان میزبان ہے۔ اس عرصہ میں جانسن نے اسلحہ ساز کارخانوں کی ملازمت اختیار کر لی اور اُن کا نمائندہ بن کر ہندوستان اور پاکستان ہر دونوں ممالک کے درمیان سفر کرتا رہا۔ اور اِن ممالک کے درمیان ریشہ دوانیاں اور بدگمانیاں پھیلانے میں معروف ہو گیا اور دونوں ممالک کو اسلحہ فروخت کر کے خوب نفع کمایا۔ ایک زمانہ میں وہ کرنل لارنس کے ساتھ بھی مشیر رہ چکا تھا۔ جبکہ وہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کشیدگی پیدا کرنے میں بہت کامیاب ہوا گو اس میں کچھ ہندوستان کی اسلام دشمنی سے بھی فائدہ اُٹھایا۔ اور کچھ یہودی! اسلحہ ساز کارخانہ داروں کے اشاروں پر بھی چلتا رہا۔ پاکستان کے مختلف قبائل کی باہمی عداوتوں اور رنجشوں سے فائدہ اُٹھا کر اُن کو آپس میں خوب لڑایا۔ اور چوری چھپے ہر جگہ اسلحہ فروخت کرتا رہا۔ دس سال کابل کی مساجد میں امامت کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔ اور بہت سے غلط اور بے سروپا مسائل بیان کر کے افغانی عوام کو مختلف روحانی پریشانیوں اور ذہنی کشمکش میں مبتلا کر دیا۔ غرضیکہ مسٹر جانسن اپنی قوم کے لئے ساری عمر کام کر کے اللہ کی مخلوق کو مصائب میں مبتلا کر کے ستر برس کی عمر میں واپس برطانیہ پہنچا۔ اور مسٹر جونز

کے پڑوس ہی میں ملحقہ مکان میں جا کر آباد ہوا - باہر ممالک میں تو مسٹر جانسن کو کافی شہرت حاصل تھی - مگر برطانیہ میں اُسے کوئی بھی نہ جانتا تھا - حتیٰ کہ مسٹر جونز بھی اس کی سابقہ زندگی سے ناآشنا تھا - اور نہ ہی اُسے جاننے کی کوشش ضروری خیال کی - مسٹر جانسن سارا دن باغ میں اپنا وقت گزار دیتا تھا - جبکہ ایک دن اُس کی نظر مسٹر جونز کی بیوی پر پڑ گئی - چونکہ اُن کا ایک دوسرے سے باقاعدہ تعارف نہ تھا - لہٰذا وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے علاوہ اور کچھ بات نہ کر سکے - تاہم مسٹر جانسن کو اُس عورت کی ملاقات کا شوق چرایا - اُس نے کھوج لگائی - کہ مسٹر جونز مع اپنی بیوی کے ہر اتوار پڑوس کے گرجا گھر جاتے ہیں - ایک اتوار کی صبح کو وہ بھی گرجا گھر جا پہنچا - اور ایک ہی بنچ پر اُن کے پاس جا بیٹھا - بعد میں (جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے) اُن کا باقاعدہ تعارف ہوا اور وہ ایک دوسرے سے بات چیت کرنے لگے - اب اُن سب کا ہر اتوار گرجا گھر جانے کا معمول ہو گیا ۔

مسٹر جانسن ہمیشہ مسٹر جونز کے پاس ہی بیٹھتا - رفتہ رفتہ یہ رسمی ملاقات زیادہ گہری ہونے لگی - اور وہ اپنے ہمسایہ کے گھر جانے لگا   یہ بھی اُس وقت جب مسٹر جونز گھر سے باہر ہوتے - تاکہ اُس کی عدم موجودگی میں اُس کی بیوی سے دل کھول کر باتیں کر سکے - کبھی کبھار مسٹر جونز بھی عین ملاقات کے موقع پر آموجود ہوتے - اور اُن دونوں کو باہم تبادلہ خیالات پا کر بہت خوش ہوتے - گویا اُن کی سالہا سال خلوت کی زندگی میں بالآخر مسٹر جانسن نے رونق پیدا کر دی - مسٹر جونز یہ خیال کرتا تھا - کہ اُن دونوں کے درمیان ضرور بائیبل پر گفتگو ہوتی ہو گی - کیونکہ بائیبل مسٹر جانسن کے ہاتھ میں ہمیشہ نظر آتی - لہٰذا اُسے اپنی بیوی پر کسی قسم کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش تک نہ تھی - ایک دن مسٹر جونز نے اُن دونوں کو باہم ایک دوسرے سے بغلگیر دیکھا - وہ خاموش ہو رہا - شاید دوستانہ ملاقات بڑھتے بڑھتے گہری بھی ہو سکتی ہے - وہ اپنی بیوی کو کچھ نہ کہہ سکا اور نہ ہی اُس نے مسٹر جانسن پر شبہ کیا - یہ ایک مجلسی عزت افزائی تھی - ایسے تفریح کے موقعوں پر بدمزگی   فیشن کے خلاف سمجھی جاتی ہے - بدستور مسٹر جونز کی عدم موجودگی میں اُن دونوں کے درمیان تعلقات زیادہ بڑھنے لگے - بلکہ یہ تعلقات دوستانہ سے زیادہ عاشقانہ ہونے لگے - اور اُن کا سلسلہ کافی عرصہ جاری رہا - اتفاقاً جونز کو اپنی بیوی کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھ کر گلاسگو جانا پڑا - وہ اتوار کا دن تھا - چنانچہ گاڑی کے ڈبے میں بیٹھنے سے پہلے اُن دونوں نے اپنے اپنے پسندیدہ ہفتہ وار پرچے خرید لئے -

تاکہ اُن کے مطالعہ سے گاڑی کا سفر خوش اسلوبی اور آرام سے کٹ سکے۔ اُس روز اخبارات میں ایک بڑی دلچسپ کہانی شائع ہوئی تھی۔ یعنی ایک نامعلوم عورت نے اپنی سچی روداد عشق کو بغیر نام بتائے بیان کیا تھا۔ اُس نے سب سے پہلے شکایت شروع کی۔ کہ اُس کا خاوند کبھی بھی اُس سے بغلگیر نہیں ہوا۔ اور نہ ہی اُس کو اپنی بیوی سمجھ کر کبھی اُس کے نزدیک آنے کی کوشش تک کی۔ صرف رات کو سوتے وقت اُس کی ناک کی چونچ پر ایک ہلکا سا نانگہ بوسہ دے کر رخصتی سلام کہتا ہوا اپنی نیند سو جاتا تھا۔ چنانچہ اُن کی شادی کے دس برس یونہی گذر گئے۔ مگر اُسے گزشتہ پانچ ماہ سے حمل ہو گیا ہے۔ اور یہ اُس کے خاوند کی طرف سے نہیں ہوا۔ بلکہ اُس کے بوڑھے ہمسایہ کا ہے۔ خاوند کو اس کا مطلق پتہ نہیں۔ اس کہانی کو پڑھ کر مسٹر جونز تو خاموش ہو گیا۔ اور اُسے اپنی بیوی کو پڑھنے کی سفارش کی۔ بیوی یہ کہانی اپنے اخبار میں پڑھ چکی تھی۔ لہٰذا معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اور کسی نے اس پر بحث نہ کی۔ بلکہ گلاسگو پہنچ کر یہ کہانی سرے سے یاد ہی نہ رہی۔ اور نہ ہی گلاسگو سے واپسی پر اُس کہانی کا ذکر تک آنے پایا۔ مگر اگلے برس مسٹر جونز کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام ہیرلڈ رکھا گیا۔ یہ لڑکا بہت ہی منحنی اور دُبلا پتلا کمزور سا تھا گیا پیدائشی بیمار تھا۔ خاوند کو اصرار تھا۔ کہ ہیرلڈ اپنے باپ کے خاندان جیسے اوصاف نہیں رکھتا۔ بلکہ اپنی ماں کی شکل و صورت سے ملتا ہے شاید وہ نانا کے اثرات لے کر پیدا ہوا ہے۔ بیوی اس پر مصر تھی۔ کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہیرلڈ اپنے باپ دادا کے خاندان کی نشانی ہے۔ اسی لئے وہ کمزور اور بیمار رہتا ہے۔ میاں بیوی کے درمیان یہ جھگڑا ہر روز سالہا سال تک جاری رہا۔ حتیٰ کہ ہیرلڈ بیس برس کا نوجوان ہو گیا۔ مگر وہ بدستور اس قدر منحنی اور کمزور تھا۔ کہ اس کے باپ تک کو اُسے دیکھ کر کراہت اور نفرت پیدا ہوتی تھی۔ چنانچہ اُسے دیکھ کر مسٹر جونز غصہ سے چلا اُٹھا۔ کہ ہیرلڈ اُس کا بیٹا ہی نہیں۔ یہ اپنے نانا کا بیٹا معلوم ہوتا ہے۔ یا کسی ہمسایہ سے بطور تحفہ لایا گیا ہے یہ سن کر اُس کی بیوی نے میاں کو اخبار کا وہی پرانا پرچہ لا کر دیا۔ جو اس نے بیس برس پہلے سنبھال کر رکھا تھا۔ اُس سے وہ کہانی پڑھنے کو کہا۔ کہ یہ کہانی اُس کی اپنی لکھی ہوئی ہے۔ اغلباً اُسے وہ یاد ہو گی اور وہ دوبارہ اُسے پڑھ کر اپنی گذشتہ بھولی بسری یاد تازہ کر سکتا ہے۔ مسٹر جونز جو یہ راز بیس سال پہلے سے جانتا تھا۔ یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ اور معاملہ کو زیادہ نہ بڑھایا۔ لیکن یہ کہا۔ کہ ہیرلڈ پھر اُس کے ہمسایہ مسٹر جانسن کا بیٹا ہے۔ معاملہ کو مزید صاف کرنے کے لئے

عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا کہ اُسے طلاق دی جائے۔ عدالت نے واقعات سُن کر فیصلہ دیا۔ کہ مسٹر جونز کو اس قسم کا مقدمہ دائر کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ نہ ہی اُسے عدالت کا وقت ضائع کرنا چاہیے تھا۔ لہٰذا مسٹر جانسن کی اُس نے ہتک عزت کی اور اپنی بیوی پر غلط الزام تراشی کی۔ لہٰذا اُن دونوں کا خرچہ بذمہ مسٹر جونز ڈالا گیا۔ جو اُسے اپنی بیوی کو ادا کرنا چاہیے (مسٹر جانسن اُس وقت مر چکا تھا) مسٹر جونز کو ہدایت کی گئی۔ کہ وہ اپنی بیوی سے معافی مانگے۔ مسٹر جونز نے عدالت کے سامنے اپنی بیوی سے معافی مانگی اور وہ دونوں اپنی خوشی ایک دوسرے کی ناک پر بوسہ دیتے ہوئے واپس گھر روانہ ہوئے۔ ہیرالڈ بیوسن کر امریکہ بھاگ گیا۔ اور وہاں ترقی کرتے کرتے کروڑپتی بن گیا۔ شاید اُس کی اولاد میں سے کوئی ایک دن امریکہ کا پریذیڈنٹ بن بیٹھے۔ یہ عین ممکن ہے۔ دنیا کے نیک لوگ اس واقعہ سے سبق سیکھ سکتے ہیں۔

انگریز کے دماغ کو کاٹ کر دیکھا جائے۔ تو اُس میں بائبل شیکسپئر۔ سکاچ وسکی بیر کی بوتلیں۔ آلو اور مچھلی۔ چائے کی پیالیاں اور سگرٹوں کے پیکیٹ نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو موت سے ہمکنار رکھنے کے لئے ٹائی بھی اپنی گردن سے لٹکائے رکھتا ہے۔ تاکہ بوقت خودکشی کام میں لائی جاسکے۔ یا اُس ٹائی کی مدد سے اپنی بیوی کا گلا گھونٹ سکے۔ یا جب بیوی کو خاوند پر غصہ آئے۔ تو وہ ٹائی کو پکڑ کر خاوند کا گلا گھونٹ سکتی ہے۔ اجنبیوں کو جب انگریز پر غصہ آتا ہے تو وہ اُس کی ٹائی کو مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں۔ اور انگریز کو اُسی وقت دن میں تارے نظر آجاتے ہیں۔ گویا ٹائی بھی انگریز کے دماغ تک پہنچنے کا ایک ارزاں اور آسان زینہ ہے یا چھوٹا پل ہے۔ اس طرح انگریز کا دماغ بغیر چیرے پھاڑے دریافت کیا جاسکتا ہے۔ انگریزوں کے بارے میں یہ عام طور پہ دیکھا گیا ہے کہ وہ دن بھر چائے پیتے رہتے ہیں۔ اور چائے کے ساتھ سگریٹ بھی ضرور استعمال کرتے ہیں۔ چائے پیتے ہوئے سگریٹ کا دھواں نکال کر دل بہلاتے ہیں۔ کھانا نہ ملے۔ تو پرواہ نہیں کرتے۔ بلکہ عام طور پہ کھانا بالکل ہی نہیں کھاتے۔ مگر چائے۔ بیر اور سگریٹ کے بغیر ایک منٹ بھی زندہ نہیں رہ سکتے۔ چائے کی پیالیوں کی تعداد ایک دن میں ایک سو دس تک پہنچ جاتی ہے۔ یہی حالت سگریٹ کی ہے۔ بیر تو پانی کی جگہ استعمال ہوتی ہے۔ کاروبار کا اندازہ بھی چائے کی پیالیوں سے لگایا جاتا ہے۔

عوام کی اخلاقی حالت کو بلند کرنے کے لئے اور مالی بہبودی کے لئے ملک بھر میں مختلف سوشل ادارے کام کرتے ہیں۔ جو بہت دیانت۔ ایمانداری اور ہمدردی کے ساتھ اپنا کام کرتے ہیں۔ مگر ملک کی اخلاقی حالت ابھی تک بلند نہیں ہوگی۔ نسلی تعصب۔ منافقت ریاکاری۔ مکاری۔ بخیلی۔ بغض۔ کم ظرفی۔ مطلب پرستی جیسے بُرے افعال عام ہیں گو تہذیب کا ظاہری لباس سفید چمڑے کا ہے۔ مگر اندرونی ضمیر بہت ہی مردہ اور کالا ہے مشرقی ممالک کے ان پڑھ دیہاتی کا مقابلہ اگر انگریز سے کیا جائے۔ تو مشرقی دیہاتی بہت ہی شریف۔ مہمان نواز۔ جفاکش۔ محنتی۔ خلیق۔ مذہبی۔ صابر۔ قناعت پسند اور خوش خلق ہوتا ہے۔ مگر یہ تمام شریفانہ خصائل انگریز میں نہیں پائے جاتے۔ انگریز نہ کسی کا دائمی دوست ہوتا ہے اور نہ ہی کسی سے دوستانہ ہمدردی رکھتا ہے۔ بلکہ وہ اول درجے کا مطلب پرست ہوتا ہے۔ اور اپنی مطلب برآری کے لئے ظاہری طور پر دوستی کا اظہار کرتا ہے، تاکہ دوسرا اپنی جان بھی قربان کرنے کو طیار ہو جائے۔ جب مطلب پورا ہو جائے تو یہ ظاہری دوستی بھی ختم کر دیتا ہے۔ گویا اُس نے کبھی کسی سے دوستی کی ہی نہیں وہ دوستی کا روحانی مفہوم بالکل نہیں جانتا پاکستانی صاحب لوگ انگریز کی اس عادت سے اچھی طرح واقف ہیں۔ انگریز وقتی طور پر اپنی مطلب برآری کے لئے دوستی گانٹھتا ہے لیکن وقت گزرنے کے بعد سب سے زیادہ نقصان اپنے دوست کو ہی پہنچاتا ہے۔ اور کسی قسم کے دوستانہ جذبات کا احترام نہیں کرتا۔ وہ اپنی اغراض کے لئے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتا ہے

انگریز اپنے ملک سے بہت پیار کرتا ہے۔ اور اس کے متعلق کوئی شکایت یا برائی نہیں سنتا۔ بلکہ اُسے دنیا کا بہترین اور خوبصورت ملک تصور کرتا ہے۔ اور برطانیہ سے باہر کسی غیر ملک کو خاطر میں نہیں لاتا۔ بلکہ وہ اگر بہشت میں بھی چلا جائے۔ تو ہر لمحہ اُسے برطانیہ ہی یاد رہتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے ملک کے بُرے موسم کی بھی بُرائی نہیں کرتا۔ گو عادتاً وہ خاموش اور شرمیلا یا کم گو ہوتا ہے۔ مگر برطانیہ کا نام آتے ہی وہ باتونی بن جاتا ہے اور سب سے پہلے جس قومی موضوع پر وہ اپنا منہ کھولتا ہے۔ وہ موسم کے بارے میں ہوتا ہے۔ موسم کے بارے میں طرح طرح کی باتیں شروع کی جاتی ہیں اور یہ باتیں شکایت اور میٹھے شکوہ سے شروع ہوتی ہیں۔ جو وقت کاٹنے کا بہترین۔ مشغلہ اور دوستانہ

مانند چیپ کا ایک پیمانہ بن جاتا ہے۔ پھر موسم کیا ہے۔ گویا سارے موسموں کی کھچڑی یا مجموعہ ہوتا ہے۔ ابھی آندھی۔ ابھی جاڑا۔ ابھی گرمی۔ ابھی سردی۔ ابھی بارش اور ابھی اندھیرا ہے۔ ہر لحظہ موسم بدلتا رہتا ہے۔ اسی لئے انگریز ہمیشہ ناگہانی مصائب کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار رہتے ہیں۔ غیر موافق موسم پر غالب پانے کے لئے ہر وقت ہوشیار رہتے ہیں۔ یقینی سے نہیں کہا جاسکتا۔ کہ آئندہ موسم کیا رنگ لائے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ انگریز اپنے موسم کی طرح وفادار دوست نہیں ہوسکتا۔ اور اُس پر اعتبار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ہمارے ملک کے بھولے بھالے دیسی صاحب لوگ انگریز کی چکنی چپڑی باتوں میں بُری طرح پھنس جاتے ہیں حتیٰ کہ اپنا دین۔ مذہب۔ ملک اور قوم تک انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے قربان کر دیتے ہیں تاکہ انگریز سے اپنی دوستی کا حق ادا کر سکیں۔ مگر انگریز یہ سب کچھ دیکھ کر زیرِ لب مسکراتا ہے اور اپنا اُلو سیدھا کر کے آگے بڑھ جاتا ہے۔ دونوں عالمگیر لڑائیوں میں ہمارے ملک کے جوان اور بہادر فوجیوں نے انگریزوں کے شانہ بشانہ لڑائیوں میں حصہ لیا۔ اور بڑی بہادری سے اپنی جانیں انگریز پر نثار کیں۔ مگر انگریز نے اپنے ان وفادار دوستوں سے کبھی وفاداری نہیں کی۔ لڑائی کے مورچوں پر پاکستانی سپاہیوں کو آگے ہی رکھا۔ خود پیچھے بیٹھ کر اپنی جان بچاتے رہے۔ اپنے بہترین دوست نظام حیدر آباد کو عین وقت پر دغا دے گئے۔

انگریز اپنے ملک کے قانون کا احترام کرتا ہے۔ تاکہ قانونی گرفت سے بچ جائے۔ مگر وہ دل سے مجرم اور قاتل ہوتا ہے۔ صرف قانونی گرفت سے بچنے کے لئے قانون کا ظاہری طور پر لحاظ کرتا ہے۔ جب وہ برطانیہ سے باہر غیر ممالک یا نوآبادیات میں چلا جائے تو اُس وقت وہ اپنی من مانی کارروائیاں کرتا ہے۔ حتیٰ کہ قانون تک کو وہ خاطر میں نہیں لاتا۔ کھلم کھلا غیر ممالک کو ہر ممکن طور پر نقصان پہنچاتا ہے۔ اور اس طرح دوسروں کی مصیبت سے اپنے آپ کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ وہ برطانیہ میں رہے گا۔ تو قانون کا پورا پابند ہو گا۔ برطانیہ سے باہر قدم رکھتے ہی وہ قانون کی پابندیوں سے اپنے آپ کو آزاد خیال کرتا ہے۔ اور کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور نہ ہی کسی غیر ملکی قانون کو وقعت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ غیر ممالک میں اس کا رویہ غیر ملکی باشندوں کے لئے خلاف انسانیت اور انصاف کے اصولوں کے خلاف ہے۔ وہ تند مزاج۔ بدکلام۔ بدمزاج۔ بدتمیز

مغرور۔ متکبر۔ گستاخ۔ بے تکلف۔ تحکم پسند اور فرعون صفت بن جاتا ہے۔ اور اُس کی گستاخانہ اور اونچی کرخت آواز سب کو سنائی دیتی ہے۔ غیر ملکی یہ جان لیتے ہیں کہ مغرور کوئی پاگل انگریز ہوگا۔ غیر ممالک میں وہ تہذیب کے سفید کمبل کو اتار پھینکتا ہے۔ اور اپنی درندگی اور نادانی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ وہ جنٹلمین کے ظاہری طور طریقے بھی چھوڑ دیتا ہے۔ اسی لئے وہ برطانیہ میں رہنا پسند نہیں کرتا۔ وہ اجنبیوں کے درمیان رہ کر اُن پر حکم چلانے کا خواہشمند ہوتا ہے۔ وہ اکڑ خانی کا مظاہرہ بھی باہر ممالک میں جا کر کرتا ہے۔ برطانیہ میں وہ ایک خاموش شہری کی حیثیت سے مہذب بن کر رہتا ہے۔ اور گونگا کہلاتا ہے۔ لیکن برطانیہ سے باہر جا کر وہ بازاری اور مغرور بن جاتا ہے۔ اگر وہ چھوٹے قد کا ہے۔ تو بڑے بڑے بوٹ پہن کر اور زیادہ اُونچی گردن کر کے چھاتی تان کر چلتا ہے۔ تاکہ وہ چھوٹے قد کا دکھائی نہ دے اور اس طرح اُس کی انگریزیت کی شان دوبالا ہو جائے اور اُس کے مقابلے میں کوئی غیر ملکی اُونچے قد کا نظر نہ آنے پائے۔ وہ کالی مخلوق سے بہت نفرت کرتا ہے۔ اور کالی مخلوق کا حاکم بننا زیادہ پسند کرتا ہے۔ کالے رنگ سے نفرت اور حقارت رکھتا ہے۔ مگر خود سارا دن دھوپ میں بیٹھ کر اپنی جلد کو کالا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تاکہ کوئی بھی کالا انسان محض کالے رنگ کی بنا پر اُس سے سبقت نہ لے جائے۔ وہ اپنی گردن کو گھوڑے کی گردن کی طرح اُونچا رکھتا ہے اور اپنی آواز کو گدھے کی آواز کے ساتھ ملانے کی کوشش کرتا ہے۔ تاکہ دونوں آوازوں میں بہت کم فرق رہ جائے۔ وہ کتے کی وفاداری کو پسند نہیں کرتا۔ مگر کتے کی وفاداری کو دیکھ کر اُسے دوست بناتا ہے۔ وہ یونین جیک سے اس لئے محبت جتلاتا ہے۔ کہ وہ اُس کا قومی جھنڈا ہے۔ مگر وہ دل سے یونین جیک سے نفرت کرتا ہے۔ اُس کی سکرٹ اور پہننے میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ وہ اپنی کمزوریوں کو چائے کی پیالی میں ڈبو دیتا ہے اور اپنی پریشانیوں کو اسکاچ وسکی کی بوتل میں غرق کر دیتا ہے۔ وہ ساری دُنیا سے نفرت کرتا ہے۔ مگر محبت صرف اپنی ذات اور برطانیہ سے رکھتا ہے۔ وہ تہذیب و تمدن کا علمبردار کہلاتا ہے۔ مگر خود اپنے آپ کو تہذیبی سرگرمیوں سے علیحدہ رکھتا ہے۔ بلکہ غیر ملکی تہذیبوں کو مٹا کر انہیں انگریزیت میں مدغم کر دیتا ہے۔ گویا انگریزی تہذیب کے سوا دُنیا میں کہیں تہذیب پیدا ہی نہیں ہوئی۔ وہ روایتی جن کی طرح شراب کی

بوتل سے آزاد ہو کر باہر نکلتا ہے۔ تو ایک نعرہ بادشاہ کا لگاتا ہے۔ دوسرا نعرہ یونین جیک کا اور تیسرا نعرہ برطانوی سلطنت کا لگا کر خوشی سے ناچتا ہے۔

اس کے بعد وہ شراب کی بوتل میں دوبارہ بند ہو جاتا ہے۔ اور دوپہر تک سویا رہتا ہے۔ انگریز یہودیوں سے عداوت رکھتا ہے۔ اور اُن کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ مگر یہودی کو وزیر اعظم بناتا ہے۔ اسرائیل کی ریاست بنانے میں یہودیوں سے بھی بڑھ چڑھ کر زیادہ جوش اور سرگرمی سے حصہ لیا۔ عربوں سے غداری کی۔ یہودیوں سے وفاداری کرتا رہا لیکن کہا یہ جاتا رہا۔ کہ انگریز یہودیوں کو پسند نہیں کرتا۔ تاکہ عربوں پر اپنا سیاسی اور اقتصادی تسلط قائم رکھ سکے۔

انگریز اپنے مخالفین کی مخبری اپنی حکومت کیلئے کرتا ہے۔ مگر مخالفین کو اپنی دوستی کا آخر دم تک یقین دلاتا ہے۔ اور اپنی دوستی کو اُس وقت تک نبھاتا ہے۔ جب تک اُس کی ذات اور قوم کو فائدہ پہنچتا رہے۔ لیکن فائدہ حاصل کرنے کے بعد وہ اپنے مخالفین اور عارضی دوستوں کو ختم کر دیتا ہے۔ اور اُن کو اپنے مفادات ذاتی یا قومی پر قربان کر دیتا ہے۔ وہ انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے غیر ممالک میں جاتا ہے۔ مگر اُن ممالک میں انگریزی اشیا کو ہی خریدتا ہے۔ تاکہ اس طرح وہ انکم ٹیکس کی رقم کو اپنے ملک واپس کر سکے وہ مارچ کے آخر تک آگ کے پاس بیٹھا رہتا ہے۔ مگر مئی کے آخر تک گرم کپڑوں کو نہیں چھوڑتا۔ اس لئے کہ وہ موسم کا اعتبار نہیں کرتا۔ اُس کے بڑوں کا یہ مقولہ عام مشہور ہے کہ چاہے کیسی گرمی پڑے۔ مئی کے آخر تک گرم کپڑوں کو مت علیحدہ کرو اور اُن سے چمٹے رہو کچھ خبر نہیں۔ کہ موسم کیا کروٹ بدل ڈالے۔ انگریز کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے۔ کہ چھوٹا سا بنگلہ ہو۔ ایک باغ ہو۔ ایک پیاری بیوی ہو۔ چاہے وہ لنگڑی ہی کیوں نہ ہو۔ جس کا کوئی بچہ نہ ہو۔ سردیوں کے لئے کوئلہ کا ذخیرہ گھر پہ موجود رہے۔ ہمسایہ نہ ہو۔ گرم کپڑوں کے جوڑے طیار ہوں۔ چائے کی پیالی دما دم ہر وقت طیار ہو۔ تاش کی بازی جاری رہے۔ شام کو اسکاچ وسکی کا دور ہو۔ پھر رات بھر خوب نیند کی جائے۔ صبح دیر سے اُٹھا جائے۔ اور دوپہر تک باغ میں ہی مصروف رہے۔ یہی انگریز کا خواب ہے۔ اور یہی اُس کی دُعا ہے۔ وہ اس چیز کے بہت خلاف ہوتا ہے۔ کہ کوئی اُس پر حکم چلائے۔ بلکہ وہ دوسروں کے اوپر خاص طور کالی مخلوق پر حکم چلانے کا بہت خواہشمند رہتا ہے۔ حتیٰ کہ حجام بھی اپنے آپ کو گدمز

کہتا ہے۔ اور اس پر خوش ہے۔ کہ وہ چند ملازم رکھتا ہے۔ اور اُن پر کلی اختیارات کا مالک ہے۔ گویا حکومت کا حق بھی اُسے حاصل ہے۔ عام طور پر چھوٹے چھوٹے دکاندار فخریہ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ وہ گورنر ہیں۔ اور کسی کے غلام اور ملازم نہیں۔ وہ بڑی بڑی دوکانوں سے بہت نالاں رہتے ہیں جو اُن کی گورنری کو ختم کرتی ہیں۔ اور اُنہیں اپنی گورنری چھوڑ چھاڑ کے اُن دوکانوں میں ملازمت پہ مجبور ہونا پڑتا ہے۔ کارخانہ داروں کے خلاف بہت نفرت کا جذبہ موجود ہے۔ حتیٰ کہ ملک کے بوڑھے بھی اپنی عمر سے چھوٹے افسران سے جی کتراتے ہیں۔ اور اُن کے خلاف نفرت کے جذبات رکھتے ہیں۔ اُن کو یہ یقین نہیں آتا۔ کہ بھلا ایک چھوٹی عمر کا انسان اُن جیسے تجربات رکھنے والے اشخاص پر اپنی گورنری جتلائے۔ نفسیاتی طور پر اُس کی تہ میں احساس کمتری کام کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ سرمایہ داروں اور کارخانہ داروں کے غرور اور اقتدار کو ختم کرنے کے لئے لیبر پارٹی اور ٹریڈ یونینوں کو مقبولیت حاصل ہوئی۔ جنہوں نے مزدوروں کے اندر احساس برتری کا ردّ عمل شروع ہوا۔ سفید چمڑی والے عوام تو اپنے حقوق حاصل کر کے محفوظ ہو گئے مگر کالی مخلوق اجارہ داروں کے ظلم و ستم کا نشانہ بن گئی

حتیٰ کہ ایک معمولی سے معمولی گورا مزدور بھی کالی مخلوق پر حکم چلاتا ہے۔ چیختا ہے۔ بد کلامی کرتا ہے۔ گویا وہ کارخانہ دار ہے۔ اور کالی مخلوق کا حاکم ہے۔ بلکہ اس بہانے برطانوی سامراج کا کام بہت آسان اور پائیدار بن گیا ہے۔

ملک میں مزدوروں کی اجرتیں زیادہ ہیں۔ بیکاری بھی کم ہے۔ زندگی کی ساری سہولتیں مہیا ہیں۔ مگر پھر بھی گورا اپنی حالت پر مطمئن نہیں۔ وہ ہر وقت شکوہ و شکایت کرتا رہتا ہے اور اُس کی شکایتیں ختم نہیں ہوتیں۔ حالانکہ اُسے اپنی قوم اور حکومت کا شکر گذار ہونا چاہیئے کہ اُس کا معیار زندگی زیادہ بلند ہے مگر وہ پھر بھی اپنے سے اوپر کسی نامعلوم طاقت کے خلاف جنگ میں مصروف ہے۔ انگریز کی اکڑ خانی بھی اُس کی بیوقوفی کی زندہ علامت ہے۔ اور یہی نشانی دیسی صاحب لوگوں میں بھی پائی جاتی ہے انگریز اپنی راتوں کو اپنی بیوی کے لئے محفوظ رکھتا ہے۔ تاکہ رات کے اندھیرے میں اُس کے کان میں باتیں کر سکے۔ دن کے وقت وہ بیوی سے باتیں کرنے سے گھبراتا ہے۔ لیکن وہ دوسری عورتوں کی باتیں سننے کا بہت شوق رکھتا ہے۔ وہ عورتوں سے شرماتا ہے۔ مگر عورتوں کی مجلس میں بیٹھنے کو وہ بہت پسند کرتا ہے۔ اور

اُن کی باتوں کو بھی بہت غور سے سنتا ہے ۔ وہ کھانا چبا کر نہیں کھاتا ۔ بلکہ صاف نگل جاتا ہے ۔ مرغی کی ٹانگ توڑ کر نہیں کھاتا ۔ بلکہ سالم ٹانگ ہی چٹ جاتا ہے ۔ وہ کھانا کھاتے وقت بالکل گونگا دکھائی دیتا ہے ۔ اور باتیں بھی بےہنگم کرتا ہے ۔ مگر کھاتا زیادہ ہے ۔ نیز برابر یہ شکایت کرتا رہتا ہے ۔ کہ اُسے بھوک نہیں ۔ اسی لئے وہ زیادہ کھانا پسند نہیں کرتا ۔ وہ اچھے کھانے کی شناخت نہیں کر سکتا ۔ اور خراب کھانے کو سرے سے پہچانتا ہی نہیں ۔ دونوں قسم کے اچھے یا بُرے کھانے ہڑپ کر جاتا ہے ۔ وہ زیادہ کھانے کے لئے دوسروں کو باتوں میں لگا دیتا ہے ۔ اور چپکے سے تھالیوں کو چاٹ لیتا ہے ۔ کھاتے وقت وہ خاموشی سے اپنا کام کرتا ہے ۔ تاکہ زیادہ کھانے کا موقعہ مل سکے ۔ وہ گھر پر اسی لئے بیوی سے زیادہ بات چیت نہیں کرتا ۔ کھانا کھاتے وقت اپنا منہ اخبار میں چھپا لیتا ہے ۔ گویا اخبار پڑھنے میں مصروف ہے آدھی رات گئے تک بیوی سے بات چیت نہیں کرتا ۔ کبھی کبھار اس سے چنے یا کافی یا ٹافی یا چاکلیٹ یا بوسہ کا مطالبہ کر کے خاموش اپنے آپ سے مگن ہو جاتا ہے ۔ پھر بیوی کو سوتا دیکھ کر خود چپکے سے سو جاتا ہے ۔ اور دوبارہ بیوی کو جگانے کی ضرورت نہیں سمجھتا اور نہ ہی کسی معاملہ کو آگے بڑھاتا ہے ۔ اُسے اپنی بیوی کی عصمت پہ بالکل شک نہیں آتا ۔ بلکہ وہ اپنی بیوی کو ماں کا نعم البدل جانتا ہے ۔ حالانکہ وہ اپنی ماں کو اچھی طرح جانتا تک نہیں ۔ اُسے معلوم ہی نہیں ۔ کہ اُس کی ماں کہاں پیدا ہوئی اور کہاں زندہ موجود ہے ۔ بلکہ اُس نے سرے سے ماں کی چھاتی پہ دودھ ہی نہیں پیا ۔ اسی لئے وہ اپنی بیوی کو ماں سمجھ کر اُس سے گائے کا دودھ منگوا کر پیتا ہے ۔ اپنی بیوی کو ماں کا درجہ دے کر اُسے اپنی بیوی کی عصمت کا پورا اعتبار ہو جاتا ہے ۔ البتہ وہ ہمسایوں پر شک کرتا ہے ۔ کہ وہ ضرور اُس کی عورت پہ بُری نظر رکھتے ہوں گے شاید اُس کی بیوی بھی اُن کے پاس جاتی ہو ۔ وہ خود چوری چپکے ہمسایوں کی بیوی سے بازار میں ملاقات کر لیتا ہے ۔ اور اپنی بیوی کو کسی دوسرے مرد سے بغل گیر ہوتے ہوئے دیکھ کر وہ تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو جاتا ہے ۔ کہ شاید وہ مرد اُس کی بیوی کا بھائی ہو ۔ یا اُس کا سابقہ مالک ہو ۔ جس کے ہاں وہ پہلے ملازمت کر چکی ہے ۔ شاید ہمسایہ یا دوست ہو ۔ جس سے وہ باہمی دوستانہ طریقہ سے مل لیتی ہے ۔ چنانچہ وہ بیوی کو معاف کر دیتا ہے ۔ وہ تو بیوی کے قاتل تک کو معاف کر دیتا ہے ۔ اپنی ماں کے قاتل کو اپنا بھائی سمجھتا ہے ۔ اور اُس سے ہاتھ ملانے کے لئے بے چین رہتا ہے ۔ ایک دن ضرور اُس سے ہاتھ ملا کر تسلی حاصل کر لیتا ہے ۔

وہ اپنی بات کو خود ہی کاٹ ڈالتا ہے۔ اُس کی خاموش فطرت کسی قسم کی سازش قبول نہیں کرتی۔ وہ ہر مخالف رائے کی طرف دھیان دیتا ہے۔ اور اپنی غلطیوں کی اصلاح کرتا ہے یہی وجہ ہے۔ کہ برطانیہ کبھی خونی انقلاب سے دوچار نہیں ہوا لیکن انگریز بہت گھبرایا سا رہتا ہے اُس کے چہرہ پر افسردگی اور اُداسی چھائی رہتی ہے۔ پبلک میں خوف اور ہراس طاری ہے۔ گویا وہ ایک دوسرے سے خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ اسی لئے وہ شراب خانے میں کھلم کھلا باہم شیر و شکر ہو جاتے ہیں۔ تاکہ ایک دوسرے سے غلط فہمیاں دور کر سکیں۔ سارے ملک کی خضر رئیہ پڑھتی ہے۔ کہیں بھی رونق اور چہل پہل دکھائی نہیں دیتی ہے۔ صرف موٹروں کی آواز قیامت کا منظر پیش کرتی ہے۔ اسی لئے ملک کے باشندے اُداس اور غمگین رہتے ہیں۔ ہمارے پاکستانی صاحب لوگ انگریزوں کی تصویروں کو دیکھ کر یہ قیاس کر لیتے ہیں۔ کہ وہ ضرور خوش ہوں گے۔ مگر یہ بناوٹی ہنسی ہوتی ہے۔ جس کا حقیقی خوشی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اسی لئے غیر ملکی سیاح برطانیہ سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں اور پیرس۔ اٹلی یا امریکہ جا کر اطمینان کا سانس لیتے ہیں فرانسیسیوں کا انگریزوں کے بارے میں یہ خیال ہے۔ کہ انگریز قوم خوش مذاقی سے عاری ہے اور کوئی انگریز کسی قسم کی خوش طبعیت گفتگو نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ اپنی اُداسی کو مٹانے کے لئے کچھ نہ کچھ کام کرتے رہتے ہیں۔ بعض اوقات وہ دل بہلانے کے لئے تھیٹر۔ سینما یا پارک میں اپنا وقت صرف کرتے ہیں .... کم گوئی ایک قومی عادت بن چکی ہے۔ پارلیمنٹ میں اُس ممبر کی تعریف کی جاتی ہے۔ جو اچھی طرح تقریر نہ کر سکے۔ اور تقریر کرتے وقت اُس کی زبان میں لکنت پیدا ہو۔ اس کے علاوہ انگریز کسی کی تقریر پر زیادہ دھیان بھی نہیں دیتے۔ مجمع ہو یا جلسہ۔ گھریلو ہو یا ریل گاڑی کا سفر۔ انگریز طبعاً خاموش رہے گا۔ گاڑی کا سفر وہ گھنٹوں خاموش بیٹھ کر کاٹ دیتا ہے۔ اور کسی مسافر سے گفتگو تک نہیں کرتا جب تک اُس سے باقاعدہ تعارف نہ کرایا جائے۔ کلب میں بھی جا کر وہ ایک علیحدہ جگہ بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے۔ کلب میں عام طور پر بہت سے انگریز علیحدہ تنہا کھانا کھاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ایک یورپی فلاسفر نے یہ حالت دیکھ کر کہا۔ کہ انگریز جب بہشت میں جائے گا تو وہاں بھی وہ سب سے علیحدہ ہی رہے گا۔ شاید انگریز دوزخ میں بھی جا کر خاموشی سے آگ میں کود پڑے گا۔ اور اُف تک نہ کرے گا۔ انگریز روتا نہیں۔ اُس کا رونا بھی پھیکا اور سرد ہوتا ہے۔ جس میں جذبات سرے سے پائے ہی نہیں جاتے۔ انگریز اپنے باپ کے مرنے

پر بھی نہیں روتا۔ نہ ہی وہ بھائی کے انتقال پر روتا ہے۔ وہ شیخ چلی کی کہانیاں پڑھنا اور سننا زیادہ پسند کرتا ہے۔ یہی اُس کی قدامت پسندانہ نشانی ہے۔ وہ اپنی گذشتہ تاریخ سے چمٹا رہتا ہے۔ وہ زندگی کو ایک شغلہ جانتا ہے۔ جس میں موت صرف خاموشی اور غیر دلچسپی سے پیدا ہوتی ہے۔ مشرقی مذاہب کی فلاسفی کو انگریز اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا۔ اور نہ ہی اُسے زیادہ سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ کسی خیال کو آسانی سے ماننے کو طیار نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی کسی خیال پر اعتبار کرتا ہے۔ جب تک کسی چیز کی قیمت یا وزن نہ مقرر ہو جائے۔ یا جس سے فائدہ نہ اُٹھایا جا سکے۔ وہ امن چاہتا ہے۔ لیکن ہر وقت جنگی طیاریوں میں مصروف رہتا ہے بلکہ جنگی طیاریوں کو امن کا پیش خیمہ سمجھتا ہے۔ جنگ کو روکنے کے بجائے جنگ کو جاری رکھتا ہے جنگ کے خاتمہ پر دوبارہ جنگی طیاریوں میں مصروف ہو جاتا ہے۔ جس طرح جنگ سے پہلے یا دوران جنگ جنگی طیاریاں کرتا رہا ہے۔ تاکہ آئندہ جنگ کو آسانی سے کامیاب بنایا جا سکے۔ گویا جنگ کو جنگ کے ذریعے ختم کرتا ہے۔ وہ دُنیا کو ایک سلطنت یا نظام کے تحت لانا چاہتا ہے مگر ساری دُنیا میں صرف انگریز نے ہی نسلی منافرت۔ تعصب اور عداوت پھیلا رکھی ہے۔ وہ کالی مخلوق سے نفرت کرتا ہے۔ برطانوی عوام کو کالی مخلوق کا دشمن بنا دیا ہے۔ مگر وہ کالی مخلوق کے بغیر اپنا اقتدار اور تجارت بھی قائم نہیں رکھ سکتا یہی وجہ ہے کہ کالی مخلوق سے اپنے تعلقات بھی قائم رکھتا ہے۔ وہ جس چیز کا پراپیگنڈا کرتا ہے۔ اُس پہ خود ایمان نہیں لاتا۔ بلکہ پراپیگنڈا تو دوسروں کی خاطر کرتا ہے۔ خود اُسی پراپیگنڈا کے اثرات سے محفوظ رہتا ہے وہ عیسائیت کو دُنیا میں پھیلانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا ہے لیکن خود برطانیہ ہی عیسائیت کے نزدیک تک نہیں جاتا۔ وہ سوچنے سے زیادہ نیند پسند کرتا ہے۔ وہ دوستوں سے اس لئے دوستی بڑھاتا ہے۔ تاکہ دوستوں کی دشمنی کو آسانی سے ختم کر سکے۔ اور اُن کو جلد ہی برباد کر ڈالے۔ دشمنوں کو دوست بنا کر اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہے۔ اور اُن کو آسانی سے ختم کر دیتا ہے۔ گویا انگریز کی دوستی بھی دشمنی کا دوسرا نام ہے۔ اور اُس کی دشمنی محض اس لئے ہے۔ کہ وہ اُس دُنیا میں سوائے انگریزی قوم کے کسی اور قوم کو زندہ دیکھنا پسند نہیں کرتا بلکہ جو کوئی زندہ رہنا چاہے۔ انگریز اُسے فوراً غلام بنا ڈالتا ہے یا ختم کر دیتا ہے۔ وہ دشمنوں کی موت سے بھی فائدہ اُٹھاتا ہے۔ گویا اُن کے اچھے اصولوں اور کارناموں کو انگریزیت کا جامہ پہنا کر انگریزی تہذیب میں شامل کر لیتا ہے۔ انگریز لیبر پارٹی کو ووٹ دینے کا وعدہ کرتا ہے

لیکن وہ ٹوری پارٹی کو کامیاب کرتا ہے۔ وہ طبقۂ امرا سے حسد اور نفرت کرتا ہے۔ مگر انسانی حقوق کا محافظ بھی بنتا پھرتا ہے۔ اپنی پارلیمنٹ کا خود انتخاب کرتا ہے۔ لیکن اُسی پارلیمنٹ پر آزادی سے نکتہ چینی بھی کرتا ہے۔ اور ہر نکتہ چینی کرنے والے ممبر پر خوش ہوتا ہے بلکہ نکتہ چینی کرنے والے پر خود نکتہ چینی کرتا ہے ممبران پارلیمنٹ پر وہ اس لئے نکتہ چینی کرتا ہے کہ کوئی اس سے نکتہ چینی کا حق نہ چھین لے اور نہ ہی ملک پر ڈکٹیٹرشپ قائم ہو سکے وہ خود تو ڈکٹیٹر بننا پسند کرتا ہے۔ مگر ڈکٹیٹرشپ کا نفاذ بُرا خیال کرتا ہے۔ وہ ساری دنیا کو جمہوریت کا مذہب سکھاتا ہے۔ مگر خود اپنی نوآبادیات میں جمہوریت کو نافذ ہونے سے روکتا ہے اور نوآبادیات کی لوٹ کھسوٹ اور کمزور کرنے کی پالیسی کی حمایت کرتا ہے۔ گو ملک کا سیاسی مسلک و مذہب جمہوری ہے۔ اور اسی جمہوریت کی حمایت کی جاتی ہے۔ مگر برطانیہ کے اندر جمہوریت کا اثر سے وجود ہی نہیں پایا جاتا۔ انگریز کی پسند یا ناپسند کا آسانی سے پتہ نہیں چل سکتا۔ اُس کی پسند اشتہاری کمپنیاں اور کارخانے پورا کرتے ہیں۔ اور اُس کی مادی ضروریات اُس کی ناپسندیدگی کے باوجود خود بخود پوری کی جاتی ہیں۔ انگریز کی ذاتی پسند خونی صفات رکھتی ہے۔ قتل ڈکیتی۔ چوری۔ زناکاری۔ جوا۔ شراب نوشی سودی کاروبار۔ جنس بازاری۔ دھینگا مشتی اور مکہ بازی وغیرہا یہ سب انگریزی کردار کے اہم جزو بن چکے ہیں۔ گویا وہ ابھی تک اپنی گذشتہ جہالت اور درندگی کے دور میں ہے۔ حیوانی اور خونی جرائم اُس کی سرشت میں ابھی تک موجود ہیں۔ یہی وہ صفات ہیں۔ جو انگریزوں نے پاکستان اور دیگر ممالک میں بھی رائج کئے۔ مشہور مقولہ ہے "مجھے مکہ درست کرنے دو۔"

بہت عرصہ نہیں گذرا کہ برطانیہ میں خاوند کا یہ خاندانی حق تسلیم کیا جاتا تھا۔ کہ وہ اپنی بیوی کو جب چاہے بیچ سکتا تھا۔ کوڑا مارنے کی سزا تو مدتوں رائج رہی۔ اور عورت کو ذریعۂ حرص و ہوس سمجھا جاتا تھا۔ ملزموں کو وحشیانہ سزائیں دینے کا رواج مدتوں جاری رہا۔ گورے اسی لئے بہت شرمیلے اور کم گو ہوئے ہیں کہ وہ مدتوں آہنی ظلم و تشدد کا شکار رہے ہیں! اسی لئے انگریز قوم کے کردار میں عجیب و غریب تضاد پایا جاتا ہے۔ ایک عام انگریز سیاست میں صرف اس قدر دلچسپی رکھتا ہے۔ کہ ووٹ دیئے جائیں اور پارلیمنٹ کے ممبروں پر نکتہ چینی کی جائے۔ اس کے علاوہ اُسے سیاست سے مطلقاً دلچسپی نہیں ہوتی۔ لیکن وہی انگریز بین الاقوامی بہبود کے بارے میں ہر وقت چوکنا رہتا ہے۔ گھر میں اپنے بچوں کو مارتا پیٹتا ہے۔ حتیٰ کہ اُستاد کو بھی بچوں کی

مرمت کرنے کے لئے خفیہ ہدایت دے رکھی ہیں ۔ مگر وہی انگریز باپ ایک کتے کی ٹانگ کو زخمی دیکھ کر بے اختیار رو پڑتا ہے ۔ شاہی خاندان کے افراد کو بُرا سمجھتا ہے لیکن ملکہ یا بادشاہ کے حالات سننے کے لئے بے تاب رہتا ہے ۔ وہ ہمالیہ کی چوٹیوں کو سر کرنے کے لئے نیپال کی تاریخ سے واقف ہوتا ہے ۔ اور چڑھائی کی مہم کے ہر ایک ممبر اور قلیوں تک سے واقفیت حاصل کرتا ہے ۔ مگر اپنے ہمسایہ کے نام تک کو نہیں جانتا ۔ اور نہ ہی اپنے ضلع کی سڑکوں سے ہی واقف ہوتا ہے ۔ مجلس میں بات کرنے سے گھبراہٹ شرماتا ہے ۔ مگر اپنے ملک کے مقررین کا وہ دل و جان سے قدردان ہے ۔ گو دھوپ اور گرمی کو پسند نہیں کرتا ۔ مگر سارا سال آگ کے نزدیک بیٹھ کر گذار دیتا ہے ۔ اور جس دن دھوپ نکلتی ہے ۔ اُس روز چھلانگیں لگاتا ہے ۔ اور بڑا خوش ہوتا ہے ۔ وہ فلسفہ اور منطق سے بہت گھبراتا ہے ۔ اور نہ ہی سنجیدہ مسائل کی طرف زیادہ دھیان دیتا ہے ۔ مگر شراب پی کر فلاسفر بن جاتا ہے ۔ اور مست قلندر ہو جاتا ہے ۔ وہ بچوں کو اپنے نزدیک نہیں آنے دیتا ۔ لیکن اپنے بچپن کے کھیل تماشے بار بار ہر وقت یاد کرتا رہتا ہے انجنیئرنگ اور دوسرے علوم میں دوسری قوموں کے کمالات سن کر اُسے انگریزی کمال کا ایک حصہ سمجھتا ہے ۔ انگریز سنجیدہ مضامین نہ ہی سمجھ سکتے ہیں ۔ اور نہ ہی پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ بلکہ وہ زیادہ تر مسخرہ پن اور کھیل کود کے اخبارات خریدتے ہیں ۔ حالانکہ برطانیہ میں ٹائمز جیسے سنجیدہ اخبار چھپتے ہیں ۔ جن سے غیر ملکی اہل علم فائدہ اٹھاتے ہیں ۔ وہ انگریز جو پاکستان رہ چکے ہیں ۔ وہ پاکستان کی بُرائی کرتے ہیں ۔ لیکن اُن چھاؤنیوں سے وابستہ یادوں کو بڑے شوق سے یاد کرتے ہیں ۔ جہاں وہ زندگی کے بہترین اوقات گزار چکے ہیں انگریز اپنی غلطی کا اعتراف نہیں کرتا چاہے ساری دنیا ہی اُسے کیوں نہ ملامت کرتی پھرے ۔ وہ اپنے اندر خود اعتمادی رکھتا ہے ۔ لہٰذا وہ یہ سمجھتا ہے ۔ کہ وہ غلطی نہیں کر سکتا ۔ اُسے پورا یقین ہے ۔ غلطی صرف اجنبیوں سے ہی سرزد ہوتی ہے ۔ جو اجنبی غلطی نہیں کرتا اُنکے نزدیک وہ ضرور اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ انگریز اُسے مشتبہ نظروں سے دیکھتا ہے ۔ انگریز اپنے ملک میں غلطی نہیں کرتا ۔ لیکن وہ غیر ممالک میں جا کر خوب غلطیاں کرتا ہے ۔ تاکہ اُس کی غلطیوں کی وجہ سے غیر ملکیوں کو نقصان اُٹھانا پڑے ۔ بیوی اپنے خاوند کو انگریز اُس وقت سمجھتی ہے جبکہ اُس کا خاوند صبح سویرے اُٹھ کر ضرور چائے کی پیالی پیئے ۔ اگر خود نہیں بنا سکا ۔ تو بیوی سے تاکیداً چائے کی فرمائش کرتا ہے ۔ پاکستان میں خانساماں لوگ انگریزوں کو اس لئے

انگریز کہتے تھے ۔ کہ وہ چھوٹا حاضری اور بڑی حاضری کھاتے تھے ۔ ولایت میں تو وہ چائے کی پیالی پی کر آنکھ کھولتا ہے ۔ بستر سے اُٹھتے ہی ٹھنڈی چائے غٹ غٹ پی جاتا ہے ۔ اس کے بعد سارا دن وہ چائے پیتا رہتا ہے ۔ کافی ۔ وسکی اور بیر تو چائے کے علاوہ ہیں جنکو کوئی اہمیت نہیں دی جاتی ۔ نہ ہی کسی اور کھانے کو اس قدر اہمیت دی جاتی ہے ۔ جس قدر چائے سے رغبت رکھی جاتی ہے ۔ برطانیہ گو آزادی کا ٹھیکہ دار ہے ۔ لیکن ملک کا ہر ایک شہری اپنے ہمسایہ سے اور خود گھر کے افراد سے خوف اور ڈر محسوس کرتا ہے ۔ اجنبیوں کو تو شک و شبہ سے ضرور دیکھا جاتا ہے ۔ برطانیہ غیر ممالک میں جا کر آزادی کا نعرہ بلند کرتا ہے ۔ لیکن خود برطانیہ میں نہ آزادی ہے اور نہ ہی جمہوریت ۔ ہر ایک کو پیٹ پالنے کی فکر ہے ملک کی ۸۰٪ آبادی آزادی کا مفہوم تک نہیں سمجھتی ۔

۔ انگریز گھر سے باہر جب گاڑی یا بس پر سفر کر رہا ہو ۔ تو وہ اپنے نزدیک بیٹھے ہوئے شرارتی بچوں کے ساتھ بات چیت کرتا ہے ۔ مگر اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے مسافروں سے وہ لا سننے پر بات نہیں کرتا ۔ اور نہ ہی اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھتا ہے ۔ اسی دوران میں کرکٹ ۔ فٹ بال گھوڑ دوڑ یا موسم کے بارے میں کچھ بات چیت چھڑ جائے ۔ تو انگریز خاموش نہیں رہ سکتا اُسی وقت وہ باتوں میں کود پڑتا ہے ۔ اور خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے ۔ بات ختم ہو جانے پر وہ اپنے جوتوں سے بات کرنے لگتا ہے ۔ یعنی اپنا جوتا درست کرکے اُنہیں دیر تک گھورتا ہے ۔ اور اپنے ناک کے رومال سے اُن کو صاف کرتا ہے ۔ فطرتاً انگریز خاموشی پسند طبیعت رکھتا ہے ۔ اور اس عادت سے انگریز کا بھرم آسانی سے نہیں کھل سکتا ۔ اور نہ ہی اس کی بیوقوفی کسی پر ظاہر ہو سکتی ہے ۔ نیز اُس کی جہالت بھی چھپ جاتی ہے ۔ اتفاق سے اگر وہ بات کرنے کے لئے آمادگی ظاہر کرے ۔ تو سوائے اَر ۔ اُر ۔ اِر ۔ اُہ یا یار رے ۔ ری ۔ را کے اور کچھ نہیں کہہ سکتا ۔ گویا انگریز کے پاس الفاظ کا ذخیرہ بہت کم ہے اور اُس کا تہذیبی رشتہ بہت سطحی اور پتلا ہے ۔ البتہ وہ اپنے کتے یا اپنے دوست کی بیوی سے کھلم کھلا آزادی سے باتیں کر سکتا ہے ۔ اگر کتا یا دوست کی بیوی موجود نہ ہوں تو وہ آئینہ میں اپنی ٹائی باندھتے وقت اپنے آپ سے باتیں کرتا ہے ۔ مردوں کے ساتھ وہ سرگوشیوں میں باتیں کرتا ہے ۔ تاکہ غیر ملکی جاسوس یا اجنبی کچھ نہ سمجھ سکیں ۔ شاید سکاٹ لینڈ یارڈ کا جاسوس پاس کھڑا اُن کی باتیں نہ نوٹ کر سکے ۔ لہذا وہ باتوں میں زیادہ محتاط

رہتا ہے۔ وہ شراب پیتے وقت موسم کے بارے میں جی بھر کے باتیں کرتا ہے۔ اور نشے کی حالت میں وہ بیوی کو گالیاں بھی سُناتا ہے۔ اور اپنے باپ کو حرامی بچہ کہتا ہے۔ حالانکہ اُس نے اپنے باپ کو کبھی دیکھا ہی نہیں ہوتا۔ کرسمس کے موقع پر شراب پانی کی طرح بہائی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ بدمست لوگ جب شراب خانوں سے باہر نکلتے ہیں۔ تو وہ اپنی ماں یا بیٹی کو بھی پہچان نہیں سکتے۔ بلکہ خود ماں اپنے بیٹے سے دوستانہ اور غیر دوستانہ طور پر لپٹ جاتی ہے۔ باپ اور بیٹی یکجا ہو جاتے ہیں۔ بہن اور بھائی تو ہمیشہ اکٹھے ہی رہتے ہیں۔ شراب خانوں کا کاروبار بھی تمام سال کے مقابلہ میں کرسمس کے دنوں میں بہت زوروں پر ہوتا ہے۔ گویا سارا سال مذہب کی توہین کرنے کے بعد ایک مذہبی تہوار کو بھی شراب کی ندیوں میں ڈبو دیتے ہیں۔ مذہبی تہوار کی آڑ میں گناہ کا کاروبار بڑھایا جاتا ہے۔ کرسمس گذر جانے کے بعد بیر کا دور شروع ہو جاتا ہے جو سارا سال پانی کی طرح پی جاتی ہے۔ نشے میں بدمست شرابی پاگل کتوں کی طرح سڑکوں پر بے خوف وخطر گھومتے پھرتے ہیں۔ مرد اور عورتیں ایک دوسرے سے پیوستہ مستانہ انداز میں راہگیروں سے مفت میں جھگڑا مول لیتے ہیں اور نشے کی حالت میں ہی جیل خانہ جا پہنچتے ہیں یا مستی کی حالت میں کتا اپنے مالک کے پاس موجود رہتا ہے۔ گویا گوروں کے نزدیک بہترین دوست کتا ہوتا ہے۔ یا گندی نالی۔

برطانیہ میں دیانتداری اس لئے اختیار کی جاتی ہے۔ کہ اس سے دُنیاوی کاروبار میں ترقی ہو سکے۔ اور کاروبار کو نقصان نہ پہنچ سکے۔ بلکہ دیانتداری سے دنیاوی فائدہ پہنچے۔ دیانتداری کو اخلاقی فریضہ نہیں سمجھا جاتا۔ آئرلینڈ والوں پر سب سے زیادہ اعتراض یہ کیا جاتا ہے۔ کہ وہ لوگ اخلاقی حیثیت سے پست ہوتے ہیں۔ گویا انگریز اپنی اخلاقی برتری کا احساس رکھتا ہے۔ حالانکہ اخلاقی طور پر وہ سرد مہر اور خشک مزاج ہوتا ہے۔ وہ اپنے پیشے یا جماعت سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ ایک طبقہ کا فرد دوسرے طبقے کے فرد سے لاتعلق رہتا ہے۔ اسی سے انگریزوں کے اندر رجعت پسندی اور تنگ نظری کے خصائل پیدا ہو گئے ہیں۔ بلکہ غیر ممالک میں بھی جا کر انگریز اپنی رجعت پسندی۔ فرعونیت اور جاہلیت سے پہچانا جاتا ہے۔ اور اُس کی علیحدگی سب کو ناگوار گذرتی ہے۔ برطانیہ سے باہر انگریز اپنے اردگرد ایک چھوٹا سا برطانیہ بنا دیتا ہے اور ساری دُنیا کی سہولتیں اپنے لئے مہیا کرتا ہے۔ تاکہ اس کی خلوت پسندی اور انگریزیت

میں فرق نہ آنے پائے ۔ بلکہ وہ اپنی دُنیا میں ہی مگن رہتا ہے۔ نوآبادیات کی لوٹ کھسوٹ اور کالی مخلوق پر ناجائز قبضہ انگریز نے اپنے فوائد کی خاطر ہی روا رکھا۔ اُس کی گفتگو کا عام موضوع موسم کی تبدیلیاں یا کھیل تماشوں کے بارے میں ہی ہے ۔ موسم کا ردّ و بدل گپ شپ کا بہترین موضوع ہوتا ہے ۔ بی بی سی سے موسم کا پروگرام بڑے اشتیاق سے سنا جاتا ہے ۔ اور ساری خبروں سے زیادہ اہم خبریں ہمیشہ موسم کے بارے میں ہی ہوتی ہیں عام طور پر ہر جگہ انگریز مرد اور عورتیں خاموش اور مردہ نظر آتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں پاکستان کے اندر ایک ہنگامہ مچ جاتا ہے اچھی طرح سے ایک دوسرے کی بات بھی نہیں سُنی جا سکتی پاکستانی گاڑی اسٹیشن پر پہنچ جائے ۔ تو گاڑی سے نیچے اُترنے یا گاڑی پر چڑھنے کے لئے پہلوانی کرنی پڑتی ہے ۔ اور ایسا دھکم دھکا ہوتا ہے ۔ کہ کمزور مسافر کو اپنی جان بچانی مشکل ہو جاتی ہے۔ زیادہ چست مسافر تو گاڑی کی چھت پر سوار ہو جاتے ہیں ۔ یا گاڑی کے ساتھ ہی لٹک جاتے ہیں یا دوسری گاڑی کے انتظار میں حیران و پریشان بیٹھے سفر کا وقت پلیٹ فارم پر ہی گذار دیتے ہیں ۔ دوسری گاڑی میں اتفاقاً جگہ مل بھی جائے ۔ تو مسافر کسی کی گردن پر بیٹھ جاتے ہیں ۔ یا کسی کی ٹانگ توڑ ڈالتے ہیں ۔ غرضیکہ ایک قیامت کا منظر ہوتا ہے ۔ پھر گاڑی کے اندر طرح طرح کے افسانے سننے میں آتے ہیں ۔ جو اچھی طرح سُنے بھی نہیں جا سکتے ۔ کیونکہ بات چیت کے دوران کوئی روتا ہے ۔ کوئی ہنستا ہے ۔ کوئی زور زور سے چلاتا ہے ۔ کوئی جھگڑتا ہے ۔ کوئی باجہ بجاتا ہے ۔ بہت سے گانا شروع کر دیتے ہیں ۔ اور گانا سننے والے شور مچانے والوں کو خاموش کرنے کے لئے خود شور مچانا شروع کر دیتے ہیں ۔ جو زیادہ خاموش طبع ہوتے ہیں ۔ وہ حقہ یا سگریٹ پیتے ہیں ۔ زیادہ باتونی حضرات اپنے کاروبار یا گھر باہر کے حالات اپنے ہمراہیوں کو سناتے ہیں ۔ مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہیں ۔ بعض دفعہ سامان بھی اوپر سے کسی کے سر پر آ گرتا ہے ۔ جس سے ایک آدھ مسافر زخمی بھی ہو جاتا ہے ۔ اس پر چند گھڑیوں کے لئے دوبارہ ایک اور ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے ۔ تو تو میں میں شروع ہوتی ہے ۔ اتنے میں گاڑی اگلے اسٹیشن پر پہنچ جاتی ہے ۔ اُس وقت زور شور سے گاڑی سے نیچے اُترنے کے لئے مسافر دوڑتے ہیں ۔ اور پلیٹ فارم سے گاڑی کی کھڑکیوں سے مسافر اپنا سامان ڈبے کے اندر پھینکتے ہیں اور خود بھی کھڑکیوں سے اندر داخل ہوتے ہیں ۔ شور مچایا جاتا ہے گالی گلوچ کی نوبت آتی ہے ۔ مار کٹائی ۔ پکڑ دھکڑ شروع ہوتی ہے ۔ غل غپاڑہ مچ جاتا ہے ۔ مگر کون پرواہ کرتا ہے

نفسا نفسی کا ایک عالم چند گھڑیوں کے لئے نظر آتا ہے - چور اور گرہ کٹ بھی برابر اپنے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں - کسی عورت کا کان اُڑ جاتا ہے - کسی بچے کا ناک ہی غائب ہو جاتا ہے کسی کی جیب خالی ہو جاتی ہے - کسی کا ٹکٹ گم ہو جاتا ہے - غرضیکہ گاڑی کا سفر قیامت کا منظر پیش کرتا ہے - بس کے سفر میں صرف اڈے پر ہی شور ہوتا ہے - کم از کم ہر ایک کو اطمینان سے جگہ مل جاتی ہے - گو ایک سواری کے انتظار میں مسافروں کو گھنٹوں اڈے پہ انتظار کرنا پڑتا ہے راستے بھر بھی کئی مقامات پر بس ٹھہرائی جاتی ہے - برطانیہ میں گاڑی یا بس کا سفر بہت ہی پرسکون اور آرام دہ ہوتا ہے - کوئی شور فساد نہیں ہوتا - نہ ہی کسی قسم کی ہنگامہ آرائی نظر آتی ہے - حتیٰ کہ اونچی آواز تک سنائی نہیں دیتی - ہر ایک مسافر اپنی اپنی جگہ پہ محفوظ بیٹھا ہوتا ہے - یا اپنے ہمراہی سے کانا پھوسی میں مصروف ہوتا ہے - گویا وہ چیونٹی سے مقابلہ کرتا ہے اور چیونٹی کی طرح سارا کام بڑی خوش اسلوبی اور سلیقہ سے سرانجام پاتا ہے - اور سارا سفر بخیریت گذر جاتا ہے - اور کوئی بھی شکایت تک نہیں کرنے پاتا - یہی حالت روزمرہ کے کاروبار کی ہے - دوکانوں میں آدمیوں کا مجمع ہو یا بازاروں میں خریداروں کا ہجوم ہو مطلقاً شور و فساد یا دھینگا مشتی نہیں ہوتی - سارا لین دین یا خرید و فروخت بڑے آرام اور سکون سے طے ہوتا ہے - زیادہ بات چیت کی ضرورت ہی نہیں پڑتی - آزادانہ گپ شپ کے لئے ریسٹورنٹ یا میکدے کئے ہیں - جہاں بیر یا دیگر مشروبات کے ہمراہ دل کھول کر باتیں کی جاتی ہیں - کلب تو خاموش ماحول کے لئے مخصوص ہوتے ہیں - گویا وہ زندوں کے قبرستان نظر آتے ہیں - جہاں مطلقاً کوئی بھی ایک دوسرے سے سروکار نہیں رکھتا - اور ذرا بھر آواز سنائی نہیں دیتی - علیٰ ہذا القیاس یہی حال انگریزوں کے ہر معاملات میں نظر آتا ہے گاڑی کا سفر تو گویا گھریلو معاملہ بن گیا ہے - ہمارے ملک کے گاڑی یا بس کنڈکٹر مسافروں کو دھکا مار مار کر گاڑی میں بٹھاتے ہیں - اور اسی طرح دھکے مار مار کر گاڑی سے باہر نکالتے ہیں - عام طور پہ گالی گلوچ سے زیادہ کام لیا جاتا ہے - مسافر اپنا دماغی توازن کھو بیٹھتا ہے پاکستانی ڈرائیور تو زیادہ تر قاتل ہوتے ہیں - وہ مسافروں کو اپنی گاڑی سے قتل کرنے کے بعد ہنسی خوشی نزدیک کے ہوٹل میں کھانا کھانے کے لئے چلے جاتے ہیں - گویا کچھ ہوا ہی نہیں - وہ ایک منٹ کے لئے محسوس نہیں کرتے - کہ انسانی جان کو بچانا بھی قومی اور انسانی فرض ہے - وہ ٹریفک کے حادثات کو کچھ اہمیت نہیں دیتے پاکستان میں گاڑی کا سفر خطرے کا ایک کھیل ہے - گویا ایک ٹکٹ

میں دومزے ہیں۔ مسافر طرح طرح کی باتیں سنتا ہے۔ شور وفساد کا ایبرسل بھی دیکھ لیتا ہے۔ سفر کے وقت کا کوئی استعمال نہیں ہوتا۔ صرف بات میں بات پیدا کی جاتی ہے۔ ان پڑھ سے ان پڑھ شخص عالم فاضل بن جاتا ہے۔ ہر ایک موضوع پر بحث ہوتی ہے مذہبی مسائل پر زور شور سے جھڑپیں ہوتی ہیں۔ کہ خدا بھی کانپ اُٹھتا ہے۔ مذہبی جوش وخروش میں آکر ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالا جاتا ہے۔ ذاتیات پر حملے کئے جاتے ہیں۔ ہاتھا پائی تک نوبت آجاتی ہے۔ تاکہ مذہبی فریضہ ادا کیا جا سکے۔ مذہب سے ہٹ کر سیاست کا موضوع بھی خاص دلچسپی پیدا کرتا ہے غلام محمد کو گالیاں دی جاتی ہیں۔ لیاقت کے قتل پر افسوس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد سیاسی لیڈروں کی خود غرضی اور ریشہ دوانیوں کا ذکر آجاتا ہے۔ مسلم لیگ کے عروج اور زوال کی کہانی بیان کی جاتی ہے۔ کس طرح مسلم لیگ اپنا تاریخی مشن چھوڑ کر چند خود غرض لیڈروں کے ہاتھ میں پڑ کر حکومت کی لونڈی بن گئی۔ اور عوامی جذبات سے کنارہ کش ہو کر قومی حکومت کو جاہ طلب افراد کے ہاتھوں میں فروخت کر دیا۔ اسکندر مرزا کے بارے میں جب ذکر شروع ہوتا ہے۔ تو ہر ایک اُسے گالیاں دینے لگتا ہے۔ پھر فوجی انقلاب کا ضمناً ذکر آجاتا ہے۔ اور ہر ایک یہ کہنے لگتا ہے۔ کہ اچھا ہوا۔ گومگو کی حالت ختم ہو گئی۔ اب تو کچھ نہ کچھ کام ہو کر رہے گا گویا مذہب کے ساتھ سیاست بھی مسافروں کا دلچسپ موضوع بن جاتا ہے۔ اور اس میں تمام مسافر برابر کا حصہ لیتے ہیں۔ اور اپنے اپنے پسندیدہ اخبارات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ کوئی بچہ سقہ کا ذکر چھیڑ دیتا ہے۔ امان اللہ مرحوم کے بارے میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہوتی ہیں۔ کاش! آج امان اللہ خاں زندہ ہوتے تو ضرور ترکی۔ ایران۔ افغانستان۔ پاکستان اور کشمیر کو ملا کر ایک اسلامی ریاست پاکیشیا قائم کر ڈالتے۔ گویا دولت مشترکہ اسلامیہ کے قیام سے ہی مسلمانوں کی طاقت میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ بہت سے مسافر نہرو کو اسلام کا سب سے بڑا دشمن خیال کرتے ہیں چنانچہ یہ تمام بحث ہندوؤں کی اسلام دشمنی اور مسلمان کی اندرونی کمزوری پر ختم ہو جاتی اس ساری بحث کے دوران میں گاڑی کا ڈبہ گنڈیریوں یا مالٹے اور کیلوں کے چھلکوں سے غلیظ کر دیا جاتا اور کسی کو یہ خیال نہیں آتا۔ کہ گندگی اور غلاظت پھیلانے سے بھی قومی دماغ کمزور پڑ سکتا ہے۔ اور جمہوریت کی مٹی پلید ہو سکتی ہے۔ یا خاموشی سے سفر طے کرنے سے بھی ملک میں امن و امان قائم رہ سکتا ہے۔ اور پاکستان کو اس چیز کی سب سے بڑی ضرورت ہے مگر سفر کا زیادہ وقت حکومت کی نااہلی کی شکایت کرنے میں کٹ جاتا ہے۔ حالانکہ اُن کو اپنی

نااہلی اور بیہودگی بالکل نظر نہیں آتی - جو پاکستان کے لئے سب سے بڑھ کر خطرناک ہوتی ہیں
برطانیہ میں ہر ایک انگریز اپنے آپ کو ملک کا وزیر اعظم سمجھتا ہے - گو ملک کی آزادی کا خوب ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے - مگر سیاست صرف امیروں کا کھیل تماشہ ہے - جس میں عوام کوئی بھی دلچسپی نہیں رکھتے - عوام مذہب اور سیاست کے بارے میں قطعاً لاعلم ہوتے ہیں - وہ پیٹ بھرنے کے علاوہ اور کچھ جانتے ہی نہیں - ہمارے ملک کے عوام بہت باخبر اور ہوشیار ہیں اور ہر ایک معاملہ میں وہ دلچسپی رکھتے ہیں - انگریزوں کی غلامی نے اُن کی ہوشیاری کو بھی ناکارہ بنا دیا

گویا ہماری مجلسی کمزوریوں کا اصلی سبب برطانیہ کا غیر انسانی قبضہ اور اسلام دشمن پالیسی ہے - اور ہمارے ملک میں تمام خرابیوں اور مظالم کی ابتدا برطانوی اقتدار سے شروع ہوتی ہے - اور انگریز ہی ان تمام تکالیف اور مصائب کا ذمہ دار ہے - انگریز تو چلا گیا - مگر نقلی انگریز ابھی تک موجود ہے - جو انگریزی شیطان کا سب سے بڑا ایجنٹ ہے - اور انگریز کی بادشاہت شیطان کی بادشاہت میں بدل گئی ہے - ہانگ کانگ کی ایک چھوٹی سی بستی کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے - جہاں لاکھوں چینی کم اُجرت پر دن رات کام کرتے ہیں - جس سے لاتعداد چینی مزدور تپدق اور دوسری مہلک امراض کا شکار ہو کر مر جاتے ہیں خود انگریزی ڈاکٹر اور نرسیں یہ چینی مریضوں کو اس قسم کے مہلک اور زہریلے ٹیکے لگاتی ہیں کہ چینیوں کی آبادی بہت جلد ختم کر دی جائے - چینیوں کی موت کا کوئی حساب نہیں - اور اور انگریز کو جو نفع ملتا ہے - وہ بھی بے شمار ہے - ہانگ کانگ کی دولت سے برطانوی کنجریاں اپنے سرخی پوڈر اور عیاشی کا خرچ پورا کرتی ہیں - اسی طرح دوسری نو آبادیات اور تازہ دم آزاد ممالک کا بھی یہی حال ہے - جن پر برطانیہ کا منحوس سایہ رہا - ان مقامات میں سوائے جہالت - بدنظمی - نااہلیت - افلاس - بھوک - بیماری - تنگدستی - جنبہ داری - فساد خاندانی عداوتیں - زنا - حرامکاری - ڈاکہ زنی - قتل وغیرہ یہ تمام چیزیں انگریزی اقتدار کے انعامات ہیں - چین کو برطانیہ نے زبردستی افیونی بنایا - اور افیون کی تجارت سے خود فائدہ اٹھایا - یہ ایک تاریخی حادثہ ہے - جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا - مختلف نوآبادیات اور نئے آزاد شدہ ممالک میں بھی چند باوردی فوجی افسروں کی موجودگی یا نئے کارخانوں کا قیام ٹھیکہ داری اور تاجرانہ رونق بازاری اور کوٹ پتلون سے ملبوس مغرب زدہ مفلس کلرکوں کی بہتات سے اُن ممالک کی آزادی اور خوشحالی کا اندازہ لگانا عین مذاق ہے

اور عوامی جذبات سے کھیلنے کے برابر ہے۔ پاکستان کی عام آبادی پر اگر نظر ڈالی جائے تو سوائے غربت اور افلاس کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ بلکہ عوام کے مصائب میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہو رہی ہے یہ انگریزی سیاست اور اجارہ داری کا کمال ہے۔ جس کی پشت پر اب امریکی سرمایہ دار بھی آ بیٹھا ہے پس ماندہ اقوام کو جو امداد بھی دی جاتی ہے۔ وہ دو گنی قیمت پر وصول کی جاتی ہے۔ گویا کوئی دیمک یا سفید لکڑی اُن کو چاٹ گئی ہے۔ یا کوئی آسمانی بلا اُن پر نازل ہو چکی ہے۔ لہلاتے کھیت بنجر ہو گئے ہیں۔ خوشحال خاندان اور آباد شہر زندہ قبرستان بن چکے ہیں۔ تجارتی گرم بازاری بھی محض برطانوی اجارہ داروں کی پرورش سے قائم ہے۔ ملک کا قیمتی اور نایاب زرمبادلہ برطانیہ اور امریکہ کے حوالے کیا جاتا ہے۔ جو سفید کنجریاں خرچ کرتی ہیں۔ مگر پاکستانی عوام کو محروم رکھا جاتا ہے۔ انگریزی سیاست کا کمال یہ ہے۔ کہ یہ سارے سامراجی کھیل خود نفلی انگریز کھیلتے ہیں اور فائدہ برطانیہ اٹھاتا ہے۔ انگریز کی عیاری اور شیطانیت بہت کم لوگوں کو نظر آتی ہے۔ میٹھی دشمنی اور خفیہ بیوپار کوئی انگریز سے سیکھے سے

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

دراصل برطانیہ ہی تمام شرارتوں اور جرائم کا منبع ہے۔ گو وہ تہذیب و تمدن کا لباس اوڑھے ہوئے ہے۔ لیکن یہ اپنی شرارتوں کو چھپانے اور ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنے کا ایک مفید بہانہ ہے۔ برطانیہ نے اسلحہ سازی کی صنعت کو فروغ دے کر دنیا میں جنگوں کا آغاز کیا۔ کالی مخلوق کو غلام بنایا اور اُن کو برباد کر ڈالا۔ حتیٰ کہ اُن کی ہڈیاں تک نچوڑ لیں۔ جن ممالک میں کسی وقت خوشحالی اور امن و امان کا دور دورہ تھا۔ آج برطانیہ کے طفیل وہاں نحوست برستی ہے۔ اور اُن ممالک کی خوش حالی ختم ہو چکی ہے۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کا دشمن بنا ہوا ہے۔ گھر کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی ہے ایک طبقہ دوسرے طبقے سے بغض و عداوت رکھتا ہے۔ اور جانی دشمن بنا ہوا ہے۔ عداوتوں اور ریشہ دوانیوں کا عام چرچا ہے۔ جن ممالک میں دن رات عوام اپنا وقت ذکر خدا اور یاد الٰہی میں گذار دیتے تھے۔ تہذیب و تمدن۔ شرافت۔ مہمان نوازی۔ خوش خلقی۔ رواداری۔ ادب لحاظ اور خوش اخلاقی گھر گھر پائی جاتی تھی۔ وہاں برطانیہ کی بدولت ہر طرف جہالت اور درندگی کے سوائے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ انسانیت ایک دوسرے کا منہ نوچتی ہے۔ بدمعاشی اور بداخلاقی کی وبائیں پھوٹ پڑی ہیں۔ حادثات بڑھ چکے ہیں۔ قتل و غارت اور قانون شکنی زوروں

رہ ہے۔ آزادی محض ایک بیکار اور لایعنی کھلونا اور مذاق بن چکی ہے۔ مجبور اور بے کس انسانوں کی فریادیں ہر طرف سنائی دیتی ہیں۔ اور اقتدار پرستی کی جنگ نے عوام کی زندگی کو پریشان کر رکھا ہے۔ لوگوں کو ایک وقت کا کھانا تک نصیب نہیں ہوتا۔ بھوک اور افلاس فضا میں لٹکتی ہے۔ مشرقی تہذیب و تمدن اور مذہب و اخلاق کی مٹی پلید ہو چکی ہے۔ شیطان کی حکومت قائم ہے۔ لیکن برطانیہ بھی اپنے گناہوں سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ برطانوی عوام جرائم پیشہ ہو چکے ہیں۔ کوڑھی اور اپاہجوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ مریضوں سے ہسپتال بھرے پڑے ہیں۔ خطرناک امراض عام پھیلے ہوئے ہیں۔ جیلخانوں میں تل دھرنے کو جگہ نہیں رہی۔ ہر ایک گھر پاگل خانہ بنا ہوا ہے۔ خود غرضی اور لالچ اس قدر بڑھ چکی ہے۔ کہ الامان! الحفیظ! عورتیں آوارہ اور پراگندہ خصلت بن چکی ہیں۔ نوجوان نسل قانون شکنی پر اتر آئی ہے۔ بے حیائی اور بداخلاقی کا دور دورہ ہے۔ گویا برطانیہ خود اپنی تہذیب کے ہاتھوں زخمی ہو چکا ہے۔ اور شیطان کا سب سے بڑا اڈا بن گیا ہے۔ ملک کا عام ماحول بہت گھناؤنا اور خطرناک طور پر پراگندہ ہے۔ "تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی۔" اقبال کی یہ پیش گوئی پوری ہو چکی ہے۔ گو مذہبی آزادی ہے مگر مذہبی ڈسپلن سرے سے موجود نہیں۔ حتیٰ کہ مذہبی فرقے بھی آپس میں کسی مذہبی رواداری سے کام نہیں لیتے۔ برطانوی آبادی تنہائی کی بیماری میں بُری طرح مبتلا ہے۔ کوئی ایک دوسرے کا غمگسار یا یار و مددگار نہیں۔ دوستی کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔ ایک خاندان کے افراد بھی آپس میں جدا جدا رہنا پسند کرتے ہیں۔ اور ایک دوسرے پر اعتبار نہیں کرتے۔ انگریز اپنی حکمت پسندی کے باعث اپنے مکان کو ہی محل سمجھتا ہے۔ لیکن اس سے دوزخ کی زندگی زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے۔ انگریز اپنے محل میں کسی مسافر یا اجنبی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا نہ ہی کسی کو بطور مہمان مدعو کرتا ہے۔ وہ اپنے ہمسایوں سے بہت کم بات چیت کرتا ہے۔ وہ صرف غسل خانے میں اپنے آپ سے باتیں کرتا ہے۔ اور زور زور سے قہقہے لگاتا ہے۔ گویا کوئی پاگل ناچ رہا ہے۔ مرد اپنی بیویوں کے ساتھ بات چیت بہت مختصر رکھتے ہیں۔ بلکہ بات تو اس وقت کرتے ہیں۔ جب اخبار پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ اس وقت مرد اخبار پڑھتا ہے عورتیں باتیں کرتی ہیں۔ یعنی اخبار کا پڑھنا اور عورتوں سے باتیں کرنا دونوں کا ایک مطلب سمجھا جاتا ہے۔ عورتیں چونکہ کند ذہن اور جاہل ہوتی ہیں۔ لہذا اُن سے باتیں کرنے کے

بجائے اخبار پڑھنا ہی بہتر خیال کیا جاتا ہے۔ جب خواتین بات ختم کر دیتی ہیں۔ تو مرد اخبار کو ختم کر کے سیدھا باغ میں چلا جاتا ہے۔ انگریزی قوم کے بارے میں یہ عام طور پر مشہور ہے۔ کہ وہ مزاح اور بذلہ سنجی کی عادات رکھتی ہے۔ حتیٰ کہ ہٹلر کو بھی یقین ہو چکا تھا۔ کہ انگریز کا مزاحی کردار قابل تعریف ہے۔ لیکن یہ سراسر غلط فہمی ہے۔ انگریز کبھی بھی مزاحیہ نہیں رہا۔ وہ مسخرہ ضرور کہلاتا ہے۔ لیکن بذلہ سنج نہیں ہوتا۔ انگریز کی فطرت میں ہملٹ کی بُرائیاں تو موجود ہیں۔ اُس کی خوبیاں بالکل نہیں پائی جاتیں۔ برنارڈ شاہ نے بذلہ سنجی کا سبق انگریزوں کو پڑھایا شاہ انگریز نہ تھا۔ اس لئے ساری عمر وہ انگریزوں سے مذاق کرتا رہا اور اُن کے بھونڈے مسخرہ پن کو بہت بُرا اور مکروہ خیال کرتا تھا۔

انگریز جو وعدہ کرتا ہے۔ اُسے یاد نہیں رکھتا۔ بلکہ بہت جلد بھول جاتا ہے۔ اور شکریہ بھی اُس وقت ادا کرتا ہے۔ جب اُسے اپنا مطلب نکالنا ہو۔ شکریہ ادا کرنے کے بجائے اپنے شرمیلا پن کو ظاہر کرتا ہے۔ شادی کے معاملہ میں بھی گورا بہت شرمیلا ہوتا ہے۔ وہ عورت کے حکم پر چلنے کے لئے طیار ہو جاتا ہے۔ یہودی دوکاندار انگریز کے شرمیلا پن سے خوب فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ وہ مختلف اشیا پر زیادہ سے زیادہ قیمتیں لگا کر کھڑکی میں بطور نمائش رکھ دیتے ہیں۔ تاکہ شرمیلا گورا خود بخود اُن اشیا کا انتخاب کر سکے۔ اور خریداری کے لئے دوکان کے اندر فوراً چلا آئے۔ اور اپنی پسندیدہ چیز کے ہمراہ دام ادا کر کے دُکان سے بھاگ سکے برطانیہ کو دوکانداروں کا ملک کہا جاتا ہے۔ حالانکہ برطانیہ سرمایہ داروں کا ملک ہے۔ چھوٹے دوکاندار رفتہ رفتہ ختم ہو رہے ہیں۔ اور جو باقی رہ چکے ہیں۔ وہ بھی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بمشکل گذارہ کرتے ہیں۔ چھوٹے دکاندار زیادہ تر مستعد اور محنتی ہوتے ہیں۔ بڑی دوکانوں پر جو ملازم رکھے جاتے ہیں۔ وہ اپنی تنخواہ سے غرض رکھتے ہیں۔ گاہک خود ہی چیزوں کا انتخاب کر کے مقررہ قیمت ادا کر کے دوکان سے رخصت ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات ان ملازمین کی غفلت سے چوری کی وارداتیں بھی سرزد ہو جاتی ہیں۔ ان بڑی دوکانوں پر نوجوان چھوکریاں ملازم رکھی جاتی ہیں۔ یہ اپنا زیادہ وقت ہار سنگار میں صرف کرتی ہیں۔ یا اپنے پسندیدہ رسالہ کے مطالعہ میں مصروف رہتی ہیں۔ سرمایہ داری خود بخود روپیہ پیدا کرتی ہے یہ انگریزوں کی لیاقت پر منحصر نہیں۔ عام انگریز ہمارے ملک کے باشندوں کی طرح زیادہ ذہین نہیں ہوتے۔ نہ ہی وہ علمی اور تہذیبی حیثیت سے مہذب کہلائے جا سکتے ہیں۔ پھر

اُن کو ایسی تربیت حاصل نہیں ہوتی۔ جس طرح ہمارے ملک کے مذہبی ماحول میں جاری تھی بہت سے انگریز بچے بن باپ پیدا ہوتے ہیں۔ وہ اپنے باپ کا پتہ ونشان صحیح صحیح طور پر نہیں بتا سکتے۔ بلکہ شفقت مادری سے ہی محروم رہتے ہیں۔ اسی لئے وہ آسانی سے حضرت مسیح کے بن باپ پیدا ہونے پر ایمان لے آتے ہیں۔ اور آسمانی باپ کی منطق کو اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں۔ بہت سے ہوشیار بچے ماں باپ کے چکر میں پڑتے ہی نہیں۔ بڑے ہو کر ڈبل۔ روٹی پنیر۔ مکھن۔ ٹیلی ویژن اور کھیل کود وغیرہ کو ہی زندگی کا مقصد سمجھ لیتے ہیں۔ وہ زندگی کے مابعد الطبعیاتی مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ تقسیم کار نے ہر ایک انسان کو مشین کا ایک پرزہ بنا دیا ہے۔ کارخانوں میں زیادہ وقت صرف کرنے سے تہذیبی مشاغل کی طرف توجہ دینے کا دھیان تک نہیں آتا۔ اسی لئے ملک میں جاہلیت کے کھنڈرات ابھی تک دکھائی دیتے ہیں۔ یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ فلاں انڈسٹری کی کمی کو پورا کرنے کے لئے کیا کچھ تعلیمی انتظامات درکار ہیں۔ یونیورسٹیاں اس مشینی ضرورت کو پورا کرتی ہیں۔ گورنمنٹ نے ملک سے جاہلیت کے اثرات ختم کرنے کے لئے کچھ تہذیبی سہولتیں مہیا کر رکھی ہیں۔ لیکن معاملہ وہی ہے

مردِ ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

ملک بھر میں نفسا نفسی کا ایک عالم ہے۔ ملک کے طبقاتی گروہ اس قدر آپس میں بٹے ہوئے ہیں۔ کہ وہ ایک دوسرے سے رابطہ رکھنا پسند ہی نہیں کرتے۔ عوام مجلسی طور پر متحرک ہیں۔ وہ اپنی مطلب برآری کے لئے جائز اور ناجائز کے اخلاقی تصور سے قطعاً آشنا نہیں وہ خیالی اور روحانی چیزوں میں بھی نہیں پڑتے۔ بلکہ اُنہوں نے عیسائیت تک کو مسخ کر ڈالا ہے۔ مذہب صرف اتوار یا کرسمس کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ تاکہ فرصت کے وقت اُسے ایک مجلسی شغلہ کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ سچ اور جھوٹ میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ ایک چیز ایک وقت سچ بھی ہو سکتی ہے اور جھوٹ بھی۔ یعنی سچ اور جھوٹ کا کوئی اخلاقی فرق نہیں سمجھا جاتا۔ کوئی سچی چیز ناقابل برداشت بن گئی۔ تو اُسے ترک کر دیا جاتا ہے اور جھوٹ مفید مطلب نکل آیا۔ تو اختیار کیا جاتا ہے۔ اور جو چیزیں ظاہرا جھوٹ نظر آئیں۔ اُن پر سچائی کا پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔ تاکہ جھوٹ بھی سچ دکھائی دے۔ اور اس معجون مرکب کا نام پالیسی رکھ دیا جاتا ہے۔ اور اسی طرح سچائی کے مذہبی تصور کو ہی ختم

کر دیا گیا ہے۔ سچائی سے اگر کام نہ بن سکے تو اُن کے نزدیک سچائی برائے سچائی کچھ مطلب نہیں رکھتی اور اُس میں موقع محل کے مطابق ردّ و بدل یا تبدیلی کی جاتی ہے۔ اور اس میں ذرا بھر ہچکچاہٹ نہیں کی جاتی۔

برطانوی پولیس کے بارے میں یہ بھی شکایت سننے میں آتی ہے۔ کہ یہ قاتل کو قتل کرنے سے نہیں روکتی۔ بلکہ قتل کے وقت کھڑے کھڑے تماشے دیکھتی ہے۔ دوران قتل بالکل دخل انداز نہیں ہوتی۔ جائے واردات پر وہ ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ جا کر تفتیش کرتی ہے۔ دنگہ فساد کے دوران میں مجرم آزادی کے ساتھ اپنا کام کرتا ہے۔ اور پولیس اُسے گھور گھور کر دیکھتی ہے اور کچھ پرواہ نہیں کر سکتا۔ گویا برطانیہ کے مجرم بھی پولیس کے لاڈلے بچے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جرم کی آگ تیزی سے بھڑک رہی ہے۔ اور اس میں کمی کا کوئی امکان نہیں۔ لیکن کسی جائیداد کو آگ لگ جائے۔ تو فوراً آگ بجھا دی جاتی ہے۔ بلکہ آگ کا خطرہ کم کرنے کے لئے بیمہ کمپنیاں موجود ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے۔ کہ برطانیہ پر بیمہ کمپنیوں کی حکومت ہے۔ اس قوم کی سب سے بڑائی یہ ہے۔ کہ لوگ قاتل ہیں۔ انسانوں کو قتل کرنا معمولی بات سمجھتے ہیں۔ یعنی قوم کا خمیر قاتلانہ اور مجرمانہ ہے۔ اسی لئے برطانیہ نے ہی اسلحہ سازی کی صنعت میں ترقی کی اور سب سے زیادہ لڑائیاں لڑیں۔ برطانیہ کی تاریخ بھی اس بات کا ثبوت پیش کرتی ہے۔ اگر دو بادشاہ ایک دعوت پر بلائے جاتے تو کھانا ختم کرنے کے بعد وہ ایک دوسرے سے لڑائی شروع کر دیا کرتے تھے۔ گویا وہ ایک دوسرے کو قتل کرنا ضروری خیال کرتے تھے۔ اور اُسے ایک معمولی مذاق یا تفریح تصور کیا جاتا تھا۔ اور ہر ایک خوشی خوشی اس قاتلانہ تفریح میں شامل ہو جاتا۔ ایک دوسرے کے پیٹ میں تلوار گھونپی جاتی۔ اگر کوئی بھی لڑائی پر آمادہ نظر نہ آتا۔ تو کسی بیل سے لڑنا شروع کر دیتے تھے۔ اور بیل کے سینگوں سے بڑی طرح زخمی ہو کر بیہوش ہو جاتے یا مر جاتے۔ کبھی دو گھوڑوں کو کھڑا دیکھا۔ تو ان دونوں کو گردنوں سے پکڑ کر اُن کے سروں کو آپس میں زور سے ٹکراتے۔ کہ دونوں گھوڑے اُسی وقت مر جاتے۔ کمزور گھوڑوں کو تو مار مار کر ادھ موا کر دیتے تھے۔ کسان اپنی خوشی اسی میں سمجھتے۔ کہ کسی بادشاہ کو دعوت پر بلا کر اُس کے پیٹ میں چھرا گھونپ دے اور بادشاہ بھی اسی تاک میں رہتا۔ کہ دوسرے بادشاہوں کو دعوت پر بلا کر اُن کو کسی بہانے کھانے کے کمرے میں بند کر کے اُن

کو آگ لگا کر تماشہ دیکھے۔ یا ان کو شراب پلا پلا کر مدہوش کر دیا جاتا تھا۔ اور ان کے ہمراہ خود بھی مدہوش ہو جاتے اور جس کو پہلے ہوش آتا۔ وہ دوسرے کو قتل کر ڈالتا۔ یا آخر دریا میں جا کر چھلانگ مار کر مر جاتا یا کسی نزدیک پہاڑی سے گر کر ہلاک ہو جاتا بستر پہ مرنا بُرا خیال کیا جاتا تھا۔ اور بڑھاپے سے نفرت کی جاتی تھی۔ بادشاہ اپنی زندگی کی کامیابی اسی میں خیال کرتا۔ کہ وہ کسی لڑائی میں لڑتا ہوا ہلاک ہو جائے اگر لڑائی سے کامیاب واپس لوٹ آتا۔ تو واپسی پر اپنے جہاز کو ہی آگ لگا دیتا تھا اس طرح جلتا ہوا جہاز سمندر یا دریا میں غرق کر دیا جاتا۔ یہ تمام واقعات سینکڑوں کی تعداد میں پُرانی کتابوں میں درج ہیں۔ انگریز اپنی تاریخ میں بحری لٹیرے۔ قزاق اور قاتل تھے۔ اور کمینہ خصائل رکھتے تھے اور یہ اثرات اب بھی موجود ہیں اُن کی یہ عادت رہی ہے۔ کہ جو چیز دکھائی دیتی وہ اُٹھا کر لے جاتے۔ جو کچھ اُٹھا کر نہ لے جا سکے۔ اُسے آگ لگا کر خاک سیاہ کر ڈالتے تھے۔ یہ عادت ایک دوسری شکل میں اب بھی موجود ہے۔ اس دفعہ وہ ساری دُنیا کو خاک سیاہ کر کے چھوڑ دیں گے۔ خود بھی مٹ جائیں گے۔ اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی فنا کے گھاٹ اُتار کر دم لیں گے۔ انگریزی فطرت سے یہ چیز کوئی ناممکن نظر نہیں آسکتی۔ البتہ عین ممکن ہے۔

اِدھر اُدھر کے نظارے

برطانیہ دراصل لندن میں سمٹا ہوا ہے۔ اور لندن نے تمام برطانیہ کو اپنے اندر آباد کر رکھا ہے۔ گو لندن والے لندن میں نہیں رہتے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو لندن کا شہری کہلانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ برطانیہ کو دیکھنے کے لئے لندن کو پہلے دیکھنا پڑتا ہے۔ بسیں۔ کاریں۔ ریلیں وغیرہ۔ لندن والوں کو صبح و شام لندن کی طرف اور لندن کے باہر لے جاتی ہیں۔ گویا لندن کا کاروبار بجائے خود ایک ریاست کا معاملہ بن چکا ہے پھر لندن ایک عجوبہ سے کم نہیں۔ جس کا نہ کوئی سر ہے۔ نہ پاؤں اور نہ ہی دھڑ ہے اور نہ کوئی جسم ہے۔ بس آنتیں ہی آنتیں ہیں۔ جو شیطان کی آنتیں بن چکی ہیں۔ معلوم

تہیں لندن کی روح کہاں آباد ہے۔ اور مرکز کس جگہ واقع ہے۔ یہ بھی پتہ نہیں چل سکتا
کہ لندن کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ اور کہاں جا کر ختم ہوتا ہے۔ لندن ایک بہت بڑا
شہر ہے اور نہایت ہی گنجان آباد ہے۔ مگر یہ شہر کئی شہروں کا مجموعہ مرکب ہے۔ لندن
کے ساتھ سب انگریز لوگ محبت کرتے ہیں۔ اور لندن والے صرف لندن سے ہی پیار کرتے
ہیں۔ مگر لندن کی آبادی زندہ کم ہے۔ اور مردہ زیادہ۔ گویا لندن میں مُردے بھی زندہ رہتے
اور وہ کسی خاص قوم سے تعلق نہیں رکھتے۔ بلکہ وہ برطانیہ کے دوسرے باشندوں سے
مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن اپنے آپ کو وہ بھی انگریز ہی کہتے ہیں۔ اُن میں مایوسی۔ غم
اُمید۔ حسد۔ بغض۔ غصہ۔ رحم۔ مروت اور خوش طبعی کے جذبات بالکل نہیں پائے جاتے

گویا لندن کے چھوٹے ٹکڑے اور حصے بھی بجائے خود لندن کی
ترجمانی کرتے ہیں۔ ٹریفک کے اژدہام نے لندن والوں سے ذوقِ موسیقی چھین لیا ہے سڑکوں
کے دو رویہ انسانوں کی نہریں بہتی ہیں۔ اور درمیانی سڑک کے درمیان ٹریفک کا سمندر موجیں
مارتا ہے۔ پیدل چلنے والے ایک دوسرے کو کندھا مار کر نہیں گراتے۔ بلکہ بڑی
ہوشیاری اور دانائی سے اپنے اپنے راستے پر چلتے ہیں۔ ایک لباس۔ ایک رنگ اور
ایک ہی ڈھیل ڈھال نے ساری آبادی کو یکرنگ بنا دیا ہے۔ صرف پولیس کا سپاہی
یا عام مزدور علیحدہ نظر آتے ہیں۔ اسی لئے پولیس کے سپاہی کو مسافر آسانی سے پہچان
لیتے ہیں۔ اور چپکے سے اس کے کان میں اپنا سوال کرتے ہیں۔ وہ بڑی دلچسپی سے
سنتا ہے۔ اور فوری ہی مناسب جواب دے دیتا ہے۔ عام طور پہ وہ مسافروں
کو راستہ بتاتا ہے۔ اور ضروری معلومات بہم پہنچاتا ہے۔ وہ کوئی ڈنڈا یا پستول نہیں
رکھتا۔ نہ ہی وہ پاکستانی پولیس کی طرح فرعونی صفت بنا ہوا۔ اکڑ خانی کرتا پھرتا ہے
بلکہ وہ انکساری۔ خوش خلقی اور ہمدردی کا مجسمہ ہوتا ہے۔ گویا مسیحی انسانیت کی تصویر
دکھائی دیتا ہے۔ نہایت ہی شریفانہ اور عمدہ خصائل کا مالک ہوتا ہے۔ وہ شہریوں سے
متانت سے پیش آتا ہے۔ پاکستان کی پولیس برطانوی سامراج کی ایجنٹ بنی رہی
لہذا انگریزوں نے اپنے دوران حکومت پاکستان کی پولیس سے شرافت چھین لی۔
جس سے وہ ڈنڈا مار فوج بن گئی۔ گالی گلوچ۔ مار پیٹ۔ رشوت خوری۔ ظلم و ستم
اور ناجائز رعب داب پاکستانی پولیس کی عادات بن گئیں۔ یہ گویا سامراجی مقاصد کو پورا

کرنے کے لئے ایسا کیا گیا - یہ انگریز کی چال تھی - کہ اُس نے دیسی پولیس کے ڈنڈے سے اپنی حکومت قائم رکھی - اسی فرق سے انگریز کی بدمعاشی نظر آتی ہے کہ اُس نے دیسی پولیس کے ڈنڈے اور حیوانی سلوک سے اپنی نوآبادیات پر قبضہ کئے رکھا - مگر برطانوی پولیس کو اپنی قوم کا ہمدرد اور خادم بنایا - تاکہ وہ برطانوی عوام کی بجا طور پر قومی خدمت سرانجام دے سکے اور پبلک کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے - قانون کی نگہبان اور چوکیدار بن کر شہری گائیڈ کا کام دے - چونکہ آبادی زیادہ قانون پسند بنتی جا رہی ہے - اسی لئے برطانوی پولیس کا کام بھی بہت ہلکا ہو رہا ہے - لندن شہر میں شام سے پہلے ہی سناٹا چھا جاتا ہے - اور کوئی بھی آزادی سے گھوم پھر نہیں سکتا اور نہ ہی کوئی گھومتا نظر آتا ہے - سوائے پولیس کے سپاہیوں کے سڑکوں پر ہر وقت چوروں کا ڈر رہتا ہے لیکن چوری چکاری کا زیادہ خدشہ نہیں ہوتا - لندن والے اپنی پولیس پر پورا اعتبار کرتے ہیں اور پولیس اپنا فرض ایمانداری سے سرانجام دیتی ہے - جیب کتروں کے خوف سے بھی کوئی باہر نہیں نکلتا - دوکاندار تو میٹنی شو دیکھ کر سیدھے گھروں کو چلے جاتے ہیں - اور دوکانیں دوپہر ڈھلتے ہی بند ہونے لگ جاتی ہیں - تاہم تالہ توڑنے اور نقب زنی کی وارداتیں آبادی کے تناسب کے مقابلہ میں بہت کم سرزد ہوتی ہیں - غیر ملکی سیاح جو لندن چند دنوں کے لئے آتے ہیں - وہ زیادہ دیر نہیں ٹھہرتے - سیدھے پیرس یا دوسرے شہروں کو چلے جاتے ہیں - کیونکہ دوپہر ڈھلتے ہی لندن خالی ہو جاتا ہے - اور رونق غائب ہو جاتی ہے -

لندن بھی تو شیطان کی آنت کی طرح بے ہنگم پھیلا ہوا ہے - طبقہ امرا تو لندن سے گھبرا اُٹھتا ہے - اور غیر ممالک کی سیاحت کے لئے نکل جاتے ہیں - لاکھوں کی تعداد میں برطانوی عوام بھی تنگ آ کر آسٹریلیا - نیوزی لینڈ - کینیڈا - امریکہ اور افریقہ میں جا کر آباد ہو گئے ہیں - لندن اپنی تاریخی عمارتوں کے لئے بھی مشہور ہے - جنہیں دیکھ کر طبیعت زیادہ پریشان ہو جاتی ہے - صرف غیر ملکی مزدور جو کارخانوں میں کام کرتے ہیں یا غیر ملکی سفیروں کا عملہ اس ' سے چمٹے ہوئے ہے - لندن میں مہمان نوازی کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا یہ صرف ایران کے قہوہ خانوں میں ملتی ہے - جہاں انگریز آرام سے بیٹھے ہوئے اپنے غموں کو غلط کرتے ہیں - لندن شہر کے بازار اندھیرا شروع ہونے پر بند ہو جاتے ہیں گرجا گھروں میں سارا دن تالے لگے رہتے ہیں - صرف اتوار کو یہ تالے کھولے جاتے

ہیں۔ رات کی تاریکی میں گرجا کی چاردیواری کے سایوں میں بازار جنس کی گرم بازاری شروع ہو جاتی ہے۔ عمارتوں پر کالی مٹی اور کوئلہ کی تہیں جم گئی ہیں۔ گویا دوزخ کی دیواریں اجنبیوں کو کھانے کے لئے دوڑتی ہیں۔ کالے کالے ستون ڈراونے معلوم ہوتے ہیں۔ جن پر کبوتر بیٹھے مرثیہ پڑھتے ہیں۔ لندن شہر کا شور و غل اس قدر تکلیف دہ ہے۔ کہ اجنبی وہاں سے بھاگنے کا راستہ ڈھونڈتا ہے۔ یا سارا دن کسی پارک یا تھیٹر میں جاکر گذار دیتا ہے۔ یا شہر سے دور دیہات میں نکل جاتا ہے۔ انگریزی قوم کا دل و دماغ لندن کی گلیوں میں گھومتا پھرتا ہے۔ اور خود انگریز کا جسم دُنیا کے اردگرد چکر کاٹتا ہے۔ لندن کی آبادی سرد مہر اور خشک مزاج ہوتی ہے۔ جو ہر اجنبی کو خونی اور مجرمانہ نظروں سے دیکھتی ہے۔ لندن کے رہنے والے اجنبیوں کو شک و شبہ کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اور اُن کی حرکت پر کڑی نگرانی رکھتے ہیں۔ اجنبی جب انگریزی میں بات کرتے ہیں۔ تو کسی کو یقین نہیں آتا۔ کہ کوئی غیر ملکی بھی انگریزی جان سکتا ہے۔ انگریز عام طور پر اجنبیوں کو گونگا اور ان پڑھ سمجھتے ہیں۔ یا انگریزی بولنے والے اجنبی کو جاسوس سمجھا جاتا ہے جو ضرور کسی جاسوسی کے کالج میں انگریزی سیکھ کر آیا ہے۔ اجنبی بیچارہ حیران و پریشان رہ جاتا ہے۔ اور وہ اپنی پہلی فرصت میں لندن سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ یا وہ ایسی جگہ چلا جاتا ہے۔ جہاں انگریزوں کی مشکوک نظریں اُس پر نہ پڑ سکیں۔ اجنبی اس خیال سے لندن پہنچتا ہے۔ کہ اُسے برطانیہ سے عشق ہوتا ہے۔ اور وہ لندن کو ہی تمام دُنیا کی دوکان۔ منڈی۔ کچہری۔ فریاد کی جگہ اور جائے پناہ سمجھتا ہے۔ جہاں ظلم و ستم کے ستائے ہوئے انسانوں کو آرام ملتا ہے۔ کوئی بھی انسان جس کی روح بے چین ہو۔ وہ برطانیہ کے عشق میں مجبور لندن پہنچ جاتا ہے۔ لیکن لندن پہنچ کر اُسے دوزخ کی حقیقت کا پتہ چلتا ہے

لندن میں بہشت تلاش کرنی ہو۔ تو سینٹ جیمز پارک اور ہائیڈ پارک صبح کے وقت عجیب بہار پیش کرتے ہیں۔ گویا بہشت سمٹ سمٹا کر ان پارکوں میں آپہنچی ہے۔ پانی کی جھیلیں بہت دلکش معلوم ہوتی ہیں۔ سامنے شاہی محل اور دوسری جانب وائٹ ہال کے گنبد گرین پارک کے نظارے تھکی ماندی روح کو تر و تازگی بہم پہنچاتے ہیں۔ گویا گاؤں کا نقشہ سامنے پھر جاتا ہے۔ ٹھنڈی چھاؤں اور بھینی بھینی خوشبودار ہوا۔ کشتیوں کا تیرنا۔ خاموشی سے

چہل قدمی اور تفریح کے تمام سامان کا موجود ہونا - یہ تمام چیزیں بہت دلکش اور آرام دہ معلوم ہوتی ہیں - اُن حالات میں مسافر چاہتا ہے - کہ اپنا زیادہ وقت انہی پارکوں میں گذار دے - اور خوب نیند کا لطف اُٹھائے - لیکن بہت جلد ان پارکوں کو بند کر دیا جاتا ہے اور مسافروں کو باہر نکال کر گرجوں کی طرح تالے لگا دیئے جاتے ہیں

پارکوں سے باہر نکل کر طبیعت پریشان ہو جاتی ہے - اور مسافر دوبارہ تھکاوٹ محسوس کرتا ہے - اور وہ اپنے آپ کو اکیلا اور تنہا پاتا ہے اور نہایت پریشان و حیران رہ جاتا ہے - پھر وہ شراب خانے کا رخ کرتا ہے - اور اُسے لندن سے نفرت ہو جاتی ہے - جہاں اُداسی - مقتولوں کی روحوں کی فریادیں - مظلوم قوموں کی چیخ و پکار - غریب و نادار بستیوں کی تباہی و بربادی - فاقہ کش پاکستانیوں کی غربت اور افلاس - افلاس زدہ اقوام کی مظلومیت - بیمار قوموں کی تباہ حالی - خوشحال اور فارغ البال خاندانوں کی بربادی اور تباہی - نادار خاندانوں کی بے بسی وغیرہ صدہا ڈراونے مناظر سامنے دکھائی دیتے ہیں - جو سب برطانیہ کی فرعونیت اور لالچ کے باعث معرض وجود میں آئے آخر لندن کی دولت آسمان سے تو نہیں اتر پڑی - لندن ایک سرمایہ دار شہر ہے - اور سامراجی سلطنت کا مرکز رہا ہے - جہاں ٹھنڈی ہوا بھی بغیر سرمائے کے خریدی نہیں جا سکتی - یہ تمام دولت آخر کالی مخلوق کی لوٹ کھسوٹ سے تو حاصل کی گئی - لیکن انگریز اپنے خلاف کوئی شکایت نہیں سنتا - اور نہ ہی اُس پر کان دھرتا ہے - کیونکہ لندن کی آبادی میں کالی مخلوق کی بربادی پوشیدہ ہے - اسی لئے لندن غریب ممالک کا ماتم نہیں کرتا - بلکہ وہ اُن کو میٹھی نیند سلاتا ہے - اور خود پارک میں جا کر آرام سے رہتا ہے -

شہر کے پارک اور شراب خانے دیہاتی زندگی کا عکس ہیں - اور فرصت کے اوقات کا بہترین مشغلہ ہیں - انگریز کے دل و دماغ میں ہمیشہ دیہات بستا ہے - اور وہ دیہات میں ہی زندگی گذارنے کے خواب دیکھتا ہے - حتیٰ کہ ہندوستان کے سابق وائسرائے نئی دہلی کے محلات میں رہ کر اتنا خوش نہیں رہتے تھے - جس قدر اپنے دیہاتی جھونپڑیوں میں خوشی محسوس کرتے تھے - لندن کے مکانات سے ملحقہ ایک باغ کا ہونا مالک مکان کے لئے سب سے بڑی خوشی کی بات ہوتی ہے - گویا لندن میں بھی انگریزوں نے چھوٹے چھوٹے دیہات بنوا دیئے ہیں - لندن کا سینٹ جیمز پارک انگریزوں کے دیہاتی پن اور دیہاتی عشق

کا سب سے بڑا بہترین نمونہ ہے۔ اسی طرح لندن کا ہائیڈ پارک اور دوسرے باغات بھی انگریزوں کے ذوق شوق اور دیہاتی زندگی سے محبت کا ثبوت دیتے ہیں

شاید یہ شوق انہوں نے مغل بادشاہوں سے نقل کیا ہے۔ جس کو ہمارے نقلی صاحب لوگ ابھی تک خلاف فیشن سمجھتے ہیں۔ صرف ایک لندن کے باغات کی فراوانی سے ہی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ انگریزوں کا دل کس قدر دیہاتی ہے۔ جب لندن پھیلنے لگا۔ تو آس پاس کے دیہات کو اپنی لپیٹ میں لے لیا گیا۔ لیکن اُن دیہات کی قدرتی خوبصورتی۔ سرسبزی اور ہریالی کو محفوظ رکھا گیا۔ اور اُن کو کسی قسم کا رد و بدل یا نقصان نہیں پہنچایا گیا۔ بیدریغ کوٹھیوں اور بنگلوں کی تعمیر سے پرہیز کیا گیا۔ تاکہ قدرتی خوبصورتی کو محفوظ رکھا جا سکے۔ باغات کو ویسے ہی رہنے دیا گیا۔ کھلی چراگاؤں کو احتیاط سے سنبھال کر رکھا۔ یہی حال برمنگھم جیسے تجارتی اور صنعتی شہر کا ہے۔ برمنگھم جب پھیلنے لگا۔ تو اردگرد کے دیہات بھی اس میں شامل کئے گئے۔ مگر اُن دیہات کی اصلی خوبصورتی اور خوشنمائی میں کوئی فرق نہ آنے پایا۔ اسی لئے برمنگھم کی خوبصورتی صرف اردگرد کے علاقوں کی قدرتی حُسن کی وجہ سے قائم ہے۔ در اصل انگریز لوگ دیہاتی زندگی بہت پسند کرتے ہیں۔ صدیوں تک یہ قوم گڈریوں کی زندگی بسر کرتی رہی ہے۔ اور اُسی زندگی کو اپنے لئے پسند رکھا۔ گو صنعتی انقلاب نے ان کی گڈریانہ زندگی میں انقلاب پیدا کیا۔ مگر دیہاتی زندگی کی سابقہ خوبصورتی اور چہل پہل میں فرق نہ آنے پایا۔ گو اس میں کوئی شک نہیں کہ دیہات صنعتی علاقوں سے مل گئے اور اپنی پرانی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ مگر یہ اتفاقیہ حادثہ ہے۔ ہمارے ملک میں سرسبز اور شاداب علاقوں اور پہاڑی چراگاہوں اور جنگلات کو برباد کیا جاتا ہے۔ لیکن برطانیہ میں سرسبزی اور قدرتی خوبصورتی کی حفاظت اور خبرگیری کی جاتی ہے۔ ہر جگہ سبزی اور ہریالی نظر آتی ہے۔ جنگلات شہروں میں اُسی طرح پائے جاتے ہیں۔ جس طرح دیہات اور پہاڑی علاقوں میں پائے جاتے ہیں شہروں میں پارکوں اور باغات کی اس قدر بھرمار ہے۔ گویا اُن پر جنگلات کا گمان ہوتا ہے۔ شہروں اور دیہات کے درمیان کچھ بھی ظاہری فرق نہیں پایا جاتا۔ سارا ملک ہی درختوں سے ہرا بھرا دکھائی دیتا ہے۔ ہمارے ملک کا حال کچھ اور ہی ہے۔

باغات اور جنگلات کو پاکستان میں فیشن کے خلاف سمجھا جاتا ہے ۔ پہاڑی مقامات میں دیسی صاحب لوگوں نے جنگلات کو صاف کر کے بنگلے تعمیر کر دیئے ہیں ۔ درختوں کو جڑ سے اکھیڑ دیا گیا ہے ۔ پہاڑی چراگاہوں کا خاتمہ ہو چکا ہے ۔ باغات کی خبر گیری بیوقوفی سمجھی جاتی ہے اور حقیر کام خیال کیا جاتا ہے ۔ جو صرف مالیوں کا خاندانی پیشہ رہ گیا ہے ۔ باغات میں ہاتھوں سے کام کرنے کو دیسی صاحب لوگ اپنی ہتک سمجھتے ہیں ۔ درختوں کی بحالی اور رکھوالی خلاف فیشن یعنی محض بیکاری کا مشغلہ اور فضول روان جنجال کہتے ہیں ۔ قابل زراعت زمینیں سرسبز چراگاہیں اور پہاڑی جنگلات دھڑا دھڑ ملیامیٹ کر کے اُن کی جگہ عالیشان بنگلے بن چکے ہیں ۔ زراعتی علاقے سیم وتھور کی برکتوں سے ریگستانوں میں بدل چکے ہیں امریکہ سے مفت گندم مل جائے ۔ تو کسی کو کیا ضرورت پڑی ہے ۔ کہ زراعت کی ترقی پر دھیان دے ۔ کم از کم ملک کی غلہ کی ضرورت کو امریکہ سے بھیک مانگ کر پورا کیا جاتا ہے درختوں کو اسی لیئے بیدردی سے کاٹا جاتا ہے ۔ اور قابل زراعت زمین ناقابل خوراک بنا دی گئی ہے ۔ برطانیہ کا حال ہی دوسرا ہے اُس کی صنعتی ترقی اور کارخانوں کی بھرمار کے بعد جب ملک کی سرسبزی درختوں اور باغات کی بہتات پر نظر ڈالی جائے ۔ تو حیرت ہوتی ہے ۔ کہ ہمارے ملک کے فیشن زدہ دیسی انگریز اور پاکستانی صاحب لوگ جب انگریزوں کی نقالی میں خود انگریزوں سے آگے بڑھ چکے ہیں ۔ تو وہ زراعت اور باغبانی کی طرف مطلقاً کیوں دھیان نہیں دیتے وہ بھی عین انگریزوں کی نقل میں ہی سہی ۔ اگر وہ کچھ ہاتھ سے کام کر دیں ۔ تو کیا مضائقہ ہے ۔ اپنے بنگلوں سے ملحقہ باغات میں وہ آسانی سے باغبانی کر سکتے ہیں ۔ بلکہ اُن بنگلوں کے باغات انگریزوں کے وقت میں سرسبز وشاداب ہوا کرتے تھے ۔ آج دیسی صاحب لوگوں نے اُن بنگلوں کے باغات کو بھی برباد کر دیا ہے ۔ بلکہ اُن کو اُکھیڑ کر کوٹھیاں اور بنگلے تعمیر کر دیئے ہیں ۔ گویا ہمارے نقلی صاحب لوگ اپنی چند روزہ زندگی کو ہی دائمی زندگی سمجھ بیٹھے ہیں ۔ اُن کو مطلقاً خیال نہیں آتا ۔ کہ اُن کی نادانی اور کم عقلی کا اُن کی آئندہ نسلوں سے قدرت خوب انتقام لے گی ۔ وہ قومی سرمایہ ضائع کر چکے ہیں ۔ وہ اندازہ نہیں کر سکتے ۔ کہ باغات کی خبرگیری اور درختوں کی پرورش عین منشائے قدرت ہے ۔ اور جو قومیں ان قدرتی مشاغل کی طرف دھیان دیتی ہیں ۔ قدرت بھی اُن کی مدد کرتی ہے ۔ لیکن نقل را عقل نہ باید ۔ پاکستانیوں سے جاپانی ہی اچھے ہیں ۔ جن کے

باغات دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں -

لندن کے علاوہ برطانیہ کے کسی اور شہر میں سفر کیا جائے (دیہات کا ذکر ہی کیا) حتیٰ کہ صنعتی علاقوں میں بھی دیہات کا گمان ہونے لگتا ہے - انگریز کا دھیان اور ذہن ہمیشہ اس طرف رہا ہے - کہ اُس کا ماحول سرسبز اور ہریالہ ہو - باغات کا شوق اُنہوں نے مغل بادشاہوں سے نقل کیا - اور اس طرح یہ قومی عادت بن گیا - ساری قوم باغات سے عشق رکھتی ہے اور تمام ملک کو درختوں کی دولت سے مالا مال کر دیا گیا ہے - اس قومی مشغلہ نے انگریز کو بھی روحانی طور پر تازگی دی ہے اور برطانوی عوام کی زیادہ تعداد اس قومی مشغلہ میں پڑ کر ہر قسم کے دنگہ فساد قتل و غارت مختلف سماجی برائیوں سے محفوظ ہو گئی ہے - قدرتی نظاروں کی قربت سے قدرت بھی اُن پر مہربان ہے - ہم لوگ جو برطانیہ کی مادہ پرستی کی مذمت کرتے ہیں - مگر اُس کی قدرت پرستی سے کوئی سبق نہیں سیکھتے - یہ قدرت پرستی بھی ایک روحانی جذبہ رکھتی ہے - ورڈزورتھ کی شاعری اسی قدرت پرستی کا نتیجہ ہے - اور ایک روحانی دولت بن چکی ہے -

---

ہمارے ملک کی دیہاتی آبادی کا شہری آبادی سے مقابلہ کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دیہات صدیوں تک کس مپرسی اور لاپرواہی کی حالت میں مجبور و بےبس پڑے رہے ہیں - جن کے باشندوں کی تعلیم و صحت کی طرف کچھ بھی دھیان نہیں دیا گیا - حتیٰ کہ زراعت کو بھی ترقی نہ مل سکی - زراعت کی ترقی پھر تو ساری آبادی کی خوراک کا دارومدار ہوتا ہے ہمارے دیہات کا امن و امان ہمیشہ خطروں سے دوچار رہا ہے - دنگہ فساد - مقدمہ بازی قتل و غارت اور ڈاکہ زنی کی وارداتیں روزمرہ کے معمول بن چکے ہیں - دیہاتی آبادی اپنی زندگی سے بیزار ہو چکی ہے - باہمی میل ملاپ سے کام کرنے کا جذبہ ختم ہو گیا ہے دیہاتی عوام بھاگ کر شہروں میں آباد ہو رہے ہیں - اور شہروں کی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے - لیکن شہروں کا حال بھی قابل افسوس ہے غلاظت اور گندگی کے ڈھیر ہر جگہ پڑے دکھائی دیتے ہیں - سرکاری ملازمین کی نااہلیت عذاب بن چکی ہے اور شہری زندگی کا نظام بہت پراگندہ اور ابتر ہے - مگر برطانیہ میں شہری اور دیہاتی زندگی میں صرف مسافت اور رقبہ کا فرق ہے - دیہات ایک طرح کے چھوٹے شہر کہلانے

ہیں - جو تھوڑی آبادی رکھتے ہیں - اور بڑے شہروں سے رقبہ میں بھی چھوٹے ہیں - لیکن اُن میں تمام شہری سہولتیں موجود ہوتی ہیں بلکہ بڑے شہروں کے مقابلے میں دیہات کا خاص پر خیال رکھا جاتا ہے - جن سے اُن کی اہمیت بہت بڑھ چکی ہے - اور اُن کی شہری سہولتوں میں اضافہ ہو رہا ہے اور اس طرح شہری اور دیہاتی زندگی میں امتیاز بالکل نہیں پایا جاتا بلکہ دیہات اور شہر آپس میں بہت کچھ ملتے جلتے ہیں - پاکستان کے دیہات آبادی کا غریب و یتیم طبقہ کہلاتے ہیں - دیسی صاحب لوگ تو دیہات میں رہنا بہت بُرا خیال کرتے ہیں - اور دیہاتیوں سے میل جول رکھنا فیشن کے خلاف سمجھتے ہیں - پاکستانی بیگمات تو سرے سے دیہاتی زندگی پسند ہی نہیں کرتیں - کاش کوئی اُن کو سمجھائے - کہ انگریزی عورتیں اور مرد دیہات کی زندگی کو بہشت سے زیادہ عمدہ ترین خیال کرتے ہیں - پڑھے لکھے پاکستانی تو دیہات سے بھاگ کر شہروں میں جا کر پناہ گزین بن گئے ہیں - انگریز شہری بننے سے زیادہ دیہاتی رہنا پسند کرتے ہیں - جب کبھی شہر میں رہتے ہوئے اُن کو فرصت کا وقت ملتا ہے دیہات میں جا کر گذارتے ہیں - شہروں کو کاروبار کے لئے استعمال کیا جاتا ہے - لیکن رہائش کا انتظام وہ دیہاتوں میں ہی رکھتے ہیں - اور دیہاتی زندگی کو شہری زندگی پر ترجیح دیتے ہیں - اس لئے برطانیہ میں دیہاتی زندگی تہذیبی رنگ کی حیثیت رکھتی ہے انگریز لوگ دیہاتی زندگی میں نمایاں حصہ لیتے ہیں - اور مختلف دیہاتی ادارے مجلسی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے قائم کئے گئے ہیں - چند دیہات تو تجارتی منڈیوں کے لئے مخصوص ہو چکے ہیں - بعض دیہات تفریح کے مرکز ہیں - اور وہ بہت سے تاریخی اور تہذیبی عمارتوں کے لئے مشہور ہیں - بعض دیہات صنعتی مرکز کہلاتے ہیں - اسی طرح بہت سے دیہات تعلیمی اداروں کے لئے مخصوص ہو چکے ہیں - اور قومی زندگی میں نمایاں درجہ رکھتے لطف کی بات یہ ہے - کہ صنعتی انقلاب اور کارخانوں کے قیام کے باوجود انگریزوں کا دل و دماغ اب بھی دیہات میں رہتا ہے - اور قدرتی خوبصورتی میں کوئی فرق نہیں آنے پایا - بلکہ اُس میں اضافہ ہو چکا ہے - ہمارے شہروں کا حال کچھ اور ہی ہے دیہاتی زندگی تو تہ و بالا ہو چکی ہے - وہاں شہری زندگی نے ڈاکہ ڈال دیا ہے اور پاکستانی شہر اور دیہات ہر دو اسلامی تہذیب کے کھنڈرات اور قبرستان بن چکے ہیں - درختوں کو بے دردی سے صاف کیا گیا ہے - تمام لوگ دیہات اور

پارٹی بازی میں اپنا سارا وقت ضائع کرتے ہیں۔ یا ایک دوسرے کو ذلیل و خوار کرنے اور برباد کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ گویا اپنے ہموطنوں کو تباہ و برباد کرنا ہی سب سے بڑی خانہ ملکی صنعت بن چکی ہے۔ اور یہی قومی خدمت سمجھی جاتی ہے۔ ایسے حالات میں باغات کی طرف کون دھیان دیتا ہے۔ اور قدرتی خوبصورتی کی حفاظت کون کرتا ہے۔ بلکہ قدرتی خوبصورتی کو ختم کر کے بنگلوں کی تعمیر شروع کی جاتی ہے۔ برطانیہ میں صنعتی انقلاب کی وجہ سے جن دیہات اور سرسبز علاقوں کو نقصان پہنچا۔ اس کی تلافی کی گئی ہے ؎

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی یا بندۂ صحرائی یا مرد کوہستانی

ملک کا کافی رقبہ قابل زراعت ہے۔ زمین بھی زرخیز ہے۔ اور جدید ترین زرعی ترقیات کی وجہ سے پیداوار میں کافی اضافہ ہو چکا ہے۔ زراعت کو ترقی دے کر اسے ملکی صنعت کی حیثیت حاصل ہے۔ مویشیوں کی دیکھ بھال اچھی طرح ہوتی ہے۔ آسمانی حوادث بہت کم پیش آتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے کھیتوں سے لے کر بڑے بڑے فارموں کو ترقی دے کر کافی تعداد میں غلہ پیدا کیا جاتا ہے۔ کسان جو کھیتوں پر کام کرتے ہیں وہ نیشنل فارمز یونین کے ممبر ہوتے ہیں۔ یہ یونین کسانوں کے حقوق کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ اس کے علاوہ زراعتی کواپریٹو سوسائٹیاں بھی قائم ہیں۔ جو کسانوں کو ہر ممکن امداد بہم پہنچاتی ہیں اور اُن کو مالی امداد دینے کے لئے پیداوار کی خرید و فروخت بھی کرتی ہیں۔ یہ زراعت کی نوعیت بھی مقامی خصوصیات رکھتی ہے۔ مشرقی علاقوں میں کھیتوں کو بطور فصل و پیداوار استعمال میں لایا جاتا ہے۔ اور مغربی علاقوں میں ڈیری فارم قائم کئے گئے ہیں۔ وہاں مویشیوں کی پرورش ہوتی ہے۔ زرعی پیداوار کا زیادہ حصہ گندم۔ جوار اور آلوؤں کا ہے۔ چارہ اور سبزیاں بھی اُگائی جاتی ہیں۔ شمالی علاقوں میں مال مویشی کی پرورش ہوتی ہے۔ اور مختلف علاقوں میں گھریلو ضروریات کے لئے زرعی پیداوار کو بڑھانے خوراک کی مقامی ضروریات کو پورا کرنے کے مرغیاں پالنے۔ سوروں کی پرورش۔ سبزیاں اُگانا۔ خرگوش پالنا۔ بکریاں اور بھیڑیں پرورش کرنا اور باغات کی دیکھ بھال بھی شامل ہیں۔ جن سے معقول آمدنی حاصل ہو جاتی ہے۔ صنعتی انقلاب سے پہلے برطانیہ زرعی پیداوار میں خود کفیل تھا۔ بعد میں اُسے روئی گندم اور گوشت کے لئے غیر ممالک کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ بلکہ صنعتی انقلاب اور

نو آبادیات کی لوٹ کھسوٹ کی پالیسی کی وجہ سے زرعی پیداوار کو سستے داموں اور کثیر تعداد میں باہر سے حاصل کیا گیا - زرعی اشیا اور خام مال کی برآمد شروع ہوئی - جس سے قومی زراعت کی طرف دھیان نہ دیا گیا - اس تبدیلی نے ملک کی اقتصادی زندگی پر بہت نمایاں اثر کیا - خود مرغیاں پالنا - دودھ مہیا کرنا اور گھریلو زراعت ہی پر ہی اکتفا کیا گیا - تمام زرعی اور خوراک کی ضروریات غیر ممالک سے پوری ہونے لگیں -

دوسری جنگ عظیم نے ملک کو زراعت کی طرف متوجہ کیا - کیونکہ جنگ کے دوران میں زرعی اشیا بمشکل دستیاب ہوتی تھیں - بلکہ جنگ کے دوران خوراک کا مسئلہ نہایت ہی خطرناک صورت اختیار کر چکا تھا - درآمدی مشکلات کے بڑھ جانے سے ملکی زراعت کی طرف پہلی دفعہ دھیان شروع ہوا - بھوک اور قحط سے بچنے کے لئے قومی زراعت کو ترقی دی گئی - ہٹلر نے برطانیہ کو دوکانداری کے علاوہ مجبوراً زراعتی بنا ڈالا - جنگی ضرورتوں کے پیش نظر جو جہاز غیر ممالک سے برطانیہ کو خوراک لایا کرتے تھے - وہ ہٹلر کے خلاف لڑائی میں شامل ہو چکے تھے اُن کو کب فرصت تھی - کہ وہ زرعی اشیا کو درآمد کرتے - لہذا غلہ اُگانے - آلو کاشت کرنے دودھ مکھن کا بندوبست - مرغیاں - انڈے - مال مویشی وغیرہ کی مہم کا آغاز ہوا - زرعی مورچہ بندیاں مضبوط ہونے لگیں - جنگ کے خاتمہ پر قومی زراعت کافی ترقی کر چکی تھی - اور ملک کی قیمتی صنعت بن گئی تھی - جنگ سے پہلے برطانیہ ۳۱% خوراک خود مہیا کرتا تھا - ۶۹% غیر ممالک سے درآمد کی جاتی تھی - لیکن جنگ کے خاتمہ پر یہ تناسب گھٹ کر ۳۸% رہ گیا - بلکہ برطانیہ خود مویشی برآمد کرنے لگا - اور غیر ممالک میں برطانوی مویشیوں کی مانگ بڑھ گئی - جنگ کے زمانہ کا کنٹرول بھی ختم ہو گیا - زرعی پیداوار میں اضافہ سے گورنمنٹ نے بھی کسانوں کی حفاظت پر آمادگی ظاہر کی - قیمتوں کا معیار قائم کیا گیا - تمام آبادی کو خوراک کے بارے میں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائی -

آجکل کسانوں کو مالی امداد دی جاتی ہے - تاکہ قیمتوں کے اُتار چڑھاؤ کا اُن کے معیار زندگی پر اثر نہ پڑ سکے - قومی زراعت کے معاملہ میں برطانوی گورنمنٹ کا رویہ نہایت ہی ہمدردانہ اور مخلص ہے - وزارت زراعت اس معاملہ میں نہایت ہی منظم ہے اور پوری ایمانداری سے قوم کی زرعی خدمت سرانجام دیتی ہے - مختلف زرعی قانون منظور ہو چکے ہیں اور ملکی زراعت کا معیار بھی بلند کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے - ملک کو خوراک کے بارے

میں خودکفیل بنانے کے علاوہ زراعت کو ایک نفع بخش تجارت کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے بلکہ دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پہ ہی برطانیہ زرعی معاملات میں خودکفیل بن چکا ہے۔ خوراک کی بہتات ہے اور دودھ عام اور ارزاں مل سکتا ہے۔ جیسے صحت مند طریقوں پر اکٹھا کر کے صاف بوتلوں میں بھر کر گھر گھر اور محلہ محلہ تقسیم کرنے کا اعلیٰ نظام قائم ہے۔ دودھ صاف تجربہ شدہ ہوتا ہے۔ ملاوٹ کی گنجائش تک نہیں ہوتی۔ تازہ اور تندرست مویشیوں سے یہ دودھ حاصل ہوتا ہے۔ بیمار مویشیوں کو عام طور پر زبردستی ختم کیا جاتا ہے۔ اور اُن کا گوشت اور دودھ استعمال میں نہیں آنے دیا جاتا۔ دودھ کے علاوہ انڈوں مرغیوں اور سبزیوں ترکاریوں کو بھی نہایت ہی اعلیٰ پیمانہ پر تقسیم کرنے کے انتظامات موجود ہیں۔ مچھلی پکڑنے کا کام بھی ایک اعلیٰ درجے کی صنعت سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ چھوٹے بڑے مچھلیوں کے تجارتی جہاز اسی مقصد کے لئے بنائے گئے ہیں۔ تاکہ دور دراز سمندر میں سفر کر کے مچھلیاں پکڑی جا سکیں ساحل برطانیہ پر ایسی بندرگاہیں ہیں۔ جو محض مچھلی کی تجارت پر منحصر ہیں۔ عام آبادی بھی شوقیہ طور پر مچھلی کا شکار کرتی ہے۔ ۱۹۵۶ء میں اندازہ لگایا گیا تھا۔ کہ ۳۰۰۰۰ اشخاص محض شوقیہ طور پر مچھلی کا شکار کرتے ہیں۔ اور ۲۵۰۰۰ باقاعدہ مچھلیاں پکڑنے والوں کی تعداد ہے جو تقریباً ۱۸۰۰۰ ٹن ہفتہ وار مچھلی پکڑتے ہیں۔ مچھلی کی حفاظت کے لئے لاتعداد قانون منظور ہو چکے ہیں اور اُن کے شکار پر مختلف قسم کی پابندیاں بھی عائد کی گئی ہیں۔ تاکہ مچھلیوں کی نسل کا قلع قمع نہ ہو سکے۔ خاص خاص موسموں میں اُن کو پکڑنے کی اجازت ہے۔ مختلف ممالک کے نمائندوں کو بلا کر مچھلیوں کی حفاظت کے لئے بین الاقوامی نگرانی کے قوانین بھی نافذ کیے گئے ہیں۔

برطانیہ کے جنگلات بھی ملک کی آمدنی کا بہترین ذریعہ ہیں۔ لکڑی ضرورت کے لئے کافی تعداد میں مل جاتی ہے۔ جنگلات سے متعلقہ دیگر اور صنعتوں نے بھی ترقی کی ہے گورنمنٹ نے جنگلات کو بڑھانے اور ترقی دینے کے علاوہ نیز اُس سے متعلقہ صنعتوں اور پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے بہت کچھ عملی تدابیر اختیار کر رکھی ہیں۔ صدیوں تک برطانیہ کے جنگلات قومی ضروریات کو پورا کرتے رہے ہیں۔ بلکہ غریب آبادی کے پاس جنگلات سے بڑھ کر اور کوئی دولت نہ تھی۔ صنعتی انقلاب نے ان جنگلات کی دولت کو ختم کرنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ ملکی ضرورتوں کے لئے یہ ناکافی رہ گئے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران

ہیں اوسا بعد جنگ جنگلات کی تعداد میں بہت کمی رہ گئی - لہذا جنگلات بڑھانے اور اُن کو ترقی دینے کی مہم شروع ہوئی - غیر ممالک سے لکڑی درآمد کی گئی - جنگلات کے بیدردانہ استعمال سے برطانوی زراعت نے بھی کافی نقصان اٹھایا - چنانچہ اس کمی کو نوآبادیات کے جنگلات کاٹ کاٹ کر پورا کیا گیا - گویا برطانوی مفادات کے لئے کالی مخلوق کو قربان کرنا پڑا - برطانوی مقبوضات اور پس ماندہ ممالک کے جنگلات کاٹ کاٹ کر برطانیہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے لگے اس طریقے سے خود برطانیہ کے جنگلات محفوظ ہو گئے۔

۱۹۱۹ء میں ایک فارسٹ کمیشن قائم ہوا تھا - لیکن اسی فارسٹ کمیشن نے کوئی ٹھوس پالیسی مرتب نہ کی - کیونکہ اُس وقت برطانوی مقبوضات سے لکڑی سستے داموں اور لاتعداد حاصل ہوتی تھی - دوسری جنگ عظیم نے جنگلات کا مسئلہ نئے سرے سے تازہ کر دیا - فارسٹ کمیشن کے مردہ جسم میں جان ڈالی گئی - ۱۹۴۳ء میں ایک رپورٹ چھپی - کہ جنگلات کی ملکی ضرورت کس قدر ہے ؟ اور کس قدر جنگلات قومی ضرورت کے لئے کافی ہو سکتے ہیں ؟ اور موجودہ جنگلات سے کیسے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے - نیز مزید ترقی کے لئے کیا کچھ امکانات ہیں - بنجر علاقوں میں جنگلات کی زیادہ سے زیادہ کس قدر تعداد لگائی جا سکتی ہے - چونکہ یہ معاملہ کالی مخلوق سے تعلق نہ رکھتا تھا - لہذا گورنمنٹ نے اس دفعہ کمیشن کی سفارشات منظور کر لیں - تاکہ جنگ کے خاتمہ پر تمام سفارشات کو عملی جامہ پہنایا جائے - یعنی موجودہ جنگلات کی حفاظت کی جائے - اور جنگلات کے بارے میں قومی حیثیت سے غور کر کے اُن کی اہمیت پر زور دیا گیا -

جنگلات کا ذکر آتے ہی پانی کا خیال آنے لگتا ہے - برطانیہ میں پانی کی بہتات ہے - دُنیا میں اکثر ایسے علاقے ہیں - جہاں پانی حاصل کرنے کے لئے کوسوں میل پیدل سفر کرنا پڑتا ہے - زراعت کے پانی کے لئے دعائیں مانگی جاتی ہیں - دریاؤں کی پوجا کی جاتی ہے - دریائے نیل کو طغیانی میں لانے کے لئے زمانہ قدیم میں نوجوان لڑکیوں کی قربانی دی جاتی تھی - گویا پانی کا زندگی سے اس قدر گہرا تعلق ہے - برطانیہ والے خوش نصیب ہیں - کہ سارا سال بارش کے ہو جانے سے پانی کی کمی بالکل ہی نہیں پائی جاتی - نیز پانی کی سپلائی کا بہت اعلیٰ انتظام ہے - پہاڑوں - جھیلوں اور ندی نالوں کا پانی اکٹھا کر کے صاف کیا جاتا ہے - اور اس طرح صاف پانی عام اور با افراط مل جاتا ہے

نوکل اداروں کا یہ اولین فرض ہوتا ہے کہ صاف پانی کی تقسیم کا نظام درست رہے۔ جائینٹ واٹر بورڈ تو پانی کی تقسیم کے لئے رات دن کام کرتے ہیں۔ بعض کارخانے اپنا صنعتی ضرورتوں کے لئے پانی کا بندوبست خود ہی کر لیتے ہیں۔ گھریلو ضروریات کے لئے پانی کے بارے میں کسی بھی شہری کو تکلیف نہیں ہوتی۔ برطانیہ کی نہریں اور ندیاں پُرامن اور خاموش ہوتی ہیں۔ اور اُن سے ہر ممکن فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ قدرتی اور مصنوعی جھیلیں بھی عام ہیں۔ جن کے اردگرد پارک۔ اور باغات تعمیر کئے گئے ہیں۔ درختوں کے جھنڈ عجیب پرسکون منظر پیدا کرتے ہیں انگلستان کے دریا اور نہریں ندیاں پاکستانی دریاؤں اور نہروں کے مقابلے میں کچھ بھی اہم نہیں بلکہ نہایت ہی حقیر اور چھوٹے ہیں۔ لیکن پانی کی بہم رسانی اور افراط کا جس قدر انتظام برطانیہ نے کر رکھا ہے۔ ہمارا ملک پانی کے لئے پیاسا مر جاتا ہے۔ پاکستان میں پانی کی سپلائی کا نظام نااہل اور نالائق ہاتھوں میں ہے۔ جس وجہ سے کبھی کبھار یہ خیال گزرتا ہے۔ کہ شاید پانی بھی امریکہ سے منگوانا پڑے۔ یا نہرو سے اُدھار لینے کی ضرورت پڑے پانی کی سپلائی کا نظام نہایت ہی ناقص اور نامکمل ہے۔ پانچ دریاؤں کی سرزمین میں سے تین دریا تو دشمن کو مال غنیمت کے طور پر بخش دیئے گئے ہیں باقی دریا بھی دشمن کے رحم و کرم پر ہیں۔ اندرون ملک کی نہروں کو بھی برباد کر دیا گیا ہے۔ شاید پاکستان بناتے وقت ہم کو جغرافیہ کا ابتدائی سبق یاد ہی نہیں رہا۔ اور نہ ہی ہم کو یہ معلوم تھا۔ کہ پانچ دریاؤں کی سرزمین میں نہروں کا جال بھی بچھا ہوا ہے۔ جن کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ اس بھولے پن کا کیا جواب؟ ملک کی غیر منصفانہ تقسیم نے ہمارے دریاؤں اور نہروں کے بھی غیر قدرتی ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ اور ہم اپنے جائز پیدائشی حقوق سے بھی محروم ہو گئے تھے۔ بلکہ پانی تک کے لئے غیروں کے محتاج ہیں۔ ہماری زرخیز زمینیں بنجر اور بیابان ہونے لگیں۔ اور جو دریا اور نہریں ہمارے پاس موجود ہیں اُن کا حشر بھی سب کو معلوم ہے برطانوی حکام نے اپنے ملک کے دریاؤں اور نہروں کی پوری حفاظت کر رکھی ہے۔ اور اُن سے بہت ہی فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ پانی کی حفاظت اور تقسیم کا برطانیہ میں بہت عمدہ نظام ہے۔ پاکستان میں شاید وضو اور غسل کے لئے بھی نہرو سے پانی مانگنا پڑے۔ شاید امریکہ کو تار دیا جائے۔ کہ پاکستان کو پانی کے جہاز بھر کر بھیجے جائیں۔ دوست کی دوستی سے پورا فائدہ اٹھانا اسی کو کہتے ہیں۔ پانی کا قحط اب بھی پاکستان کے بہت سے علاقوں

میں پایا جاتا ہے - جسے صرف امریکہ ہی دور کرسکتا ہے - ورنہ خدا تو نااہل بندوں کی دعائیں کبھی نہیں سنتا - برطانیہ کے چھوٹے چھوٹے دریا اور ننھی ننھی نہریں تو اس قدر پانی مہیا کرتی ہیں - کہ برطانیہ پانی کے معاملے میں کبھی بھی شکایت نہیں کرسکتا - ہمارے پاس انگریزی کی نقالی تو پائی جاتی ہے - لیکن پانی کی کمی ہے - دلیسی صاحب لوگوں کو اس کی چنداں پرواہ نہیں پانی کی کمی کو پورا کرنا بھلا کونسی فیشن کی بات ہے -

---

تبصرۂ عام

برطانیہ نے آئرلینڈ کو سب سے پہلے اپنی نوآبادی بنایا - بعد میں ویلز اور اسکاٹ لینڈ پر قابض ہوگیا - آئرلینڈ والوں کو نوآبادی بننا منظور نہ تھا - لہٰذا وہ برطانیہ کے خلاف لڑتے رہے - جس کے نتیجہ میں ملک کو دو حصوں میں تقسیم ہونا پڑا - شمالی آئرلینڈ برطانیہ کے پاس ہی رہا - جنوبی آئرلینڈ آزاد کر دیا گیا - لیکن جنوبی آئرلینڈ کی آزادی محض مذاق بن چکی ہے گویا آئرلینڈ والوں کو اپنی چراگاہوں میں گھاس کاٹنے کی مکمل آزادی ہے - ورنہ روزی کمانے کے لئے وہ بال بچوں سمیت برطانیہ کا سفر کرتے ہیں - آئرلینڈ والوں کی کثیر تعداد اپنے ملک سے بھاگ کر برطانیہ اور غیر ممالک میں جاکر آباد ہوگئی ہے - یہ تو آئرلینڈ کا معاملہ رہا جو برطانیہ کے ہاتھوں زخمی ہوا - لیکن برطانیہ نے حبشیوں کو بھی ایک وقت غلام بناکر اپنی تجارت کے بازار کو گرم رکھا - لورپول اور برسٹل کی بندرگاہیں محض غلاموں کی تجارت کی وجہ سے مشہور ہوئیں - تجارتی جہازوں کے مالکوں اور انگریزی امرا نے اس غلامی کی تجارت سے خوب فائدہ اٹھایا - حتیٰ کہ شاہی خاندان کے افراد نے بھی غلاموں کی تجارت میں شرکت کی اور سرمایہ اپنا نفع وصول کرتے رہے -- جب غلاموں کی تجارت میں نفع ہونے کی امید نہ رہی - اور یہ کاروبار زیادہ منافع نہ دے سکا - تو انسداد غلامی کا قانون منظور کیا گیا - تاکہ کوئی اور طاقت اس تجارت سے فائدہ نہ اٹھا سکے - خاص کر پرتگیزی اور ہسپانیہ کے لیڈروں کو اس تجارت سے روکنے کے لئے یہ قانون منظور کیا گیا - غلاموں کی تجارت کے علاوہ برطانیہ نے ہندوستان - افریقہ اور دیگر مشرقی مقبوضات کی دولت

بھی اپنا قبضہ کر ڈالا - ان ممالک کی خام اشیا مثلاً چائے - ربڑ - شکر - کیلے - کانی اور تانبا وغیرہ بہت سستے داموں اور کثیر تعداد میں حاصل کیا گیا - برطانوی افواج کے خرچ کو ان ممالک پر زبردستی ٹھونسا گیا - یعنی برطانوی فوجوں کی اجرتوں - رہائش - خوراک وغیرہ تمام اخراجات نو آبادیات کو برداشت کرنے پڑے - جب نوآبادیات سے یہ خرچ پورا نہ ہو سکا - تو اُن کو آزاد کر دیا -

برطانیہ کی موجودہ خوش حالی اور دولت مندی صرف چند صدیوں کی نو آبادیاتی لوٹ کھسوٹ سے پیدا ہوئی - آج کا برطانیہ بین الاقوامی بینک بنا ہوا ہے - سونا چاندی ملک میں جمع ہو چکا ہے - قیمتی معدنیات کی خریداری اس ملک کے تاجروں کے پاس ہے - سونا - ربڑ ٹین - جواہرات وغیرہ تمام اشیاء برطانیہ کے قبضہ میں آ چکے ہیں - اور سارا ملک صنعتی کارخانوں سے بھرا ہوا ہے - برطانوی اقتصادی نظام برابر اپنی لوٹ کھسوٹ میں مصروف ہے - جن علاقوں میں کبھی خوشیاں تھیں - لوگ محفلیں رچایا کرتے تھے - مشاعرے منعقد ہوتے - ناچ رنگ کی محفلیں منعقد ہوا کرتیں - کھیل تماشے کئے جاتے - شادی بیاہ پر لاکھوں روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا - اور کوئی بھی فضول خرچی پر بحث نہ کرتا - ہر طرف ہنسی خوشی چھائی ہوئی تھی - ملک میں ہر طرف خوشحالی اور فارغ البالی تھی - مگر آج انہی علاقوں میں برطانوی لوٹ کھسوٹ کی پالیسی کی وجہ سے وہاں غربت - افلاس اور مصائب ہر طرف موجود ہیں - کالی مخلوق خدا روٹی کو ترستی ہے - کپڑے کی محتاج ہے - گھاس کے جھونپڑوں میں بسر اوقات کرتی ہے - برطانیہ جو کبھی افلاس اور غربت کا گھر تھا - وہاں تو غربت کا خاتمہ ہو چکا ہے - لیکن برطانوی مقبوضات میں غربت اور افلاس نے اپنے ڈیرے دائمی طور پر جما دیے ہیں -

آئرلینڈ کی تحریک آزادی کو کچلنے کے لئے ملک کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا - اور اُس کے دونوں حصوں کو اقتصادی طور پر کمزور کر کے اپنا غلام بنایا - مصر کے ساتھ بھی برطانیہ نے یہی رویہ اختیار کیا - مصری عوام ہمیشہ برطانیہ کے اقتدار کے خلاف جہاد کرتے رہے ۱۹۲۲ء میں مصر کو سیاسی طور پر آزادی کی اُمید ملائی لیکن اس اعلان کے ساتھ ہی چند شرائط کی پابندی اس طور پر لگائی - مثلاً مصر میں برطانوی سلطنت کے رسل و رسائل کی حفاظت - مصر کا دفاعی نظام - اقلیتوں کا تحفظ - سوڈان اور مصر کے خارجہ تعلقات پر سیاسی اقتدار وغیرہ یہ سب کچھ برطانوی حکومت نے اپنے پاس ہی محفوظ رکھے - گویا

ظاہری طور پر مصر آزاد کیا گیا۔ مگر اصل اقتدار انگریز کے پاس ہی رہا۔ مصر کی قومی خود داری ان شرائط کو آسانی سے برداشت نہ کر سکتی تھی۔ لہٰذا اس نام نہاد آزادی کے خلاف تحریک اُٹھ کھڑی ہوئی۔ تاہم مصر کو زبردستی مجبور کیا گیا۔ کہ وہ برطانوی شرائط کو منظور کرے۔ فواد کو بادشاہ مقرر کیا گیا۔ اور مصری وزیر اعظم کا بھی برطانیہ نے ہی انتخاب کیا سارے مصر میں مارشل لا نافذ ہوا۔ جو ۱۹۲۳ء تک رہا۔ مگر ۱۹۵۲ء میں برطانیہ اور مصر کے درمیان سویز کے علاقہ سے برطانوی فوجوں کے انخلا کے بارے میں گفت و شنید کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس سے پیشتر ۱۹۵۱ء میں مصری حکومت نے ۱۹۳۶ء کے اینگلو مصری معاہدہ کے خلاف بہت کچھ کہا۔ خاص طور پر سوڈان کے بارے میں زور شور سے احتجاج ہوا۔ ملک بھر میں فسادات شروع ہوئے۔ بہ امر مجبوری مصر کو سیاسی آزادی ملی۔ ورنہ برطانیہ آسانی سے مصر کو آزاد کرنے کا کوئی ارادہ نہ رکھتا تھا۔ بالآخر ناصر نے آ کر ملک کو صحیح معنوں میں آزاد کیا۔ گویا ناصر نے مشرقی ممالک کو یہ سبق دیا۔ کہ سیاسی آزادی اُسی صورت میں مکمل ہو سکتی ہے۔ جب برطانیہ کا اقتصادی دباؤ ختم کیا جائے۔ برطانیہ نے جن مقبوضات کو سیاسی آزادی دی۔ وہ ابھی تک برطانیہ کے اقتصادی غلام ہیں بلکہ پسماندہ اقوام کے تمام مادی ذرائع پر برطانیہ کا ابھی تک قبضہ باقی ہے۔ گویا آزادی کے سیاسی کھلونے دے کر بیچارے سادے عوام کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مقبوضہ ممالک کے عوام یہ نہیں جانتے۔ کہ وہ دوہری غلامی میں مبتلا ہیں۔ ایک تو خود اندرونی اجارہ دار طبقہ کا ظالمانہ اقتدار اور دوسرے برطانیہ اور امریکہ کا اقتصادی غلبہ۔ سیاسی آزادی دے کر زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کیا جاتا ہے۔ اور عوام کی مشکلات میں بھی سیاسی آزادی کے بعد اضافہ شروع ہوتا ہے۔ غریب عوام چکی کے دو پاٹوں میں پس کر رہ جاتے ہیں۔ اُن کی چیخ و فریاد کو کوئی نہیں سنتا۔ بلکہ اُن کی سابقہ آزادی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اس طرح وہ ہمیشہ ظالموں اور بدمعاشوں کے شکنجے تلے پھنس جاتے ہیں۔ برطانیہ نے سیاسی آزادی دے کر چور دروازے سے ملک کی اقتصادی زندگی پر قبضہ کر رکھا ہے۔ عوام کو سنگینوں کی مدد سے دبایا جاتا ہے۔ اور دیسی حاکموں کو سامراج کا ایجنٹ بنا کر زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کیا جاتا ہے۔ اس طرح برطانیہ ذاتی ذمہ داری سے بچ جاتا ہے۔ اور ملکی انقلاب کو بھی خرید لیتا ہے۔ تاکہ آئندہ کے لئے آزادی

کی تحریک کو اُٹھنے کا موقع نہ مل سکے۔ برطانوی سرمایہ اور سامراجی مفادات کے بچاؤ کے لئے سیاسی آزادی سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ عوام اب زیادہ چیختے ہیں۔ مگر بیکار اُن کی فریاد کو کوئی بھی نہیں سنتا۔ وہ نا اہلوں اور سامراجی ایجنٹوں کے پنجۂ ظلم کا شکار ہو جاتے ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد برطانیہ اس پوزیشن میں نہ تھا۔ کہ وہ اپنے مقبوضات پر فوجی تسلط قائم رکھ سکے۔ بلکہ جنگ نے برطانیہ کا دیوالیہ نکال دیا تھا عوام کی آزادی کی تحریکیں روس سے تعلقات بڑھا رہی تھیں۔ یہ خطرہ محسوس ہوا۔ کہ کہیں روس ہی برطانوی مقبوضات پر اپنا قبضہ نہ کر ڈالے۔ لہٰذا مناسب یہی سمجھا گیا۔ کہ اپنے نفع کو جاری رکھنے کے لئے اور برطانوی سرمایہ کی حفاظت کے لئے سیاسی آزادی کا کھلونا دے کر اپنا چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ چنانچہ یہی طریقۂ کار مناسب سمجھا گیا۔ برطانوی سامراج کے ایجنٹوں نے قومی حکومتوں پر قبضہ کر ڈالا۔ بلکہ برطانیہ نے اختیارات کو ان ایجنٹوں کے سپرد کیا۔ حالانکہ یہ دیسی حکمران عوام کے نمائندہ نہ تھے۔ اور نہ ہی عوام کی مرضی کا اس میں کوئی دخل تھا۔ اختیارات کی تبدیلی اور اختیارات کو حاصل کرنے کے لئے سماجی انقلاب پیدا کرنا یہ دونوں چیزیں مختلف ہوتی ہیں۔ بلکہ عوام کی مرضی کے خلاف حکومت کا کاروبار برطانیہ اور امریکہ کی مرضی کے تحت چلنے لگا۔ جو حکومتیں ہندوستان پاکستان وغیرہ ممالک میں یکے بعد دیگرے قائم ہوئیں۔ وہ قومی انقلاب کو نظر انداز کر کے عوام سے بالا بالا برطانوی پارلیمنٹ سے اختیارات خصوصی منظور کر کے نافذ کی گئیں گویا اختیارات کا تبادلہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ ہوا۔ اور اس طرح اس کا نام حکومت خود اختیاری رکھا گیا۔ حالانکہ یہ نام نہاد آزادی غیر ملکی آقاؤں کی خوشنودی پر منحصر رہی۔ اس میں عوام کی پسند اور ناپسند کا کوئی احترام نہ کیا گیا۔ اور نہ ہی اُن کی سیاسی اور اقتصادی خواہشات کا لحاظ رکھا گیا۔ شاہی اعلان کے ساتھ جو قانونی اسمبلیاں بنائی گئیں۔ اور انہوں نے جو قوانین نافذ کئے۔ وہ بھی کیبنٹ مشن پلان کی سفارشات کے مطابق ڈھالے گئے۔ بعد برطانوی پارلیمنٹ سے اُن کی منظوری حاصل ہوئی۔ حتیٰ کہ دیسی لیڈروں کی پسند یا نہ پسند کو بھی خاطر میں نہ لایا گیا۔ بلکہ ملکی لیڈروں کو ایسے حالات سے دوچار کیا گیا۔ کہ وہ ایک دوسرے کا گلا کاٹتے رہیں۔ اور اپنے ہاتھوں عوام کی خواہشات اور جذبات کا خون کریں۔ اور ملکی انقلاب کی جڑیں کاٹ کر رکھ دیں۔ گاندھی اور لیاقت

جیسے قومی محسنوں کو گولی کا نشانہ بنایا گیا۔ ایسے قوانین کی آزادی کا کیا مقصد رہ جاتا ہے جس کو سامراج طاقتوں کی مرضی کے تحت منظور کیا جائے۔ عوام ذرا سا سر اُٹھائیں۔ تو فوج کا ڈنڈا اُن کے سروں پر مسلط کیا جائے۔ یہ جو قانونی اسمبلیاں بنائی گئیں۔ وہ بھی غیر ملکی آقاؤں کی مرضی کے مطابق۔ برطانیہ کو ہی آخری منصف قرار دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اختیارات کو غیر پسندیدہ اشخاص کے ہاتھوں منتقل نہیں کیا گیا۔ بلکہ اُن اشخاص کو یہ اختیارات سونپے گئے۔ جن پر برطانیہ کو کامل اعتماد تھا۔ پھر ایسے حالات پیدا کئے گئے کہ آزاد شدہ ممالک کافی عرصہ تک برطانیہ کے اشاروں پر ناچتے رہیں۔ پاکستان کو مختلف خطرناک حالات میں اُلجھا دیا گیا۔ کہ وہ برطانیہ کا محتاج بن جائے ورنہ امریکہ کا دست نگر بن کر رہ جائے۔ عدالتی۔ قانونی۔ انتظامی۔ سماجی۔ تعلیمی۔ اقتصادی اور دفاعی امور میں برطانوی مفادات کا زیادہ خیال رکھا گیا۔ دیسی حکمرانوں کی فرعونیت اور نااہلیت نے سامراجی مقاصد کو فائدہ پہنچایا۔ عوام کے حالات سے لاپرواہی اور غفلت برتی گئی دفاعی مشینری کو برطانیہ کے کارخانوں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے استعمال میں لایا گیا۔ غریب عوام نے جب احتجاج کیا۔ تو اُن پر لاٹھی چارج کیا گیا۔ اور گولیاں برسائی گئیں سیاسی آواز کو دبایا گیا۔ اخبارات کی آزادی کو ختم کیا گیا۔ ظلم وستم کا دروازہ کھل گیا حق گو افسانوں پر جھوٹے مقدمے دائر کئے گئے۔ مزدوروں اور کسانوں کی تحریکات کو کچلا گیا۔ جیل خانوں کو آزاد منش انسانوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ بدمعاشوں کی سرپرستی کی گئی۔ سیاسی کارکنوں پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اُن کو پیٹا گیا۔ فوجی افسروں کی بدمزاجی۔ رعونت اور فرعونیت میں اضافہ ہو گیا۔ اور وہ اپنے آپ کو عوام سے بالاتر اور علیحدہ طبقہ خیال کرنے لگے۔ دوزخ نے اپنے سارے دروازے کھول دیئے تاکہ غریب عوام گرم آگ میں جھلس جائیں اور فریاد تک نہ کر سکیں۔ بدمعاشی اور اجارہ داری کا ملاپ ہو گیا۔ گویا اقتدار کی تبدیلی نے کوئی نمایاں فرق پیدا نہیں کیا بلکہ اختیارات کی تبدیلی نے ظالمانہ شکل اختیار کر لی۔ کیونکہ اصلی انگریزوں کی جگہ نقلی انگریز آ دھمکے۔ جو اصل کی اچھی چیزوں کی نقل نہیں۔ بلکہ انگریزیت کے بُرے عناصر کی ملاوٹ ہیں۔ یہ دیسی صاحب لوگ دراصل اپنی گزشتہ تاریخ سے کٹ چکے ہیں۔ جس کے باعث وہ سیاسی رقابت۔ نفع اندوزی اور عہدوں کے لالچ میں بری طرح گرفتار ہو گئے۔ وہ

اپنی گزشتہ تاریخ کا روحانی سبق بھول گئے ۔ اور سامراجی طاقتوں کے ایجنٹ بن کر کام کرنے لگے ۔ چونکہ اُن کی انسانیت مسخ ہو چکی ہے ۔ اور وہ اپنے اردگرد کے ماحول سے بھی لاپرواہ ہیں ۔ اس لئے ملکی مصائب کو کم کرنے کے بجائے وہ زیادہ بڑھاتے ہیں اُن کی زندگی کا مقصد یہی رہ گیا ہے کہ سرمایہ اور طاقت اکٹھی کی جائے ۔

وہ تخلیقی صلاحیتوں سے بالکل عاری ہوتے ہیں ۔ چنانچہ آرٹ فنون لطیفہ ۔ فن تعمیر ۔ موسیقی اور دیگر علوم وفنون سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے ۔

اُن کا زیادہ وقت ذاتی عیش و عشرت میں صرف ہوتا ہے

اُن کو اپنی روزمرہ زندگی کی حیوانی ضرورتوں کو پورا کرنے سے فرصت نہیں ملتی ۔ بلکہ وہ اپنی ذاتی ضرورتوں کو بڑھاتے رہتے ہیں ۔ اور ذخیرہ اندوزی کی لت میں پڑے ہوئے ہیں لالچ ۔ فریب اور دھوکہ دہی جیسے شیطانی ہتھیاروں سے کام لیتے ہیں ۔ ایسی حالت میں وہ اپنی تعمیری صلاحیتوں کو اُبھرنے کا موقع نہیں دے سکتے ۔ ملک میں آرٹ گیلریاں عجائب گھر ۔ یونیورسٹیاں اور لائبریریاں بالکل بے توجہی کا شکار ہیں ۔ علم و ادب کی نہریں سب خشک ہو چکی ہیں ۔ گویا انگریز نے اقتدار کی باگ ڈور ایک ایسے گروہ کے ہاتھوں منتقل کی ۔ جس کو انسانیت سے کچھ بھی رابطہ نہیں ۔ اور یہی سامراجی چال ہے ۔ جس کا فائدہ سامراجی طاقتوں کو پہنچ رہا ہے ۔ برطانیہ نے جو سرمایہ اپنے سابقہ مقبوضات میں لگا رکھا ہے ۔ وہ ایک خفیہ راز ہے ۔ اور اس سرمایہ سے جو نفع یا سود وہ کھاتا ہے اُس کا اندازہ ہی نہیں اس سرمایہ کو محفوظ رکھنے کے لئے مقبوضات کو سیاسی آزادی دی گئی ۔ یہ خیال کہ برطانیہ اپنی گزشتہ لوٹ کھسوٹ اور سامراجی ذہنیت کو خیرباد کہہ کر توبہ کر چکا ہے ۔ محض ایک خام خیالی ہے ۔ اور عین دھوکہ بازی ۔ دراصل سیاسی آزادی کا کھلونا برطانیہ کی سیاسی چال ہے ۔ سیاسی آزادی کے ذریعے برطانیہ نے اپنا اقتصادی غلبہ بہت مضبوط کر دیا ہے ۔ جس سے سیاسی آزادی برائے نام رہ گئی ہے ۔ بلکہ ایک قومی مذاق بن چکی ہے ۔ عدن میں برطانیہ ابھی تک بیٹھا ہوا ہے ۔ اور عدن کے چور دروازے سے برطانوی مصنوعات کو بلیک مارکیٹ میں فروخت کر کے ایشیائی سرمایہ کی لوٹ کھسوٹ میں معروف ہے ۔ نیز عدن میں بیٹھ کر وہ یمن پر قبضہ جمانے کی فکر میں ہے ۔ کئی دفعہ وہ یمن پر فوجکشی کر چکا ہے ۔ خلیج فارس کے علاقوں پر ابھی تک برطانوی پرچم لہراتا ہے

یعنی کویت - بحرین - قطار - مسقط اور عمان وغیرہ تمام علاقوں پر برطانیہ کا قبضہ ہے مسقط اور عمان ہمیشہ برطانیہ کے اشاروں پر چل کر آپس میں لڑتے رہتے ہیں - اور اس بندر بانٹ سے برطانیہ فائدہ اٹھاتا ہے - کئی دفعہ وہ عمان پر بمباری کر چکا ہے - ایران پر برطانیہ نے مرتے دم تک قبضہ نہ چھوڑا - حتیٰ کہ ڈاکٹر مصدق نے برطانیہ کو زبردستی اپنے ملک سے باہر نکال دیا - مگر برطانیہ نے امریکہ سے مل کر دوبارہ ایران کی اقتصادی زندگی پر قبضہ کر دیا نہر سویز پر برطانیہ نے آخر تک اپنا غلبہ نہ چھوڑا - جبکہ ناصر نے زبردستی سے اس سے نہر کو چھین لیا - برطانیہ نے اپنا غلبہ دوبارہ قائم کرنے کے لیے فرانس اور اسرائیل سے مل کر مصر پر فوج کشی شروع کر دی - مگر مجبوراً اُسے وہاں سے ہٹنا پڑا - اُردن کا علاقہ برطانوی اثر و رسوخ میں شامل ہے - اور اُردن کا پلستہ قد بادشاہ انگریزوں کا "خوشامدی بچہ" کہلاتا ہے - کرنل لارنس اور گلب پاشا کی روحیں ابھی تک مشرق وسطےٰ میں زندہ گھوم رہی ہیں - عراق میں برطانیہ نے اپنا سیاسی جال پھیلا رکھا ہے - اور اس ملک کے تیل پر قابض ہے - اور اس تیل سے اس قدر نفع حاصل کرتا ہے - کہ اپنے ملک کی فولادی اور جہاز سازی صنعتوں سے بھی اس قدر نفع حاصل نہیں کر سکتا - اسی مقصد کے پیش نظر عرب ممالک کو ایک دوسرے سے لڑانے اور علیحدہ رکھنے میں برطانیہ ساری عمر سیاسی چالیں کھیلتا رہا - اور عربستان کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا - اور ہر ایک عرب ملک آج کل ایک دوسرے سے خوف زدہ ہے - ہندوستان اور پاکستان کی تحریک آزادی کو مدتوں کچلا - اور ان ممالک کو اپنی اقتصادی مصلحتوں کے پیش نظر غلام بنائے رکھا مجبوراً ۱۹۴۷ء میں اُسے اپنا سیاسی قبضہ اُٹھانا پڑا - تاکہ وہ اقتصادی اثر و رسوخ زیادہ مضبوط کر سکے - چنانچہ ہندوستان اور پاکستان دونوں برطانیہ کے اقتصادی طور پر بدستور غلام ہیں - اور برطانیہ نے ان دونوں ممالک کی روایتی بیوقوفی سے خوب فائدہ اُٹھایا گویا دو سو سالوں کی کسر پوری کر دی - ہندوستان کی اسلام دشمنی نے برطانیہ کو کافی مدد پہنچائی - سویز کا حادثہ بجائے خود اس امر کا ثبوت ہے - کہ برطانوی ذہنیت اور قومی اخلاق کس ذہنیت کا ہے - کہ وہ ہر قسم کی ذلیل حرکت کرنے سے نہیں شرماتا - ہٹلر نے اپنی حرکتوں پر منافقانہ پردہ نہیں ڈالا - مگر برطانوی ہٹلر اپنی منافقانہ چالوں پر پردہ ڈالنے کی وجہ سے کافی مشہور ہیں - بلکہ تاریخ کے سب سے بڑے ظالم - ڈاکو اور خونی

کہلاتے ہیں۔ نہر سویز کی مہم میں برطانیہ نے من مانی کاروائی کی۔ اور مصر جیسے کمزور ملک کے خلاف طاقت استعمال کی۔ کیا عجب کہ وہ آئندہ بھی ایسی حرکت دوبارہ دہرائے۔ برطانیہ سویز کا انتقام لینے کا ابھی تک ارادہ رکھتا ہے۔ یہ بھی ہمارے زمانہ کا ایک المناک اخلاقی حادثہ ہے کہ خطرناک جنگی ساز و سامان اُن لوگوں کے قبضہ میں ہے۔ جن کا کوئی اخلاقی ضمیر نہیں جو اپنی مجرمانہ حرکتوں پہ طفلانہ اور منافقانہ پردہ ڈالتے ہیں۔ جو یہ نہیں جانتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ وہی اشخاص آج تباہی و بربادی کے مکمل سامان کے اجارہ دار ہیں۔ جن کی وجہ سے ساری دنیا آناً فاناً موت کے گھاٹ اتاری جا سکتی ہے۔ کم از کم کمزور ممالک کے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ اخلاقی مجرم اپنی ذلیل حرکتوں پر پردہ ڈالنے کے لئے ذلیل دلائل پیش کرتے ہیں۔ اور اس طرح اپنی ظالمانہ حرکات سے باز نہیں آتے۔ جن کی یہ خواہش رہتی ہے۔ کہ جنگ کو روکنے کے لئے جنگی تیاریاں جاری رکھی جائیں۔ وہ دُنیا کو جہنم بنانا چاہتے ہیں۔ اور دوسروں کو اپنے مفاد کی خاطر جہنم کی آگ میں دھکیلنے سے بھی باز نہیں رہتے۔ جو ڈاکٹر مصدق کو نہیں بھول سکتے۔ اور نہر سویز کا انتقام لینے کی فکر میں ہر وقت مصروف رہتے ہیں۔ گویا وہ شیطان کے سب سے بڑے ایجنٹ ہیں۔ اگر برطانیہ کا اخلاقی ضمیر ابھی تک زندہ ہے۔ تو اسے اپنی سابقہ غلطیوں اور مظالم کا مظلوم دُنیا کو معاوضہ دینا چاہئے۔ غیر ملکی امداد تو کمزور ممالک کو زیادہ کمزور بنانے اور اپنی مدھم تجارت کو فروغ دینے اور زیادہ سے زیادہ جھکانے اور ترقی دینے کا ایک تجارتی بہانہ ہے۔ برطانیہ کو دُنیا کے تبدیل شدہ واقعات سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ مگر برطانیہ اپنی گزشتہ عظمت و شان و شوکت دوبارہ حاصل کرنے کے لئے کمزور ممالک کو اپنا آلہ کار بنانا چاہتا ہے۔ برطانیہ کا دل و دماغ قابو سے باہر ہو چکا ہے۔ نہر سویز کی ناکامی سے برطانیہ نے کچھ بھی سبق نہیں سیکھا اور نہ ہی وہ اپنی طفلانہ شیطانی حرکتوں سے باز آیا۔ بلکہ اُن شیطانی حرکات میں اضافہ ہو چکا ہے۔

برطانوی سلطنت کو پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ پر ہی زوال آنا شروع ہو گیا تھا۔ جو دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر مکمل ہو گیا۔ مگر سامراجی روح ابھی تک ختم نہ ہو سکی۔ گو

سلطنت اور شہنشاہیت کی ظاہری شکل و صورت ختم ہو گئی ہے۔ صدیوں تک برطانیہ کی ظاہری خوش حالی اور شان و شوکت پس ماندہ اقوام کی لوٹ کھسوٹ سے قائم رہی برطانیہ کے جسم میں دوسری قوموں کا خون نچوڑ نچوڑ کر داخل کیا گیا۔ جب سرمایہ داری کے خلاف روس میں انقلاب پیدا ہوا۔ تو اس کے اثرات پس ماندہ اقوام میں بھی پہنچے امریکہ، مشرقی یورپ۔ مغربی یورپ۔ چین اور دیگر ایشیائی ممالک میں بھی انقلابات پیدا ہونے لگے۔ چنانچہ برطانیہ کو خیریت اس میں نظر آئی۔ کہ انقلاب کا منہ بند کر کے اور اپنی جان بچانے کے لئے بہترین صورت یہی ہے کہ ہندوستان و پاکستان کو آزاد کیا جائے۔ اور دوسری نو آبادیات کو بھی سیاسی آزادی دی جائے۔ تاکہ برطانوی سرمایہ اور تجارتی مراعات کو نقصان نہ پہنچ سکے۔ بلکہ برطانیہ کا اخلاقی ضمیر اس قدر مردہ ہو چکا تھا۔ کہ وہ انقلابات کے سیلاب کو زیادہ دیر تک نہ روک سکا۔ برطانوی اجارہ داری کو اس میں اپنی نجات نظر آئی۔ کہ سیاسی آزادی کو جلد از جلد دیسی حاکموں کے پاس منتقل کیا جائے۔ جو قوم صدیوں تک دوسری قوموں کا خون چوس چوس کر زندہ رہی۔ اور جس نے اپنی مقبوضات کو قائم رکھنے کے لئے اور کالی مخلوق کی لوٹ کھسوٹ کو جاری رکھنے کے لئے برطانوی عوام تک کو دھوکا دیا۔ یکایک اپنی رہی سہی ساکھ کھونے لگی

دوسروں کو غلام بنانے والی قوم خود امریکہ کی غلام

بن گئی۔ یہ زوال واقعی برطانوی تاریخ کا ایک شرمناک اور ذلیل باب کہلاتا ہے دوسری جنگ عظیم نے برطانیہ کا دیوالیہ نکال دیا تھا۔ مجبوراً امریکہ نے برطانیہ کا بوجھ ہلکا کیا۔ برطانوی مقبوضات کی سیاسی آزادی نے امریکہ کے اقتصادی غلبہ کے لئے راستہ ہموار کیا۔ آج برطانیہ کا ۴۰ سرمایہ امریکہ کا ہے ۱۹۵۸ء تک امریکہ برطانیہ پر قابض ہو گیا تھا۔ مگر برطانیہ کی اقتصادی لوٹ کھسوٹ ابھی تک ختم نہیں ہو سکی۔ کینیا برطانیہ کے ہاتھوں برباد ہو چکا ہے۔ سیلون سے برطانیہ برابر نفع حاصل کر رہا ہے۔ برما کا خون بدستور چوس رہا ہے۔ ملایا سے نفع ابھی تک لیا جاتا ہے۔ غرضیکہ جنگ میں برطانیہ کے دیوالیہ پن کا زیادہ بوجھ کمزور اور آزاد شدہ پس ماندہ ممالک پر پڑا۔ اور برطانیہ نے اپنی اقتصادی حیثیت مضبوط کر ڈالی۔ گو تازہ تازہ آزاد ممالک بالکل برباد کر دیئے گئے برطانیہ نے سیاسی میدان کی شکست کا بدلہ اقتصادی میدان کی فتح سے لے لیا۔ آج

کا برطانیہ اپنی تاریخ کا سب سے زیادہ مالدار اور خوشحال و فارغ البال برطانیہ بن چکا ہے لیکن پس ماندہ اقوام کو اس مقصد کے لیے قربان ہونا پڑا - خام اشیا کی قیمتیں گھٹ گئیں - تازہ آزاد ممالک کو ناقص اور ناکارہ مشنری اور اسلحہ فروخت کر کے برطانیہ نے زر مبادلہ کمایا - نیز برطانیہ اپنی سیاسی ذمہ داریوں کے اخراجات سے بھی بچ گیا - کیونکہ برطانوی مقبوضات میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے برطانیہ کو بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی تھی - یہ کام فوجی ڈکٹیٹر شپ اور دیسی حاکموں نے آسان کر دیا - اور برطانیہ کو بچت وصول ہوئی - ملکی حکمرانوں نے ڈنڈے کے زور سے اور فوجی سنگینوں کی مدد سے امن و امان قائم کیا - گو برطانیہ کی ذمہ داری ختم ہو گئی - مگر اس نے دل کھول کر اپنی لوٹ کھسوٹ کو اطمینان اور پوری آزادی کے ساتھ جاری رکھا - جب انگریز نو آبادیات پر خود قابض تھا - تو مزدوروں اور کسانوں کی حالت اس قدر تباہ حال اور برباد نہ تھی - جس قدر انگریز کے چلے جانے کے بعد ہوئی - سیاسی آزادی کا دیسی حکمرانوں کے ایک مختصر طبقہ کو زیادہ فائدہ پہنچا - عوام اقتصادی مشکلات میں بُری طرح مبتلا ہو گئے - اور انگریزی طاقت نے پردے میں بیٹھ کر پس ماندہ اقوام کا خون نچوڑنا شروع کر دیا - ملکی فوجوں کی باگ ڈور برطانوی دفاع سے منسلک کی گئی - برطانوی ماہرین ملکی نظام پر بدستور خود مختارانہ حیثیت سے قابض رہے - جو وہ اپنی من مانی کارروائیوں میں پوری طرح آزاد ہیں - ملکی حکمرانوں کے علاوہ برطانیہ اور امریکہ کے اجارہ دار بھی اپنی اقتصادی سیاسی گرفت مضبوط کر چکے ہیں - بعض حلقوں میں کہا جاتا ہے - کہ برطانوی سامراج تو ختم ہو چکا ہے - کیونکہ ہندوستان - پاکستان - سیلون - برما - ملایا - سنگاپور - گانا اور نائیجریا وغیرہ ممالک یکے بعد دیگرے آزاد ہو گئے ہیں - مگر یہی سامراجی چال کی کامیابی ہے - کہ سیاسی آزادی تو صرف چند مٹھی بھر گروہ کو منتقل کر دی گئی - جو برطانوی کلب کے ممبر بنا دیئے گئے - لیکن عوام کا بوجھ ابھی تک ہلکا نہیں ہوا - بھلا ایک شہری کے ووٹ کی کیا قیمت اور وقعت ہو سکتی ہے - (حالانکہ بعض ممالک میں ووٹ کو فوجی انقلابات نے بھی چھین لیا) جن کے عوام اقتصادی طور پر اپنے ملکی کارخانہ داروں کے غلام بن جائیں - اور وہ کارخانہ دار ملک کی تمام دولت کو اکٹھی کر کے برطانیہ کے سپرد کر دیں - اور سارے ملک کو برطانیہ کا محتاج اور پابند بنائیں محض سیاسی آزادی سے عوام کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا - صرف چند ملکی کارخانہ دار دولت کے اجارہ دار بن گئے - کپتان ترقی کر کے میجر بن گئے - جو انگریزی بنگلوں میں ٹھاٹ سے رہنے لگے

ملک کا اقتصادی ڈھانچہ بدستور برطانیہ کے قبضہ میں رہا - جو ملکی سرمایہ داروں کی مدد سے فوجی افسروں کی امداد کے سہارے ملک کی اقتصادی زندگی پر بدستور قابض ہے - عوام تو اُس وقت آزاد بن سکتے ہیں - جبکہ غربت کا خاتمہ ہو - اقتصادی فارغ البالی ہو - ملکی پیداوار اور دولت کی مساویانہ تقسیم کی جائے -

برطانوی سامراج نے اپنے بچاؤ کے لیے سیاسی آزادی سے فائدہ اٹھایا - اِن لوٹ کی سیاست جو نفع اندوزی کا مجسمہ ہے ابھی تک موجود ہے - تمام افریقہ کو سفید نسل کے آبادکاروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا ہے - کالی مخلوق کو برطانیہ کی ذاتی اغراض پر قربان کیا گیا ہے - ہندوستان پاکستان اور دیگر برطانوی نوآبادیات کی موجودہ اقتصادی مشکلات محض برطانیہ کی پیدا کردہ ہیں - سیاسی آزادی نے نوآبادیات کی خام اشیا کی قیمتیں بہت گھٹا دیں - جس سے برطانیہ کو بہت کم خرچ کرنا پڑا اور برطانوی عوام ارزاں قیمت پر زیادہ تعداد میں تمام اشیا حاصل کرنے لگے - اور اُن کا معیار زندگی بلند ہو گیا -

---

مشرقی ممالک کی سیاسی آزادی دراصل برطانوی فرعونیت اور بدتمیزی کا انسانی ردّ عمل ہے - اس معاملے میں چینی اور جاپانی زیادہ خوددار اور باشعور ثابت ہوئے - جنہوں نے انگریزوں کے سیاسی و اقتصادی دونوں غلبوں کا خاتمہ کیا اور اپنی آزادی کو آخر دم تک برقرار رکھا - قومی غیرت سے کام لے کر ذاتی خود اعتمادی کا ثبوت دیا - پاکستان کا معاملہ ہی علیحدہ ہے - اگر ہندو اپنی مسلم دشمنی سے کام نہ لیتے - اور انگریز سے مل کر مسلمانوں کے خلاف غداری نہ کرتے - تو آج پاکستان نظر نہ آتا - آج ایشیا کا نقشہ ہی دوسرا نظر آتا - گویا ہندوؤں کی غداری اور چند مسلمان غداروں کی مدد سے انگریز سارے ہندوستان پر قابض ہو گئے ہندوؤں سے سازش کر کے انگریزوں نے دوسرے ایشیائی ممالک پر قبضہ کر ڈالا بلکہ ہندوؤں کی مدد سے ہی اسلام اور مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا - ہندوؤں کو خوش رکھنے کے لئے پاکستان بھی بالآخر کمزور اور لنگڑا کر دیا گیا -

ایک زمانہ تھا - جب پہلے پہل ہندوستانی مسلمانوں کو لوٹ کر انگریز جب برطانیہ واپس لوٹے - تو وہاں اُن کو "نواب" کہا جاتا تھا - حالانکہ انگریزی نوابی کسی مسلمان نوابوں کو ختم کر کے حاصل کی گئی تھی - کروڑوں انسانوں کو غربت اور مصیبت اٹھانی پڑی - پاکستانی

دیہات جہاں دودھ - دہی - مکھن - گھی اور اناج کی بہتات تھی - اور عام دیہاتی رات کو ریشمی لحاف اوڑھ کر سوتا تھا - برطانیہ کے تہذیبی مشن کے طفیل چند برسوں میں بھوکا - ننگا اور افلاس زدہ بن گیا - ہمارے ملک کی مہمان نوازی ہمارے ملک کی خوش حالی کا ثبوت پیش کرتی ہے - نیز شادی بیاہ کی پُر تکلف تقریبات بھی ملک کی فارغ البالی کی شہادت دیتی ہیں - آج مہمان نوازی اور شادی بیاہ کے پُر تکلف اخراجات محض افسانہ بنتے جا رہے ہیں - پاکستانی کسان گزشتہ ہزارہا سال کی تہذیب کا وارث رہا ہے - اور بہت سی خوبیوں کا مالک ہے - لیکن انگریزی سامراج نے وہ سب کچھ مٹا دیا - موجودہ نقلی صاحب لوگوں کے گروہ کا نفسیاتی مطالعہ کیا جائے - تو پتہ چلتا ہے - کہ انگریز اپنے سامراجی مقاصد میں کامیاب ہو چکا ہے - آج کا دیسی صاحب اپنے ہم وطنوں کا سب سے بڑا دشمن اور قاتل ہے انگریز کا سیاسی دباؤ قائم رکھنے میں دیسی حکمرانوں کا زیادہ ہاتھ رہا ہے - انگریز خود تو قدامت پسند ہے اور اپنی قدیم روایات کا سختی سے پابند رہتا ہے - مگر دیسی صاحب لوگ اپنی گزشتہ قومی روایات سے کٹ چکے ہیں - اور انگریزیت کی اشتہار بازی سے اس قدر مرعوب ہو چکے ہیں - کہ وہ پاکستانی روایات سے ہی متنفر ہیں - اور برطانوی سامراج کو ترقی دینے میں ہر ممکن کوشش کرتے رہتے ہیں - بلکہ سامراجی طاقتوں کے وفادار خادم کہلاتے ہیں

برطانیہ کی لیبر پارٹی بھی برطانوی سامراج کی لوٹ کھسوٹ کو بند کرنے میں خاموش رہی ہے - بلکہ وہ تو یہ جد و جہد کرتی رہی ہے - کہ اس لوٹ کھسوٹ میں برطانوی عوام کو بھی کو برابر کا شریک کیا جائے - اور منافع کی رقم میں سے کچھ حصہ اُن کو بھی تقسیم کیا جائے۔ چنانچہ کالی مخلوق کی لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے برطانوی عوام کا معیار زندگی بلند ہونے لگا اور اُن کی اُجرتوں میں برابر اضافہ ہوتا رہا - گویا چوری کی چوری میں دوسرے چور بھی برابر کے شریک بن گئے - چنانچہ برطانوی مزدوروں کی اجرت میں ۱۸۵۰ء سے ۱۸۷۵ء کے عرصہ میں ۳۳٪ اضافہ ہوا - یہ زمانہ برطانوی سامراج کا تھا ۱۸۷۵ء سے ۱۹۰۰ء میں ۴۰٪ اضافہ ہوا - ۱۹۰۶ء میں لیبر پارٹی کے قیام نے اس جد و جہد کو زیادہ منظم کر دیا مزدوروں اور کسانوں کی اُجرتوں میں مزید اضافہ ہوا برطانوی عوام کی اقتصادی مشکلات کا کالی مخلوق کی لوٹ مار سے خاتمہ ہونے لگا - صدیوں تک برطانیہ دائمی طور پر افلاس زدہ اور غریب رہا

ہے کہ بمشکل اپنا گزارہ کر سکتا تھا۔ کالی مخلوق کی لوٹ کھسوٹ نے اُن کی اقتصادی زندگی میں نمایاں تبدیلی پیدا کر دی۔ نیز دولت کی وافر فراہمی نے ملک میں اُجرتوں کو بڑھایا اور اندرونِ ملک دولت کی منصفانہ تقسیم نے معیارِ زندگی کو بلند کیا۔ بلکہ برطانیہ عوامی انقلاب سے محفوظ ہو گیا۔ سرمایہ دار بھی عوام کی طرف سے مطمئن ہو گئے۔ لیبر پارٹی کی تحریک نے سرمایہ داروں کو مجبور کیا۔ کہ اُجرتوں کو بڑھائیں۔ گویا نو آبادیات کے عوام کو مزید اقتصادی مشکلات میں مبتلا ہونا پڑا۔ کیونکہ ان اُجرتوں کے اضافہ کو نو آبادیات سے ہی وصول کیا گیا۔ خام اشیا کی قیمتیں بتدریج گھٹا دی گئیں۔ برطانوی برآمدی تجارت زیادہ پھیلنے لگی۔ نو آبادیات سے چھنی ہوئی دولت بطور خیرات یا خطیبات اضافہ اُجرت کی صورت میں برطانوی عوام میں تقسیم ہوئی۔ یعنی لال دین اور گنگا رام کو لوٹ کر جانی واکر کی جیب گرم کی گئی۔ مہذب چوری کوئی برطانیہ سے سیکھے۔ دراصل برطانیہ کا صنعتی انقلاب ہی اعلیٰ معیارِ زندگی اور دولت کی فراہمی یا کالی مخلوق کی لوٹ کھسوٹ اور اقتصادی ناانصافی سے شروع ہوتا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کی دولت برطانیہ پہنچ گئی۔ اور برطانیہ دنیا کا بنک بن گیا۔ اور ہندو برطانیہ کا ایشیا میں سب سے بڑا تجارتی اور سیاسی ایجنٹ بن بیٹھا۔ غلام ممالک سے سستے داموں خام مال برطانیہ بھیجا جاتا۔ اور مہنگے داموں برطانوی کارخانوں سے سامان طیار کر کے غلام ممالک میں فروخت کیا جاتا تھا۔ برطانیہ نے اس تجارت کی حفاظت کے لیے اپنا بحری بیڑا قائم کیا۔ اور اُسے اس قدر طاقتور بنایا۔ کہ دُنیا بھر میں برطانیہ کا بحری بیڑا ہی اولیں سمندری طاقت بن گیا۔ اور برطانوی اقتدار مختلف ممالک پر قائم ہو گیا۔ اور ہر جگہ برطانوی پرچم لہرانے لگا۔ آزاد ممالک بھی برطانیہ سے دہشت کھانے لگے۔ غیر ملکی مصنوعات کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اور وہ ممالک برطانیہ کی منڈیاں بن گئے۔ حتیٰ کہ ۱۸۳۴ء میں ہندوستان کے گورنر جنرل نے یہ لکھا۔ کہ "اب تو ہندوستانی جلاہوں کی ہڈیاں ہندوستان کے کھیت میں کھاد کے طور پر استعمال ہوتی ہیں۔

برطانیہ نے چین پر زبردستی افیون ٹھونسی۔ تاکہ افیون کی تجارت سے فائدہ اُٹھائے چین سے افیونی جنگ کی یادگار ہانگ کانگ کی برطانوی نو آبادی ہے۔ جو آج بھی برطانیہ کے پاس ہے اور مشرق بعید کی دولت کو لوٹنے کے لیے اور برطانوی سرمایہ اور سلطنت کو تقویت دینے کے لیے ایشیا میں سب سے بڑی برطانوی بلیک مارکیٹ

۷ - برطانیہ گو دُنیا کو یہ دکھانے کی کوشش کرتا ہے - کہ وہ تہذیب اور انصاف کا علمبردار ہے - مگر حقیقت کچھ اور ہے - برطانیہ یہ ظاہر نہیں کرتا - کہ اُس نے نوآبادیات کو کس طرح کمزور کیا - اور اُن کی کمزوریوں سے کیسے فائدہ اٹھایا - نیز اس نے اپنی لوٹ کھسوٹ کی پالیسی کو کس طرح چلائے رکھا - نوآبادیات کو کیسے غریب بنایا - برطانیہ سے غربت کا خاتمہ کیا گیا - اپنے آپ کو مالدار بنایا اور غلام ممالک کو پس ماندہ بنا ڈالا - برطانیہ کا سایہ پڑتے ہی خوش حال اور فارغ البال آبادیاں یکایک بھوک، غربت - افلاس اور بیماری کے کھنڈرات بن گئے - اور وہ برطانوی کارخانہ داروں کے غلام بن گئے - تہذیب یافتہ ممالک بد تہذیبی کے اڈے بنا دیئے گئے - اُن ملکوں سے تہذیب و شرافت ختم ہو گئی - اور وہ خونی اور جرائم پیشہ بن گئے - اُن کا معیار زندگی گر گیا - اور مستقل تاریک ہو گیا - حتیٰ کہ وہ ایک وقت پیٹ بھر کر کھانا بھی نہیں حاصل کر سکتے - بچوں کی پرورش ناقص اور ادھوری رہ گئی ہے - اور زرعی پیداوار میں بتدریج کمی ہونے لگی علاج معالجہ ناکافی اور بہت گراں ہو گیا - تعلیمی سہولتیں مفقود ہو چکی ہیں - یہ تمام حالات برطانیہ کی بدنیتی - بد معاشی اور عوام دشمنی کا ثبوت ہیں - پولیس کا ڈنڈا نوآبادیات میں بیدریغ گھومتا ہے - لیکن برطانوی پولیس کو چھڑی تک رکھنے کی اجازت نہیں - جب ان ناانصافیوں کے خلاف احتجاج کیا جاتا ہے - تو فوج کے بیدردانہ استعمال سے آزادی کی تحریکات کو بُری طرح کچلا جاتا ہے - انگریزی کتابوں اور فلموں میں محکوم اقوام کو درندہ وحشی اور مسخرا بنا کر پیش کیا جاتا ہے - اُن کے جذبات کو مجروح کیا جاتا ہے - اور اُن کے رسومات اور قومی عادات کا تمسخر اُڑایا جاتا ہے نیز - محکوم اقوام کی تہذیبوں کا مذاق کیا جاتا ہے - تاکہ یہ ثابت کیا جائے - کہ برطانوی حکومت تہذیبی مشن لے کر نوآبادیات پر قابض ہوئی - اور تہذیب پھیلانے میں معروف ہے لیکن برطانوی تہذیب کے بارے میں یہ نہیں بتایا جاتا - کہ اس میں کس قدر بربریت اور درندگی چھپی ہوئی ہے محکوم اقوام کی خود داری کا ردّ عمل اس طرح ظاہر ہوا - کہ برطانوی غاصبوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنا اقتدار ڈھیلا کریں - چنانچہ یکے بعد دیگر محکوم اقوام آزاد ہونے لگے - ۱۹۴۱ء میں چرچل نے گویا اعلان کیا - کہ اٹلانٹک چارٹر کا اطلاق صرف یورپی اقوام پر ہے - جو نازیوں کے نیچے غلام ہیں - ایشیائی ممالک پر اُس کا اطلاق نہیں ہوتا - جو برطانوی سلطنت

کے زیر اقتدار ہیں۔ اس پریذیڈنٹ روز ویلٹ کو یہ کہنا پڑا۔ کہ اٹلانٹک چارٹر کا اطلاق ساری دنیا پر ہوگا —— جس میں ظاہراً برطانوی مقبوضات بھی شامل ہیں۔ گویا برطانوی فرعونیت اور شہنشاہیت کو پہلا کھلا چیلنج ملا۔ اس چیز نے محکوم اقوام کے حوصلوں کو زیادہ بڑھا دیا اور برطانوی سامراج کے خلاف عام جذبہ تیز ہونے لگا۔ چنانچہ برطانیہ ایشیائی ممالک اور افریقہ کی بڑھتی ہوئی آزادی کی تحریکات سے بیخ پا ہوگیا۔ لیکن وہ مخالفت کی آندھی کو نہ روک سکا۔ اور نہ ہی دنیا کو زیادہ دیر تک دھوکا دے سکتا تھا۔ چور کی چوری اور سینہ زوری کا اب ساری دنیا کو پتہ چل گیا تھا۔ اب برطانیہ اپنی چودھراہٹ کو زیادہ دیر تک قائم نہ رکھ سکتا تھا۔ اس کے مقابلے میں امریکہ اور روس جیسی طاقتیں اُبھر آئیں۔ برطانوی ذہنیت صدیوں سے مسخ ہو چکی ہے۔ وہ آسانی سے تبدیل شدہ حالات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوئی۔ آج بھی برطانیہ کے گرجاؤں میں سٹاک ایکسچینج کے دلالوں کے لئے دعائیں کی جاتی ہیں۔ جن کی خیرات سے پادری لوگ پلتے ہیں۔ جو ایٹم بم۔ ہائیڈروجن بم وغیرہ۔ اسلحہ بندی کو آسمانی باپ کا آخری تحفہ یا ہتھیار سمجھتے ہیں۔ جو عیسائیت کو بچانے کے لئے جاپان کے دو شہروں کی معصوم آبادی کو آناً فاناً برباد کرنے کے بعد یہ جاننے کی کوشش نہیں کی گئی۔ کہ اُس آبادی میں کس قدر بے گناہ معصوم بچے اور عورتیں ہلاک ہوئیں۔ اُن کی ہلاکت سے ہی ایٹم بم کے تجربات حاصل کئے گئے۔ تاکہ یہ دیکھا جائے۔ کہ ایٹم بم کے استعمال اور تباہی سے کیا اثرات پیدا ہو سکتے ہیں۔ جاپان کو اس لئے منتخب کیا گیا۔ کہ وہ یورپی برادری سے باہر تھا۔ اور سفید اقوام کی خاطر قربان کیا جا سکتا تھا۔ عیسائیت کو فروغ دینے کے لئے اور برطانوی سامراج کو قائم کرنے کے لئے چینیوں کو توپوں سے داغا گیا۔ اور اُن کو زبردستی افیون کھانے پر مجبور کیا گیا۔ جنگلی حبشیوں اور امریکہ کے قبائلی باشندوں کو بیدریغ قتل کیا گیا۔ ان کے ہرے بھرے کھیتوں کو ویران کر ڈالا۔ لہلہاتی ہوئی مشرقی تہذیبوں کو ختم کر دیا۔ خوش حال شہروں کا سونا اور چاندی لوٹ کر گورے بدمعاشوں کا پیٹ بھرا گیا۔ کالی مخلوق کو برباد کیا گیا۔ اور اُن کو غلام بنا کر کتوں سے بھی بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ حتیٰ کہ اُن کی صورتیں تک مسخ کر دی گئیں۔ اور ان کی اخلاقی قوت ختم کر کے معصوم انسانوں کو مُردار بنا دیا گیا۔ بلکہ ان کی انسانیت تک ختم کر ڈالی۔ چند ناکارہ اور اپاہج گورے بدمعاشوں کی خاطر کروڑہا معصوم۔ شریف۔ مہمان نواز۔ مذہب پرست

خدا ترس اور غیرت مند انسانوں کو زندگی کی ابتدائی ضرورتوں سے محروم رکھ کر ان کی انسانیت کو ختم کر کے ان کو حیوانیت کے درجہ پر پہنچا دیا گیا۔ یہ سب کچھ اسی لیے روا رکھا گیا۔ تاکہ برطانوی سامراج زندہ رہے۔ اور لیسوع مسیح کی بھیڑوں میں اضافہ ہو۔ گوری کنجریوں اور پاگل انگریزوں کو کالی مخلوق پر حکومت کرنے کا اختیار مل سکے۔ تاکہ ساری دُنیا کو وہ اپنی طرح خنزیر بنا سکیں۔ بادہ شرابی اور جواری بنا دیئے جائیں۔ حرامی اور حلالی کی تمیز مٹ جائے انسانیت اور حیوانیت میں تمیز باقی نہ رہے۔ جرائم۔ جنس بازاری قتل و غارت۔ شراب نوشی لوٹ کھسوٹ۔ نسلی امتیازات وغیرہ سب انگریزی سامراج کی بنیاد ہیں۔ گو ظاہری چمک دمک زیادہ دلفریب اور جاذب توجہ ہے۔ لیکن اخلاقی ضمیر بہت گھناؤنا ہو چکا ہے۔

سنہ ۱۹۱۴ء سے پہلے برطانیہ دُنیا کے ½ پر قابض ہو چکا تھا۔ تاریخ میں اس سے بڑی سلطنت پہلے کبھی بھی دیکھنے میں نہ آئی تھی۔ یونان۔ مصر۔ روم اور چین کی پُرانی حکومتیں برطانوی سلطنت کے مقابلے میں ماند پڑ گئیں۔ برطانیہ کو اپنے حریفوں کا وجود تک گوارا نہ تھا۔ اور وہ کسی بھی طاقت کو اپنے مقابلے میں دیکھنا نہ چاہتا تھا۔ پہلی جنگ اس لیے لڑی گئی۔ کہ جرمنی کی طاقت کو ختم کیا جائے۔ اور برطانیہ کی برتری بحال رکھی جائے۔ جرمنی کو شکست دے کر برطانیہ خدائی فوجدار بن گیا۔ اور تمام دُنیا اُس کے مظالم کے آگے مجبور ہو گئی لیکن برطانوی شیطانیت کے خلاف بہت جلد انسانی ردعمل بھی شروع ہوا۔ مختلف برطانوی مقبوضات میں آزادی اور خودمختاری کے لیے عوام نے بغاوتیں شروع کر دیں۔ اور اسی باغیانہ ردعمل نے بالآخر ہندوستان۔ پاکستان۔ سیلون۔ برما۔ گانا وغیرہ ممالک کو آزاد کرایا۔ برطانیہ نے ہر ممکن کوشش کی کہ آزادی کی تحریکات کو زبردستی کچل کر رکھ دے۔ باغیوں کو طرح طرح کی سزائیں دی گئیں۔ ہزاروں قومی لیڈروں کو جیل جانا پڑا۔ عوام پر مظالم ڈھائے گئے جب معاملہ برطانیہ کے قابو سے باہر ہو گیا۔ تو مجبوراً اس نے اپنا اقتدار ہٹایا۔ اور اپنا بچاؤ اسی میں سمجھا۔ کہ سیاسی آزادی دے کر چھٹکارا حاصل کرے۔ برطانیہ کی یہ سیاسی چال کامیاب ثابت ہوئی۔ عین وقت پر اُس کا سیاسی داؤ کمزور اور محکوم ممالک پر چل گیا۔ برطانیہ نے ہر ایک غلام ملک میں اپنے گُڈی اور خوشامدی غدار رکھ چھوڑے ہیں۔ جن سے وہ ساز باز کرتا رہتا ہے۔ برطانیہ کے اقتصادی مفادات کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا۔ بلکہ اُن مفادات میں زیادہ اضافہ ہو رہا ہے۔ اور اس کا اقتصادی غلبہ زیادہ مضبوط ہو چکا ہے۔

برطانیہ نے اپنے اقتدار کو بتدریج منتقل کیا۔ کنیڈا۔ نیوزی لینڈ۔ آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ پہلے ہی سے خود مختار تھے۔ بعد میں دیگر ایشیائی اور افریقائی ممالک کو یکے بعد دیگرے آزاد کیا گیا۔ گویا یہ آئینی تبدیلی بھی انقلاب کی حیثیت رکھتی ہے۔ برطانیہ اگر اس معاملے میں تھوڑی دیر کرتا۔ تو اُسے اپنے اقتصادی مفادات سے بھی ہاتھ دھونے پڑتے۔ جیسے ناصر نے نہر سویز کے معاملے میں برطانیہ کے خلاف سلوک کیا۔ اب تو امریکہ نے بھی اپنے اقتصادی اقتدار کو بڑھانا شروع کر دیا ہے۔ اور امریکہ کا اقتصادی دباؤ بہت بڑھ رہا ہے۔ دوسری جنگ عظیم نے برطانیہ کو بہت کمزور کر دیا۔ اور غلام ملکوں کی بڑھتی ہوئی تحریک آزادی نے برطانیہ کی مشکلات میں زیادہ اضافہ کیا۔ انقلاب چین روسی طاقت اور امریکہ کے اقتصادی دباؤ نے برطانیہ کو مجبور کیا۔ کہ وہ سیاسی اقتدار کو ذرا ڈھیلا کرے کوئی آسانی سے اپنا اقتدار تھوڑا ہی ختم کرتا ہے۔ لیکن آزادی منتقل کر کے برطانیہ آزاد ممالک میں سیاسی رشوت اور خوشامد سے اپنی برتری دوبارہ بحال رکھنا چاہتا ہے اور اُنہی کمزور اور پس ماندہ ممالک کی امداد کے نام پر برطانوی سرمایہ سے نفع اُٹھا رہا ہے نیز برطانوی صنعت کے جمود کو ختم کرنے کے لئے پس ماندہ اقوام کو صنعتی طور پر بڑھانے کے لئے مشینیں فروخت کر کے اپنی اقتصادی خوش حالی بحال کرتا ہے۔ برطانیہ کے مد مقابل امریکہ۔ روس۔ جرمنی۔ جاپان۔ فرانس۔ اٹلی۔ بلجیم ہیں۔ جو ایک دوسرے سے اقتصادی اور تجارتی مقابلہ کرتے ہیں۔ اور ان کے مالی مفادات آپس میں ٹکراتے ہیں۔ اندرونی ریشہ دوانیاں جاری ہیں۔ اس اقتصادی جنگ میں زیادہ نقصان پس ماندہ اقوام اور تازہ آزاد شدہ ممالک اُٹھا رہے ہیں۔ اور وہی زیادہ سے زیادہ اقتصادی مصائب میں مبتلا ہیں ہر ایک ملک اپنے سرمایہ کی حفاظت اور منافع کے لئے دوسرے سرمایہ دار ممالک سے پُرخاش ہے۔ اور سارے سرمایہ دار ممالک روس سے خائف ہیں۔ برطانوی انشورنس کمپنیاں اور جہازرانی کمپنیوں کے سرمایہ اور منافع کا اندازہ بے حساب ہے۔ گویا کروڑوں پونڈ نفع کمایا جاتا ہے۔ پیٹرول کمپنیاں جو کچھ منافع حاصل کرتی ہیں۔ وہ بھی لاتعداد ہے۔ ایسے حالات میں خام اشیا پیدا کرنے والے علاقوں اور تازہ آزاد پس ماندہ ممالک کی سیاسی آزادی محض دھوکہ کی ٹٹی ہے۔ جس کی آڑ میں بیٹھ کر سرمایہ دار ممالک لوٹ کھسوٹ کا شکار کھیلتے ہیں خام اشیا کی قیمتوں کو گرا کر زیادہ نفع کمایا جاتا ہے۔ اور کمزور ممالک کی سیاسی آزادی محض

مذاق بن کر رہ گئی ہے۔ بلکہ پس ماندہ اور کمزور ممالک کو ترغیب دی جاتی ہے۔ کہ وہ زیادہ محنت کریں۔ زیادہ مشکلات برداشت کریں۔ ہر اچھی چیز سے محروم رکھے جائیں۔ تاکہ اس بہانے زرمبادلہ کما کر برطانیہ کے سپرد کر سکیں۔ خام اشیا کو پیدا کریں۔ اور سستے داموں صنعتی ممالک کو فروخت کریں۔ اس طرح وہ کبھی بھی سر نہ اُٹھا سکیں گے بلکہ سیاسی آزادی سے تو اقتصادی لوٹ کھسوٹ میں زیادہ اضافہ ہوا ہے اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ سے یہ معلوم ہوا ہے۔ کہ یہ برائے نام سیاسی آزادی محض سرمایہ دار ممالک کی ایک سیاسی چال ہے۔ جب سے سیاسی آزادی کا مذاق اُڑایا گیا ہے برطانیہ جس وقت ہندوستان اور دوسرے ممالک پر قابض تھا۔ تو وہ اپنی عزت اور اقتدار کو بحال رکھنے کے لئے خام اشیا کی قیمتیں گرنے نہیں دیتا تھا۔ گویا برطانیہ نے خود کو آزاد کیا۔ یعنی وہ کمزور ممالک کی ذمہ داریوں سے آزاد ہو گیا۔ آزادی کے بعد سابقہ محکوم ممالک زیادہ کمزور ہو گئے۔ اور اُن آزاد شدہ ممالک کے عوام کو زیادہ اقتصادی مصائب برداشت کرنے پڑے سیاسی آزادی سے کمیونزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا گیا۔ نیز اپنے سرمایہ کا بہترین تحفظ کیا گیا۔ اور برطانیہ کی اقتصادی حالت جو جنگ کے دوران اور بعد از جنگ بہت ابتر اور پراگندہ ہو چکی تھی۔ وہ بھی بچا لی گئی۔ پس ماندہ کمزور ممالک کو کمزور کرنے کے بعد ہی یورپی ممالک اور برطانیہ عام خوش حالی کے دور سے گذر رہے ہیں۔ برطانوی مزدوروں کی اُجرتوں میں اضافہ ہو گیا ہے۔ کوریا کی جنگ میں کمزور ممالک نے خام اشیا کی قیمتوں میں اضافہ کے بعد بہت زیادہ زرمبادلہ کمایا۔ مگر وہ سارا اندوختہ برطانیہ کے پاس اسلحہ کی خریداری میں چلا گیا۔ اور کمزور ممالک دوبارہ اُبھر نہ سکے۔ گویا برطانیہ کو سنہری موقع مل گیا۔ اُس نے اپنی برآمدی تجارت کو بڑھایا۔ اور کمزور اور نئے آزاد ممالک کو پاوڈر۔ سرخی۔ تیل۔ شراب کی بوتلیں اور موٹریں فروخت کر کے تمام زرمبادلہ برطانیہ نے کھینچ لیا۔ پرانا اور دقیانوسی اسلحہ بھی ہندوستان اور پاکستان کو فروخت کیا گیا۔ اس پالیسی کا یہ نتیجہ نکلا۔ برطانیہ تو امیر ترین ملک بن گیا۔ اور برطانوی عوام زیادہ خوش حال اور فارغ البال ہو گئے۔ بلکہ وہ اپنی گزشتہ تاریخ میں کبھی بھی اس قدر امارت کے دور سے نہ گذرے ہونگے۔ برطانوی عوام کا معیار زندگی بہت بلند ہو گیا۔ لیکن ہندوستان اور پاکستان کے عوام تکالیف اور مصائب سے دوچار ہو گئے۔ کہ وہ دوزخ میں بھی ایسے مصائب نہ پائیں گے۔ ہر چیز مہنگی اور نایاب ہونے لگی

زندگی پریشان ہو کر رہ گئی ۔ اور دن کے وقت مصیبت کے تارے نظر آنے لگے ۔

افریقہ میں تو برطانیہ نے اندھیر گردی مچا رکھی ہے ۔ کینیا ۔ جنوبی روڈیشیا ۔ شمالی روڈیشیا ۔ نیاسالینڈ اور جنوبی افریقہ میں انگریز اور یورپی آبادکاروں نے حبشیوں کو اُن کی زمینوں اور علاقوں سے بے دخل کر کے خود قبضہ کر ڈالا ۔ یا سفید فام کسانوں کے پاس حبشی زمیندار بطور کاشتکار ملازم بن کر گذارہ کرنے پر مجبور ہو گئے وہ بھی شودروں اور چماروں کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ جن زمینوں کے حبشی مالک ہوا کرتے تھے ۔ اُنہی زمینوں سے باہر نکال دیئے گئے ہیں ۔ چند سفید فام سرمایہ داروں کے پاس افریقائی ممالک ذاتی ملکیت بن چکے ہیں ۔ افریقہ کی کالی مخلوق اُن کے رحم و کرم پر ہے ۔ اگر یہ لوگ بغاوت یا فریاد نہ کریں ۔ تو پھر اور کیا کر سکتے ہیں ؟ برطانیہ تو چاہتا ہے ۔ کہ نوآبادیات اور افریقائی عوام بغاوت کریں ۔ فساد پر آمادہ ہوں ۔ بلکہ جان بوجھ کر فسادات کرائے جاتے ہیں ۔ تاکہ پولیس اور فوج کو نہتے انسانوں پر گولیاں چلانے کا بہانہ مل سکے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوتا ہے کالی مخلوق کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا جاتا ہے ۔ اور یہ سب کچھ برطانوی عوام کا معیار زندگی بلند کرنے کے لئے کیا جاتا ہے ۔ اور اُن کی شراب اور بیر کا خرچ چلانے کے لئے یہ کاروبار کرنا پڑتا ہے ۔ محکوم ممالک میں برطانوی سیاست کا یہ کمال رہا ہے ۔ کہ پہلے محکوم قوم کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی جائے ۔ تاکہ عوام کا اخلاقی ضمیر مردہ کر دیا جائے جب غلام قوم کے قومی جذبات غیرت سے بھڑک اُٹھیں ۔ اور بغاوت پر آمادہ ہوں ۔ تو برطانیہ تشدد سے اس بغاوت کو دبا دے اور زیادہ سختی سے محکوم قوم کو کچلنے کا بہانہ حاصل کرے اس طرح محکوم قوم زیادہ نقصان اٹھاتی رہی ۔ اور برطانیہ کا قبضہ مضبوط ہوتا گیا ۔ محکوم قومیں برطانیہ کی اس چال کا شکار ہو گئیں ۔ اور اس طرح رفتہ رفتہ وہ اخلاقی طور پر برباد ہونے لگیں ۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران میں امریکہ کے پریذیڈنٹ روزویلٹ کو یہ پورا یقین ہو چکا تھا ۔ کہ دُنیا کو برطانیہ کی شہنشاہیت سے زیادہ خطرہ ہے ۔ اور آئندہ بھی خطرات پیدا ہو سکتے ہیں ۔ روزویلٹ کو روس کے کمیونزم سے خطرہ نہ تھا ۔ بلکہ وہ برطانیہ کی سامراج پالیسی سے خطرہ محسوس کرنے لگا ۔ چنانچہ امریکہ نے اپنا سارا دباؤ برطانیہ پر ڈالنا شروع کر دیا ۔ جنگ کے خاتمہ پر برطانیہ اپنی سیاسی طاقت دوبارہ بحال نہ کر سکا بلکہ خود امریکہ کی نوآبادی بن گیا ۔ اور امریکہ کی مرضی پر چلنے لگا ۔ امریکہ کے اسی اخلاقی

اور سیاسی دباؤ کا یہ نتیجہ نکلا۔ کہ ہندوستان۔ پاکستان اور دوسرے محکوم ممالک یکے بعد دیگرے آزاد ہوئے۔ ورنہ برطانیہ کب ان سونے کے ذخیروں کو آسانی سے چھوڑنے والا تھا۔ امریکہ کے بڑھتے ہوئے دباؤ کا آخری نشان نہر سویز کی برطانوی مہم میں ظاہر ہوا۔ جبکہ نامراد اور فرعون صفت ایڈن کو اپنی فوجیں مجبوراً واپس ہٹانی پڑیں۔ امریکہ کے دباؤ سے تنگ آکر برطانیہ کو پوشیدہ طور پر اپنا ہائیڈروجن بم بنانا پڑا۔ تاکہ وہ امریکہ کی غلامی اور دباؤ سے باہر نکل سکے۔ مگر اس کے باوجود امریکہ کی فوجی اور سیاسی گرفت برطانیہ پر برابر بڑھ رہی ہے۔ برطانوی عوام یہ ذلت برداشت کرنے پر مجبور ہیں۔ اور اسے برطانوی روایات اور قومی عزت کے خلاف سمجھتے ہیں کہ برطانیہ کی ایک سابقہ نوآبادی (امریکہ برطانیہ کی نوآبادی رہ چکا ہے) کے زیر اثر آ گئے۔ دوران جنگ اور مابعد جنگ برطانیہ نے دوبارہ امریکہ کی امداد کے سہارے ہی اپنے پاؤں مضبوط کئے۔ ایڈن نے امریکہ کے خلاف بغاوت کی۔ اور نہر سویز کے معاملے میں من مانی کاروائی کرنی چاہی۔ جسے امریکہ برداشت نہ کرسکا۔ اس غلطی کی سزا ایڈن اور برطانیہ دونوں کو دی گئی۔ ایڈن بدنام ہوکر سبکدوش کیا گیا۔ اور برطانیہ نے امریکہ کی اطاعت قبول کر لی۔ برطانوی پریس اپنی قومی بے بسی پر چلا اٹھا۔ کہ برطانوی عوام تو اس زعم میں رہے ہیں۔ کہ ملکہ الزبتھ دوئم کی تخت نشینی سے اور ہٹلری فوجوں کی شکست کے بعد برطانوی سلطنت اور اقتدار دوبارہ اپنی گزشتہ عظمت و عروج حاصل کر لیں گے۔ مگر ایسا نہ ہوسکا۔ الٹا برطانیہ ایک تیسرے درجہ کی طاقت بن گیا۔ آج تمام دنیا سے برطانوی اقتدار اور برتری کا جنازہ نکل چکا ہے۔ نہرو بھی برطانیہ کو دھمکیاں دیتا رہتا ہے۔ لیکن برطانیہ نے الٹا امریکہ کو اپنا ہم خیال بنا لیا اور امریکہ برطانیہ سامراج کا اتحادی بن گیا۔ بلکہ سفید نسل کے اتحاد نے ایک نئے سامراج کا جنم دیا۔ آج سفید نسل کی برتری کی پالیسی بھی سامراج کو تقویت دینے کا ایک خفیہ شیطانی ہتھیار بن چکی ہے۔ اس پالیسی کے تحت سفید اقوام شہنشاہیت سے بغاوت کرنے کے بجائے شہنشاہیت پرست اور سامراجی ایجنٹ بن چکی ہیں اور کالی مخلوق کے خلاف صف آرا ہیں۔ کالی مخلوق کو اچھوت بنانے کے منصوبے باندھے جا رہے ہیں۔ تاکہ امریکہ کی مدد سے سفید نسل کی شہنشاہیت قائم کی جا سکے۔ آسٹریلیا کے اصلی باشندے چونکہ کالی مخلوق سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ مردم شماری میں شامل نہیں کئے جاتے۔ اس سے پہلے امریکہ کے

اصلی باشندوں کو ختم کر کے بقیہ قبائل کو کیمپوں میں بند کر دیا گیا۔ تاکہ امریکی باشندے ٹکٹ خرید کر وہاں اُن کو دیکھ سکیں۔ گویا انسانوں کو چڑیا گھر کے بندروں کا درجہ دیا گیا۔ جنوبی افریقہ میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ بھی ایک تازہ تاریخ ہے۔ جبکہ سفید نسل کے لوگوں نے کالی مخلوق کو غلام بنا کر اُن کو جائز انسانی حقوق سے محروم کر رکھا ہے۔ آبادی کا وہ طبقہ جس کا رنگ کالا ہے۔ وہ شہری حقوق سے محروم ہے۔ افریقہ کے دوسرے ان حصوں میں بھی اس پالیسی پر عمل کیا جا رہا ہے۔ کالی مخلوق کے انسانی حقوق کو نظر انداز کر کے سفید نسل کی برتری قائم کی جا رہی ہے۔ پھر کالی مخلوق کے درمیان ریشہ دوانیاں اور باہمی تنازعات کھڑا کر کے اُن کو مٹانے کے لئے برابر کوششیں جاری ہیں۔ ایشیائی ممالک کی کثرت آبادی خاص کر چین۔ ہندوستان اور پاکستان کی بڑھتی ہوئی آبادیوں کو سفید نسل کے لئے خطرہ ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ حتیٰ کہ روس کو بھی سفید رنگ کی بنا پر چین کے خلاف کھڑا کرنے کی کوششیں ابھی سے شروع کر دی گئی ہیں۔ جاپان کے دو شہروں کی آبادی کو اس لئے ایٹم بم سے برباد کیا گیا۔ کہ وہ سفید نسل سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ بلکہ ان کو کالی مخلوق سمجھ کر اُن پر ایٹم بم کا تجربہ کیا گیا۔ ایشائی ممالک سے برطانوی سامراج ختم ہوا۔ تو ایشیائی ممالک کی کثرت آبادی کا ہوّا کھڑا کر کے اُن ممالک کو ختم کرنے کے لئے منصوبے کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ مسئلہ آبادی کی کثرت کوئی حقیقت اور اصلیت نہیں رکھتی۔ نہ ہی خاندانی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ سوال تو دولت اور پیداوار کے مناسب اور جائز تقسیم کا ہے۔ اور دولت کے غیر منصفانہ پھیلاؤ کو ختم کرنے کا ہے۔ آسٹریلیا۔ کینیڈا اور امریکہ میں بہت سے ایسے علاقے پائے جاتے ہیں۔ جو بالکل غیر آباد اور خالی پڑے ہوئے ہیں۔ وہاں کالی مخلوق کو نہیں بسایا جاتا۔ بلکہ وہ جگہیں سفید نسل کے لوگوں کے لئے محفوظ ہیں۔ یعنی کالی مخلوق کی کثرت آبادی کا ہوا کھڑا کیا جاتا ہے۔ مگر سفید نسل کی آبادی کے بڑھ جانے کا کوئی خطرہ تک محسوس نہیں کیا جاتا۔ بلکہ تمام دُنیا کو کالی مخلوق سے ختم کر کے سفید نسل کے لئے مخصوص کیا جا رہا ہے۔ کالی آبادی کو محدود کر کے اُسے آہستہ آہستہ مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تاکہ مستقبل میں سفید نسل کے آباد کاروں کے لئے مناسب جگہ مل سکے۔ جاپان اور چین کی تجارت اور آبادی سے خطرہ پیدا کیا جاتا ہے۔ لیکن برطانیہ کی تجارت اور آبادی کے بڑھ جانے کا کوئی ڈر محسوس نہیں کیا جاتا۔ یہی

طریقہ ایشیائی ممالک پر دوبارہ تسلط قائم کرنے کے لیے روا رکھا جاتا ہے۔ اور سامراج مختلف پینترے بدل بدل کر آتی ہے۔ تاکہ اُس کی شکل وصورت آسانی سے کوئی پہچان نہ سکے۔ اور کسی کو اعتراض تک نہ ہو سکے۔ کالی مخلوق کو شہری حقوق سے محروم رکھا جا رہا ہے نئے آزاد کردہ ممالک میں برطانیہ اور امریکہ دونوں مل کر اپنا اقتصادی شکنجہ مضبوط کر رہے ہیں۔ اور اُن کمزور ممالک کی اقتصادیات۔ تجارت۔ صنعت۔ تعلیم اور دفاع پر پوشیدہ طور پر اپنا اثر و رسوخ قائم کر رہے ہیں۔ یہ سامراج اور شہنشاہیت کی نئی صورت ہے یعنی سیاسی آزادی کے پس پردہ سفید نسل کی اجارہ داری اپنے نفع کمانے میں برابر مصروف ہے۔ اور اس سرمایہ کی حفاظت نام نہاد آزاد کمزور ممالک کی پولیس اور فوج کرتی ہے۔ جو برطانوی افسروں یا نقلی دیسی انگریزوں کے زیر ہدایت کام کرتی ہیں۔ چند ملکی حکمرانوں کو شاہی کلب میں داخلہ کی اجازت دے کر عوام کا خون زیادہ دلیری اور صفائی سے نچوڑا جاتا ہے۔ پہلے سامراج طاقتیں علانیہ کھلم کھلا خون چوستی تھیں۔ لیکن وہ بھی احتیاط کے ساتھ۔ لیکن اب پردے میں بیٹھ کر خون پیا جاتا ہے۔ ناصر سے اس لئے دشمنی ہے کہ وہ برطانوی سرمایہ پر خود قابض ہو گیا ہے۔ اور کاسترو سے اس لیے عداوت ہے کہ وہ امریکہ کے سرمایہ پر ہاتھ صاف کرنا چاہتا ہے۔ چین کی اس لئے مخالفت کی جاتی کہ اُس ملک میں امریکہ اور برطانیہ کا سرمایہ داخل نہیں ہو سکتا۔ اور روس سے اس لیے سرد جنگ جاری ہے کہ وہ سرمایہ داری کو ہی ختم کرنا چاہتا ہے۔

اس پالیسی کا ردّ عمل سوشلزم کی تحریک کی صورت میں ظاہر ہوا۔ رابرٹ اون اور کارل مارکس نے مزدوروں کی حالت کو دیکھ کر بہت افسوس ظاہر کیا۔ نیز سامراج کے خطرناک جرائم سے دنیا کو آگاہ کیا۔ سوشلزم اور کمیونزم دراصل سماجی انقلاب کا جزو بن گئے۔ برطانوی عوام بھی بہت عرصہ تک غربت کی چکی میں پاکستانی عوام کی طرح پستے رہے۔ زیادہ منافع انگریزی سرمایہ دار وصول کرتے تھے۔ اور غریب عوام اور محکوم کالی مخلوق اقتصادی غلامی میں مبتلا رہی۔ برطانیہ کی اقتصادی پالیسی اور امریکہ کی سامراج صفت طرز عمل نے پاکستان پر بھی اپنے اثرات چھوڑ دیئے ہیں۔ پاکستان مذہبی ابتری سے دوچار ہے۔ مذہب کے بجائے سرمایہ پرستی مذہب بن چکا ہے۔ موٹر کار کے حادثات بڑھ رہے ہیں۔ تباہی اور بربادی کے سامان نااہل اور لامذہب لوگوں کے

پاس جمع ہو گئے ہیں۔ خاندانی منصوبہ بندی کا چرچا عام ہو رہا ہے۔ تاکہ کالی مخلوق کو بتدریج ختم کیا جا سکے۔ اور گوری چمڑی کا اقتدار بحال رہے۔ گویا خاندانی منصوبہ بندی سے نسل کشی کا کام لیا جاتا ہے۔ اور گوری نسل کو بڑھنے اور زیادہ تعداد میں پھیلنے اور ترقی کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ پہلے زمانے میں آبادیوں کو جنگ۔ بیماریوں اور وباؤں سے قدرتی طور پر کنٹرول نہیں کیا جاتا تھا۔ کمزور عناصر ختم ہو جاتے اور تندرست باقی رہ جاتے۔ اب کالی مخلوق کی نئی نسل ختم کی جاتی ہے۔ اور گوری نسل کے بوڑھے زندہ رکھے جاتے ہیں یورپ اور امریکہ میں بوڑھوں کی تعداد میں اضافہ ہو چکا ہے۔

امن کی دہائی دی جاتی ہے۔ لیکن جنگی طیاریاں تیز کی جا رہی ہیں۔ فرد کی آزادی کو ریاست کے حاکمانہ اقتدار نے ختم کر دیا ہے۔ کالی مخلوق کی آزادی کو سفید نسل کی خوشنودی پر قربان کیا جاتا ہے۔ پناہ گزینوں میں اضافہ ہو چکا ہے۔ اقلیتی فرقے ریاست کے ظلم وستم کا شکار ہیں۔ اُن کی آزادی کو ختم کر دیا گیا ہے۔ جمہوریت ایک مذہب کی صورت اختیار کر چکا ہے حالانکہ جمہوریت طاقتور گروہ کی حکومت یا اجارہ داری کا دوسرا نام ہے۔ طاقتور گروہ اپنے کمزور مخالف کو ختم کر کے یا لالچ۔ چاپلوسی اور دباؤ سے اپنی حکومت قائم کرتا ہے۔ گویا راہزنی اور مجرمانہ ذہنیت نے مہذب شکل وصورت اختیار کر لی ہے۔ پریس۔ ریڈیو اور سینما کی مدد سے کم ظرف اور بیہودہ لچر مذاق کی پرورش کی جاتی ہے۔ شُستہ اور پاکیزہ مذاق کو مٹایا جا رہا ہے۔ شہریوں اور دیہاتیوں میں باہمی کدورت ہے۔ اور دونوں جگہ جرائم کا اضافہ ہو چکا ہے۔ ٹریفک کے حادثات بڑھ رہے ہیں۔ انسانی اخلاق اور نیک اوصاف محض قصۂ پارینہ بن چکے ہیں۔ مادی ضروریات کو پورا کرنا اور اُن کو زیادہ سے زیادہ جائز ذرائع سے حاصل کرنا ہی زندگی کا مقصد بن چکا ہے۔ چاہے اس میں لاکھوں انسانوں کو مصیبت میں ہی کیوں نہ مبتلا ہونا پڑے۔ سامراج پالیسی کے باعث آج کی دُنیا متحد ہونے کے بجائے زیادہ علیحدگی پسند بن کر چھوٹے چھوٹے ممالک میں تقسیم ہے۔ برطانوی سامراج نے ہی سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کر دیئے۔ لبنان کو شام سے علیحدہ کیا گیا فلسطین میں یہودیوں کو زبردستی بسایا۔ عربوں کو بے گھر بنا کر دربدر کر دیا۔ کشمیر پر ہندوؤں کا ناجائز قبضہ جائز قرار دیا۔ پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور اُسے مجروح کر کے لنگڑا لولا بنا دیا گیا۔ ہندوستان کی مسلمان اقلیت کو ہندو کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا۔ اور یہ سب

کچھ برطانوی سامراج کی برکت سے ہوا۔ جو آج پاکستان کا سب سے بڑا دوست ہے پاکستان کے دریاؤں کو ہندوستان کے حوالے کر دیا۔

جرمنی کو برطانیہ نے مٹانے کے لئے دو بڑی جنگیں لڑیں۔ یورپ کے ٹکڑے ٹکڑے برطانیہ کی سازشوں کی وجہ سے ہوئے۔ برطانیہ اپنے مدمقابل فرانس کو اپنے راستے سے ہٹانے کے بعد جرمنی کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا۔ بالآخر جرمنی کو راستے سے ہٹانے میں کامیاب ہو گیا صنعتی اور سیاسی دنیا میں برطانیہ سب سے زیادہ سود خور اور مالدار ملک بن گیا۔ اور اپنے سرمایہ کے پھیلاؤ سے گھر بیٹھے نفع حاصل کرنے لگا۔ لیکن دوسری جنگ عظیم نے برطانیہ کی اس ممتاز حیثیت کو کم کر دیا۔ اور وہ تیسرے درجے کی طاقت بن گیا ہے۔ مگر اس نفع اندوزی کی بُری عادت نیز دوسری قوموں کی لوٹ کھسوٹ نے قوم کو اخلاقی طور پر مجرم بنا دیا ہے۔ برطانوی عوام کے دلوں سے انسانی جذبات ختم ہو گئے ہیں۔ اور وہ حیوانوں سے بھی بدتر ہیں۔ برطانوی صنعت دقیانوسی بن چکی ہے۔ جس سے وہ نئے ترقی یافتہ صنعتی ممالک کے مقابلہ میں بہت پیچھے ہے۔ جاپان جرمنی۔ امریکہ اور دوسرے صنعتی ممالک برطانیہ سے بہت آگے جا چکے ہیں۔ برطانیہ اُن کے مقابلے میں پڑی ہے۔ ملکی زراعت کو بہت نقصان پہنچا۔ کوئلہ کی صنعت ختم ہو رہی ہے۔ لیکن برطانیہ ابھی گزشتہ عظمت کو ابھی تک نہیں بھولا۔ وہ برابر تیسری جنگی طیاریوں میں مصروف ہے۔ برطانیہ یورپی طاقتوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور دولت سے خائف ہے برطانیہ کی یہ پالیسی رہی ہے کہ جو بھی طاقت برطانیہ کے مقابلے میں سر اُٹھائے۔ اُسے فی الفور کچل دیا جائے۔ یا دوسری طاقتوں سے مل کر توازن طاقت قائم کر کے وہ مخالف قوت کو کمزور کرتا رہا ہے۔ یہ سلسلہ صلیبی جنگوں سے شروع ہوا۔ اور دوسری جنگ عظیم پر ختم ہوا اور یہ سلسلہ تیسری جنگ عظیم یا موجودہ سرد جنگ کی صورت میں ابھی تک جاری ہے۔ دُنیا میں سب سے زیادہ لڑائیاں برطانیہ نے لڑی ہیں۔ جن میں زیادہ لڑائیاں دوسروں کے کندوں پر بندوق رکھ کر لڑی گئیں۔ عثمانیہ سلطنت برطانیہ کے ہاتھوں برباد ہوئی۔ اس سے پہلے مغلیہ سلطنت کا خاتمہ برطانیہ نے کیا۔ اسرائیل بنانے والا اور عربوں کو برباد کرنے والا برطانیہ ہی ہے۔ افریقہ کے حبشیوں کو غلام برطانیہ نے بنایا۔ اور غلاموں کی تجارت کا کاروبار برطانیہ نے چلایا۔ افریقہ کو ٹکڑے ٹکڑے برطانیہ نے کیا۔ ایشیائی اور افریکائی ممالک پر برطانیہ قابض رہا۔ ہندوؤں جیسی کم ظرف اور ذلیل قوم کو مسلمانوں کے خلاف

صف آرا کر کے ایشیائی ممالک کو تخت و تاراج کیا ۔ مصر کو برطانیہ نے برباد کیا ۔ جرمنی کی صنعت کو برطانیہ نے مٹایا ۔ روس کا گلا برطانیہ نے دبایا ۔ اور امریکہ کو برطانیہ نے ہی نوآبادی بنایا ۔ آسٹریلیا ۔ کینیڈا ۔ نیوزی لینڈ اور جنوبی افریقہ کو سفید نسل کے لئے برطانیہ نے ہی محفوظ کیا ۔ چین پر برطانیہ نے زبردستی افیون ٹھونسی ۔ آئر لینڈ کو برطانیہ نے دو حصوں میں تقسیم کر کے خصی کر دیا ۔ یورپی ممالک کو ایک دوسرے کے خلاف لڑایا ۔ اور اپنی چودھراہٹ قائم کی ۔ فرانس کو نیچا دکھایا ۔ پاکستان کو لنگڑا لولا کیا گیا ۔ گویا برطانیہ ایک تاریخی مجرم ہے ۔ اور کروڑوں انسانوں کا قاتل بھی ہے ۔ برطانیہ کی گندگی ذہنیت نے بین الاقوامی امن کو خطرے میں ڈال رکھا ہے ۔ اور تنازعات کو زیادہ الجھا دیا ہے ۔ اور اس کی وجہ سے دُنیا کا امن و امان خطرے میں پڑ چکا ہے ۔ برطانیہ کی وجہ سے دُنیا میں سب سے زیادہ جنگیں لڑی گئیں ۔ حتیٰ کہ آج دُنیا برطانیہ کے طفیل دوزخ کے دروازے پر پہنچ گئی ہے

برطانیہ ہمیشہ مطلب براری سے کام لیتا رہا ہے ۔ شک و شبہ ۔ نفرت و حقارت اور باہمی بغض و کینہ اپنے اندر چھپائے رکھتا ہے ۔ گویا اپنی دشمنی چھپانے اور دوسروں کو نقصان پہنچانے کے لئے ظاہراً دوستی کا پیام دیتا ہے ۔ لیکن اس کی دوستی دراصل دشمنی کے برابر ہے ۔ غیر ممالک اب برطانیہ کی چالوں سے اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں ۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ برطانیہ کا ماضی کبھی صاف نہیں رہا ۔ اور اس نے ہمیشہ منافقانہ پالیسی سے کام لے کر غیر ممالک کو نقصان پہنچایا ۔ آج دُنیا میں جہاں کہیں بربادی ۔ قحط ۔ وبائیں بھوک ۔ افلاس ۔ تنگدستی ۔ بیکاری اور تباہ حالی اور بداخلاقی نظر آتی ہیں ۔ وہ سب برطانیہ کی پیدا کردہ ہیں ۔ دنیاوی دولت سے ہر ایک باشندہ مالا مال ہے ۔ اُن کے پاس رہائش کے لئے بہترین مکان ۔ کاروبار کے لئے کارخانے اور منڈیاں ۔ مفت تعلیم ۔ مفت علاج اور امیرانہ زندگی ہے اور بڑے آرام اور آسائش کا ہر طرف سامان مہیا ہے ۔ لیکن یہ سب کچھ ایشیا اور افریقہ کی لوٹ کھسوٹ سے حاصل ہوا ۔ اور افریشیائی عوام کی موجودہ تباہی اور بربادی ہی برطانوی معیار زندگی کو بلند کرنے کا ذریعہ بنی ۔ فالتو آبادی کا نکاس بھی موجود ہے میڈیکل سائنس کی ترقی نے مختلف وباؤں اور بیماریوں کی روک تھام کر دی ہے اور ہر قسم کی سماجی سہولتیں مہیا ہیں ۔ یہ تمام حالات آج سے دو سو برس پہلے موجود نہ تھے

لیکن آج حالت مختلف ہے۔ ہر طرف مادی اسباب کی بھر مار ہے۔ ایک برطانوی گورے کی جو آسائشیں حاصل ہیں۔ وہ اُس کے باپ دادا کو بھی نصیب نہ تھیں۔ وہ بہت دیر لعبد مرتا ہے۔ اور بڑی لمبی عمر تک جیتا ہے۔ سن ۱۹۶۰ء میں جب میکمیلن نائیجیریا گیا۔ تو وہاں اُسے ایک مزدور کا مکان دکھایا گیا۔ جس کا کرایہ ٪ ۵ پونڈ ماہوار تھا۔ اُس مزدور کو۔ پونڈ ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ مگر اس کے بالمقابل ایک سفید فام گورے کو ۳۰ گنا زیادہ اُجرت ملتی ہے۔ نیز صاف ستھرا فلیٹ بھی رہائش کے لئے ارزاں قیمت پر میسر ہوتا ہے۔ یہ تفاوت ظاہر کرتا ہے۔ کہ برطانوی سامراج سفید فام اقوام کے فائدہ کے لئے ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر برطانیہ دوبارہ اپنی گذشتہ عظمت ختم کر چکا تھا۔ اُسی دوران میں امریکہ اور روس کی اہمیت بڑھنے لگی۔ بلکہ برطانیہ خود امریکہ کی ایک نو آبادی بن گیا۔ اور امریکہ کی مرضی کے خلاف کوئی حرکت نہ کر سکتا تھا۔ دوران جنگ امریکہ نے یہ کوشش کی۔ کہ برطانیہ جنگ کے خاتمہ پر دوبارہ نہ اُبھرنے پائے۔ یکے بعد دیگرے امریکہ کے ایماء پر برطانوی مقبوضات کو آزادی ملنی شروع ہوئی۔ اور امریکہ کا اثر و رسوخ بڑھنے لگا حتیٰ کہ برطانیہ کی بحری طاقت بھی امریکہ سے پیچھے رہ گئی۔ برطانیہ میں جو بھی گورنمنٹ قائم ہوئی۔ اُسے امریکہ کی مرضی کے تابع ہونا پڑا۔ بلکہ امریکہ نے اپنے فوجی اڈے بھی برطانیہ پر قائم کر دیئے۔ اور برطانیہ کو مجبوراً اور بلا چون وچرا امریکہ سے تعاون کرنا پڑا۔ اب بھی امریکہ کی مرضی کے خلاف برطانیہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اور امریکہ ہی درجہ اول کی طاقت بن چکا ہے۔ امریکہ کی تاریخ برطانیہ سے بغاوت کی بنا پر شروع ہوتی ہے۔ اور مدت سے برطانیہ کے بارے میں امریکہ یہ خدشہ محسوس کرتا رہا ہے۔ کہ وہی امریکہ کے راستے کا کانٹا ہے۔ جو کرہ ارض کو اپنے لئے مخصوص کرنا چاہتا ہے۔ برطانوی سامراج اور شہنشاہت کے خلاف عام امریکیوں میں بدرجہ اتم ناراضگی اور نفرت کے جذبات پائے جاتے ہیں امریکہ کی جنگ آزادی نے ان جذبات میں زیادہ تیزی پیدا کر دی تھی۔ چونکہ برطانیہ دو صدیوں سے زیادہ امریکہ سے آگے بڑھا ہوا تھا۔ لہذا آسانی سے ہٹایا نہ جا سکتا تھا۔ دوسری جنگ عظیم نے یہ موقع پیدا کر دیا۔ اور برطانیہ کی جگہ امریکہ نے لے لی۔

روس کی بڑھتی ہوئی طاقت نے برطانیہ کو تیسرے درجے پر لا کھڑا کیا۔ برطانوی مقبوضات میں آزادی کی تحریکوں نے برطانیہ کے اثر و اقتدار پر کلہاڑا چلایا۔ اور اس میں بتدریج کمی ہونے لگی۔ نیز خود یورپ میں مغربی جرمنی دوبارہ طاقت حاصل کرنے لگا۔ اور اس نے بھی برطانیہ سے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔

برطانیہ دراصل دوسری جنگ عظیم کے شروع میں دنیا کے خزانے کا مالک تھا اور سیاسی قوت و اقتدار رکھتا تھا۔ سونے کی چڑیا (ہندوستان و پاکستان) برطانیہ کے پاس تھی۔ جنوب مشرقی ایشیا۔ مشرق وسطیٰ۔ افریقہ اور دیگر نوآبادیات پر برطانیہ کا قبضہ تھا۔ اور یہ علاقے برطانوی منڈی بن چکے تھے۔ امریکہ اور روس بھی برطانیہ کی طاقت کے آگے مرعوب تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر برطانیہ کا کچومر نکل گیا۔ امریکہ نے اس موقع سے خوب فائدہ اٹھا کر زیادہ منافع خود ہی سمیٹنے لگا۔ برطانیہ پر جنگی فالج گر گیا۔ جنگ کے نتیجہ میں وہ اقتصادی بدحالی اور مالی پریشانیوں میں مبتلا ہو گیا۔ پرانے مقبوضات باغی ہو کر آزاد ہونے لگے۔ امریکہ کا بول بالا بلند ہو گیا۔ جنگ کے دوران ہی چرچل کو یہ یقین ہو گیا تھا۔ کہ امریکہ برطانوی سلطنت کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا ہے۔ خود پریذیڈنٹ روز ویلٹ کا خیال تھا۔ کہ مابعد جنگ کی دنیا کو روس کے بجائے برطانیہ سے زیادہ خطرہ ہے۔ دراصل امریکہ کا سرمایہ دار طبقہ برطانوی مقبوضات کو آزاد کرا کر اپنا اثر و رسوخ بڑھانا چاہتا تھا۔ اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا۔ کہ برطانیہ کو راستے سے ہٹایا جائے۔ اسٹالن نے بھی ایک بار یہ پیشن گوئی کی تھی۔ کہ بالآخر امریکہ کو راستے کا کانٹا (برطانیہ) ہٹانا ہی پڑے گا۔ کیونکہ امریکہ کا بڑھتا ہوا سرمایہ داری نظام جس طرف نظر دوڑاتا ہے۔ اسے برطانیہ ہی ہر جگہ راستے کا کانٹا نظر آتا ہے۔ اور برطانیہ ہی دنیا بھر کی تجارتی منڈیوں پر قابض ہے۔ اندریں حالات امریکہ اور برطانیہ کی چپقلش لازمی ہے۔ سٹالن کی یہ پیشین گوئی پوری ہو کر رہی۔ برطانیہ پر امریکہ کا اقتدار چھا گیا۔ اور جس چپقلش کی طرف اسٹالن نے اشارہ کیا تھا۔ اس نے ایک نئی صورت اختیار کی۔ یعنی برطانیہ نے اپنی جان بچانے کے لئے امریکہ سے الجھنے اور چپقلش پیدا کرنے کے بجائے امریکہ کے آگے ہی گھٹنے ٹیک دیئے۔ اور اس طرح امریکہ کی نوآبادی بن گیا۔ بلکہ الٹا امریکہ کو ہی سامراجی راستے پر لگا دیا۔ برطانیہ اور امریکہ کا سرمایہ داری نظام آپس میں مدغم ہو گئے۔ برطانیہ یہ پسند نہیں کرتا۔ کہ امریکہ راستے سے ہٹ

جائے۔ اسی لئے امریکہ بھی برطانیہ کو اپنے راستے سے ہٹانا نہیں چاہتا۔ کیونکہ یہی نظام اب اجارہ داروں کا اڈا بن چکا ہے۔ برطانوی سامراج اور شہنشاہت کو امریکہ کی سرپرستی حاصل ہے اور امریکہ ہی سامراجی طاقتوں کا سب سے بڑا لیڈر ہے۔ اور اس دفعہ برطانیہ ایک اتحادی طاقت کہلاتا ہے۔

چرچل نے ایک بار متحدہ یورپ کا نعرہ بلند کیا تھا۔ تاکہ اس اسسٹنٹ کے پیچھے امریکہ اور روس کے اقتدار کو یورپ میں بڑھنے سے روک سکے۔ مگر خود برطانیہ نے متحدہ یورپ کو زیادہ اہمیت نہ دی۔ مئی ۱۹۴۰ء میں دوران جنگ ہی برطانیہ نے فرانس سے دوستی کا عہد و پیمان باندھا۔ اُس وقت برطانیہ پر ہٹلر کا خوف طاری تھا۔ لہٰذا فرانس اور برطانیہ کو یکجا کرنے کی تجویز پیش ہوئی۔ نیز دوستی کو پائیدار بنانے کے لئے یہ تجویز ہوا کہ متحدہ ریاست ہائے برطانیہ و فرانس کی تجویز کو جنگ کے خاتمہ تک ملتوی رکھا جائے۔ مگر دس سال کے بعد جب اس تجویز پہ دوبارہ غور کرنے کا موقع ملا۔ تو برطانیہ نے طوطا چشمی سے اپنی آنکھیں پھیر دیں۔ حالانکہ ۱۹۴۸ء میں مسٹر ایٹلی نے یورپ کو یہ نصیحت کی۔ "اتحاد کرو۔ ورنہ برباد ہو جاؤ گے"۔ خود برطانیہ اس یورپی اتحاد میں شامل ہونے سے گریز کرتا رہا۔ اور یہ عذر تراشتا۔ کہ یورپ کا اتحاد دفاعی ضروری ہے۔ مگر برطانیہ اپنے ممالک مشترکہ کے مفادات کو بھی نظر نہیں کر سکتا۔ دراصل یورپی برادری میں شامل نہ ہونے کا برطانیہ کو یہ بھی ڈر تھا۔ کہ مبادا انگریزوں کی تجارت اور سیاسی اثر و اقتدار کہیں بین الاقوامی طور پہ کمزور نہ ہونے پائے اور حامن مانی نہ کر سکیں۔

برطانیہ کا دولت مشترکہ کا ڈھونگ بھی عجیب و غریب دکھائی دیتا ہے۔ دولت مشترکہ تو دل کو خوش رکھنے کا ایک شاہی کلب ہے۔ یعنی سلطنت کے چلے جانے کے بعد جو روحانی صدمہ اور اذیت برطانیہ کو پہنچی۔ نیز سیاسی آزادی کو منتقل کرنے کے بعد اقتصادی اثر و رسوخ قائم کرنے کے لئے دولت مشترکہ کے قیام سے دل کو ڈھارس بندھ جاتی ہے دولت مشترکہ تو محض ایک کاغذی رشتہ ہے۔ اور یہ وہم ڈھکوسلے کے سوا کچھ اور نہیں۔ حالانکہ دولت مشترکہ کے اکثر ممالک پر امریکہ کا اقتصادی قبضہ ہے۔ بلکہ اثر و رسوخ بھی ہے۔ دولت مشترکہ کے ممالک مختلف دفاعی معاہدوں کے ذریعے امریکہ کے زیر اثر آ چکے ہیں۔

۱۹۴۷ء سے پہلے برطانیہ امریکہ کو ایک ناتجربہ کار ضدی بچہ سمجھتا تھا۔ مگر وہ آج

اُسی ہندی بچہ کا غلام بن چکا ہے - یہ بہت کڑوی گولی ہے جو مشکل برطانیہ کو اپنے حلق سے نیچے اُتارنی پڑی - اس کے بعد ایک اندوہناک حادثہ پیش آیا - جس کا صدمہ ابھی تک برطانیہ محسوس کر رہا ہے - یعنی ہند اور پاکستان جو تاج برطانیہ کا سب سے قیمتی ہیرا تھا - اور جس کے بل بوتے پر برطانیہ دُنیا کی اسٹیج پر طاقت اور حکمرانی کا ہیرو کہلاتا تھا - ۱۹۴۷ء میں وہی تاج کا ہیرا چوری ہو گیا - یعنی ہندوستان اور پاکستان کی آزادی سے برطانیہ کو ابھی تک افسوس ہے یکے بعد دیگرے دوسرے مقبوضات بھی آزاد ہونے لگے - برطانوی سلطنت کو زوال آنے لگا امریکہ نے ان سابقہ برطانوی مقبوضات کے آزاد ہونے پر اپنا اثر و رسوخ اُن علاقوں میں بڑھانا شروع کر دیا - حتیٰ کہ برطانیہ کے پاس صرف دولت مشترکہ کا دُم چھلا رہ گیا -

برطانوی بوڑھے شیر کی دُم کو ایران اور مصر جیسے کمزور ممالک نے بھی مروڑنا شروع کر دیا - ۱۹۵۱ء میں ڈاکٹر مصدق نے اپنے ملک کے تیل کو قومی بنانے کا اعلان کر دیا مجبوراً برطانیہ کو ایران کے تیل کے چشموں سے نکلنا پڑا - یہ صرف امریکہ کے سیاسی دباؤ کا نتیجہ تھا کہ برطانیہ کو دوبارہ شریک کیا گیا - مگر وہ بھی امریکہ کے زیر سایہ - مصر جیسی کمزور طاقت نے برطانوی اقتدار کو مشرق وسطےٰ اور افریقہ سے مٹانے کی تحریک شروع کر دی - جب برطانیہ کے اخبارات واویلا کرنے لگے - کہ وہ کمزور قومیں جو کبھی برطانیہ کی غلام ہوا کرتی تھیں - وہ گستاخ بنتی جا رہی ہیں - اور برطانیہ کے منہ لگتی ہیں - برطانیہ نے مصر کو سزا دینی چاہی - تاکہ مصر کمزور بلی کی طرح برطانیہ کے شیر کے سامنے دبکے سے گذر جائے - اور برطانیہ کے مقابلہ میں سر نہ اُٹھا سکے - امریکہ نے برطانیہ کا ہاتھ روک دیا - غلامی کے اس دھبہ کو مٹانے کے لئے برطانیہ نے پوشیدہ طور پر ہائیڈروجن بم طیار کر لیا - تاکہ امریکہ کی برابری کر سکے - نیز امریکہ سے آزاد آزاد ہو جائے - اور اس طرح کمزور قوموں کو اور کالی مخلوق کو ڈرانے - دھمکانے اور دبانے کے قابل بن سکے - اور اپنی لوٹ کھسوٹ کی پالیسی کو بھی جاری رکھ سکے - تجارتی گرم بازاری بھی سرحد ہونے پائے - ہائیڈروجن بم کے ذریعے وہ اپنی گرتی ہوئی ساکھ اور کمزور بیرآمدی تجارت کو بحال کر سکے - پارک کے اسقف اعلیٰ نے بھی برطانیہ کی اس بارے میں تائید کی - کہ "ہائیڈروجن بم کے بغیر برطانیہ ہمیشہ امریکہ اور روس کے سامنے کمزور رہے گا - اور امریکہ کا حاشیہ بردار بن کر رہ جائے گا - اور اپنی مرضی کے مطابق اور اُن کی مرضی کے خلاف کچھ بھی نہ کر سکے گا" - ہائیڈروجن بم کے بارے میں اسی قسم کی اور کئی تاویلات پیش کی گئیں -

مثلاً برطانیہ اس لئے بم طیار کرتا ہے۔ کہ وہ غیر جانبداری کی پالیسی پر کاربند رہ سکے۔ اور بم کی طاقت سے امریکہ پر اخلاقی دباؤ ڈال سکے۔ امریکہ کو جائز یا ناجائز طور پر بم استعمال نہ کرنے دے۔ اور روس اور امریکہ کے درمیان صلح صفائی کرانے کے قابل بن جائے اور طاقت کا توازن بحال رکھے وغیرہ۔ مگر برطانیہ کے فعل سے دوسری یورپی قوموں میں خطرناک ردِ عمل شروع ہوا۔ فرانس۔ جرمنی اور اٹلی کے علاوہ اسرائیل۔ جاپان اور ہندوستان میں بھی بم بنانے کا جنون پیدا ہونے لگا۔ اور ہر ایک ملک یہ محسوس کرنے لگا۔ کہ اُن کی دفاعی مشینری ہائیڈروجن بم کے بغیر دقیانوسی اور بیکار بن گئی ہے۔ گویا یہ تمام جنون برطانیہ کا پیدا کردہ ہے برطانیہ نے امریکہ کی برابری کا دعویٰ کیا۔ مگر برطانوی شیر امریکہ کے پنجرے یا گھر میں قید ہو چکا تھا اپنی ذلت مٹانے کے لئے کمزور مصر کے خلاف حملہ آور ہوا۔ مگر اسے بمجبوراً پسپا ہونا پڑا۔ اس دفعہ اُس کی پسپائی شاندار نہ رہی۔ بلکہ نہایت ہی ذلت آمیز تھی۔ ایران کے ڈاکٹر مصدق نے اُسے پہلے ہی لاچار اور مجبور کر دیا تھا۔ دوسرے امریکہ بھی نہیں چاہتا تھا۔ کہ برطانیہ دوبارہ اثر و رسوخ حاصل کر سکے۔

لندن کے مشہور اکانمسٹ نے لکھا۔ "یہ بدنامی کی بات نہیں۔ کہ اپنی اس کمزوری کا اعتراف کیا جائے۔ کہ برطانیہ کی کوئی آزاد خارجہ پالیسی نہیں رہی۔ اور اگر یہ بدنامی ہے تو پھر اس کا اعتراف کرنے میں کیا اعتراض ہے۔ جبکہ یہ امر واقعہ ہے" کہ بین الاقوامی سیاست کے میدان میں ذلت آمیز پسپائی کے بعد اُسے یقین ہو گیا۔ کہ وہ امریکہ کے مقابلہ میں آزادانہ طرزِ عمل اختیار نہیں کر سکتا۔ بلکہ اُس کی خودمختاری اور آزادی کو خطرہ لاحق پیدا ہوا۔ اس سے پہلے روس اور امریکہ کے درمیان طاقت کے توازن کے لئے رسہ کشی تھی۔ اب برطانیہ کی دیکھا دیکھی اور ہائیڈروجن بم کے جنون نے دوسرے ممالک پر بھی یہ خبط مسلط کر دیا۔ اور وہ امریکہ کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہائیڈروجن بم کی طیاریوں کو شروع کر دیں۔ فرانس نے تو تجربات بھی شروع کر دیئے ہیں۔ دراصل تاریخ اپنے آپ کو برطانیہ میں آکر دہراتی ہے۔ برطانیہ چاہے ہائیڈروجن بم بنائے وہ دوبارہ عروج حاصل نہیں کر سکتا۔ اُس کے عروج کو زوال آچکا ہے۔ شاید وہ اپنی موجودہ پوزیشن پر زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکے۔ موجودہ زمانہ کا یہ سوال نہیں رہا کہ برطانیہ کسی زمانے میں ایک بہت بڑی طاقت تھی اور وہ بحیثیت طاقت کمزور ہو چکا ہے۔ بلکہ یہ سوال رہ گیا ہے۔ کہ آئندہ دنیا میں کونسی زبردست

طاقتیں باقی رہ جائیں گی ۔ لاذماً اُن میں برطانیہ کا نام نہیں آتا ۔

برطانیہ خود تو ختم ہو چکا ہے ۔ مگر دُنیا میں وہ فسادات اور جنگوں کا بیج بو گیا ہے ۔ آج دنیا محض برطانیہ کی وجہ سے ابتر حالت میں ہے ۔ اور برطانیہ خود کس مپرسی کی حالت میں پڑا ہے برطانوی شہنشاہت قصۂ پارینہ بنتی جا رہی ہے ۔ برطانیہ کے خلاف بہت سے رقیب اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں ۔ لندن کو اب دُنیا کی دوسری منڈیوں کا مقابلہ کرنا ہے ۔ جاپان اور اٹلی نے بھی برطانیہ کا مقابلہ شروع کر دیا ہے ۔ پٹرول کی جنگ کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے ۔ برطانیہ نے ہالینڈ اور امریکہ کے آگے پٹرول کی جنگ میں شکست تسلیم کر لی ۔ گویا برطانیہ اپنی فوقیت کا مقام کھو چکا ہے ۔ موٹر سازی کی صنعت میں امریکہ اور فرانس برطانیہ سے سبقت لے چکے ہیں ۔ ہوائی جہازوں کی تعمیر میں بھی فرانس ۔ جرمنی اور امریکہ برطانیہ سے بہت آگے جا چکے ہیں ۔ برطانیہ اُن کی تقلید کرنے یا نقل کرنے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں کر سکتا ۔ مابعد جنگ کے صنعتی ممالک نے اپنی مشینریوں کو نئے سرے سے آراستہ کر دیا ہے ۔ مگر برطانیہ اپنی قدامت پسندانہ چال پہ ہی قائم ہے ۔ لہٰذا وہ صنعتی میدان میں بہت پیچھے رہ گیا ہے ۔ اور قوموں کے مقابلہ میں پھسڈی کہلاتا ہے

ملکی خاکہ

انگریز اپنے ہمسائے اور دوسرے انگریز کو اجنبی سمجھتا ہے ۔ بلکہ اُسے انگریز تک خیال نہیں کرتا ۔ حقیقت یہ ہے ۔ کہ سارے برطانیہ میں بمشکل انگریز مل سکتا ہے ۔ حتیٰ کہ برطانیہ کا شاہی خاندان بھی غیر ملکی اور اجنبی ہے ۔ کوئی یونان سے آیا ۔ اور کوئی جرمنی کے راستہ سے گذر کر ہالینڈ پہنچے اور گھومتے ہوئے برطانیہ آ پہنچے ۔ کافی عرصہ تک برطانیہ پہ جرمن خاندان کی حکومت رہی ۔ کیمیوٹ بھی ہالینڈ سے آ کر حکومت کرتے رہے ۔ فرانسیسی ویلز اور اسکاٹ لینڈ کے رہنے والوں نے یکے بعد دیگرے برطانیہ پہ حکمرانی کی ۔ ایک ایسا بھی انگریزی بادشاہ گذرا ہے ۔ جو جرمن تھا ۔ اور ایک لفظ انگریزی کا نہ بول سکتا تھا ۔ اسی لئے ایک انگریز مصنف نے مذاقاً یہ کہا کہ اگر برطانیہ کے تخت پر اتفاق سے حبشی بھی بیٹھ جائے ۔ تو کسی انگریز کو اعتراض نہ ہو گا ۔ اور نہ ہی کوئی اس پر تعجب ظاہر کرے گا ۔ انگریزی

عوام گویا چوں چوں کا مربہ ہیں - گاڑیاں چلانے والے زیادہ تر ویلز کے علاقہ کے رہنے والے ہیں - جو انگریز بادشاہوں کے سرے سے مخالف رہے ہیں - اور عام انگریزوں کو برطانیہ کا غاصب اور غیر ملکی باشندے جانتے ہیں - وہ اپنے آپ کو برطانیہ کے اصلی اور خالص باشندے سمجھتے ہیں - اور انگریز کہتے ہوئے ہتک محسوس کرتے ہیں - ہوٹلوں کے منیجر سوئٹزرلینڈ سے آئے ہیں - یا اسکاٹ لینڈ کے رہنے والے ہیں - کلرک زیادہ تر بلجیم کے باشندے ہیں نوکر چاکر اور گھریلو ملازم چینی - جاپانی اور سنگاپور کے ہیں - عورتیں آئرلینڈ سے آئی ہوئی ہیں - خدمتگار اور خانساماں لوگ زیادہ تر فرانسیسی ہوتے ہیں - پارلیمنٹ میں اسکاٹ لینڈ کے فرد کی حکومت ہے - ملک کے مزدوروں کی تعداد میں کالی مخلوق کی تعداد بڑھ رہی ہے -

برطانیہ کیا ہے ؟ دراصل قوموں کی کھچڑی ہے یا مختلف اقوام کا مربہ ہے - اس لئے انگریز کی وضع قطع بھی اسی ڈھب کی بن چکی ہے وہ ایک خاص طور طریقے رکھتا ہے وہ ہمیشہ باولر ہیٹ پہن کر گھر سے باہر نکلتا ہے - اور ضرور ہاتھ میں چھڑی رکھتا ہے - جو محض نمائش کے لئے رکھی جاتی ہے - اور شاید ہی استعمال میں لائی جاتی ہے - وہ ایک ہاتھ میں بیگ رکھتا ہے - جس میں چائے کا فلاسک اور سینڈوچ ہوتی ہیں اور ٹائمز اخبار کا پرچہ بغل میں ضرور ہوتا ہے - چاہے وہ پرانا پرچہ ہی کیوں نہ ہو - بازوؤں پر بارشی کوٹ لٹکائے رکھتا ہے - سوٹ بھی بھڑکیلا اور پرانا ہوتا ہے - انگریز اپنے سامنے ہمیشہ اخبار ٹائمز کا پرچہ رکھتا ہے - اُس کا چہرہ ہندوستان اور پاکستان کی گرمی اور برطانیہ کی بارش اور گرد غبار سے پالش شدہ نظر آتا ہے - وہ روزانہ حجامت بناتے وقت چہرہ کو ضرور زخمی کرتا ہے -

ہزاروں سال سے آلو اور مچھلی کھا کر اُس کے چہرے کی ہڈیاں باہر نکلی ہوئی دکھائی دیتی ہیں - برطانیہ کا موسم بھی واقعی قابل ذکر ہے - یعنی کبھی بارش ہے - کبھی اندھیرا - کبھی آندھی اور کبھی طوفان - کبھی دھند ہے - اور کبھی جاڑا رہتا ہے - کبھی سرد ہوائیں چلتی ہیں اور کبھی برف پڑتی ہے - اس قسم کا موسم اُکتا دینے والا ہے - لیکن انگریز اس موسم سے بہت دلچسپی رکھتا ہے - اور مزے لے کر موسمی کہانیاں بیان کرتا ہے - یعنی اپنی پیدائش سے لے کر اپنے بچوں کی پیدائش اور موت تک موسمی تغیرات کے بارے میں تاریخ بیان کرتا کرتا ہے - پھر اپنے باپ کے زمانے کے موسم کا حال سناتا ہے - گو وہ روحانی طور پر پاکستانی مصوب کے لئے پریشان رہتا ہے - اور جس دن دھوپ نکلتی ہے - تو وہ خوشی کا دن ہوتا

ہے۔ موسم کی اس ناہمواری اور ناموافقت نے انگریز کو بہت ہی سخت جان اور جفاکش بنا دیا ہے۔ اور موسم کے اول بدلنے کی شکایت کرنے کے بجائے انگریز اس قسم کے موسم سے قدرے مانوس ہو چکا ہے۔ اور موسم کو ہی اپنا سب سے بڑا رفیق جانتا ہے۔ برطانیہ میں جہاں کہیں دو انگریزوں کے درمیان خاموشی کو توڑنا ہو۔ تو موسم کا ذکر کیا جاتا ہے۔ موسم کا ذکر آتے ہی خاموشی فوراً ٹوٹ جاتی ہے۔ گویا دو گہرے دوستوں کی ملاقات ہو گئی۔ دونوں اجنبی انگریز موسم کے موضوع پر یک جان یک زبان ہو کر آپس میں دوستانہ باتیں کرنے لگتے ہیں وہ نشے کی حالت میں بھی موسم کا ذکر کرنا نہیں بھولتا؛ بلکہ اپنے گزشتہ سال کے موسم کا بار بار ذکر کرتا ہے۔ کل موسم کیا تھا۔ اور اگست کے مہینہ میں موسم نے کیا کیا رنگ کھیلے۔ اس پر حیرانی کی جاتی ہے کہ آئندہ سال موسم کیا رنگ کھیلے۔ شاید امسال سردیوں میں برف ہو یا جاڑا رہے۔ بارش زیادہ ہو یا کم ہو۔ شاید دھوپ نکل آئے۔ آسمان ابر آلود بھی ہو سکتا ہے۔ یا موسم معتدل ہی رہنے پائے۔ اولے پڑیں یا خشکی بڑھ جائے۔ آندھی طوفان کا بھی خطرہ ممکن ہے۔ پھر موسم کا کیا اعتبار؟ وغیرہ۔ موسم کیا ہے ایک دلچسپ موضوع بن جاتا ہے۔ سوائے برطانیہ کے کسی اور ملک میں موسم کا ایسا رنگ بھی نہیں بدلتا رہتا۔ اور نہ ہی موسم جیسے روکھے پھیکے مضمون پر کوئی اس قدر زیادہ دلچسپی لیتا ہے۔ جس قدر انگریز اپنے موسم کے بارے میں دلچسپی لیتے ہیں۔ انگریز پر آفت ٹوٹ پڑے۔ اُس کا باپ مر جائے یا اُس کی بیوی ہلاک ہو جائے۔ اُس کے نزدیک کوئی حادثہ پیش آ جائے۔ وہ ٹس سے مس نہ ہوگا۔ مگر جونہی دھوپ نکل آئے۔ تو وہ خوشی کے مارے چیخیں مارتا ہے اور ہر ایک انجان راہگیر کو کھڑا کر کے اس کے ساتھ دھوپ کے بارے میں ضرور ایک آدھ جملہ بیان کرتا ہے۔ گو وہ کرکٹ۔ گھوڑ دوڑ۔ فٹ بال اور لاٹری وغیرہ کے بارے میں بھی دلچسپی رکھتا ہے۔ اخبارات اور باغبانی کا بھی شوق رکھتا ہے۔ اور شراب خانے سے بھی رغبت رکھتا ہے۔ مگر اس کی دلچسپی موسم کے بارے میں سب سے زیادہ ہے اُس کے مکان کی چھت اُڑ جائے۔ اور اُسے ساری رات جاگنا پڑے۔ وہ کسی سے اس بارے میں ذکر نہ کرے گا۔ بلکہ خاموشی سے سب کچھ برداشت کرے گا۔ لیکن موسم کی نیرنگی کا ضرور ذکر کیا جائے گا۔ دراصل برطانیہ کی آب و ہوا بھی جداگانہ حیثیت رکھتی گویا سردی گرمی یکجا کر دی گئی ہیں۔ نہ سردی کا پتہ چلتا ہے۔ اور نہ ہی موسم کی نعت

نئی تبدیلیوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ خزاں اور بہار ایک دوسرے سے پیوست ہوتے ہیں۔ سارا سال کام کرنے کو جی چاہتا ہے۔ گویا کام کرنے سے تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی بلکہ گونہ سرور حاصل ہوتا ہے۔ اور بیکاری ایک بیماری نظر آتی ہے۔ بارش اکثر رہتی ہے۔ اسی لئے پانی کی قلت بالکل نہیں پائی جاتی۔ دریاؤں کا پیٹ ہمیشہ پانی سے بھرا رہتا ہے کھیتوں کو پانی بہ سہولت قدرتی طور پر مل جاتا ہے۔ چراگاہیں سارا سال ہری بھری اور سرسبز رہتی ہیں۔ شکار کا بھی خاطر خواہ انتظام ہے۔ مچھلی اور آلو ملک کی سستی اور عام غذا ہے۔ ملک کی جھیلیں آدھی پانی سے بھری رہتی ہیں۔ اور آدھی مچھلیوں سے بھرپور ہوتی ہیں۔ دن اور رات باہم ملے جلے ہوتے ہیں۔ سورج دیوتا اپنا درشن دینے سے شرماتا ہے۔ یعنی دھوپ بہت کم رہتی ہے۔ چھاؤں کے سائے بہت ڈراؤنے دکھائی دیتے ہیں۔ جس سے ملک کی عام فضا کچھ غیر دلچسپ نظر آتی ہے۔ کارخانوں کی چمنیوں سے ہر وقت دھواں نکلتا رہتا ہے جو دن کو رات بناتا ہے۔ دھند اور دھوئیں سے ناک اور منہ میں کالی تہیں جم جاتی ہیں۔ عمارتوں پر کوئلے کی کالی کالی تہیں بھوتوں کی شکلیں بناتی ہیں۔ دھند کا جال بھی کبھی کبھار شہروں کو تاریک کر دیتا ہے۔ جس سے سانس بھی رک جاتا ہے آب و ہوا کا ایک نمایاں اثر یہ ہے۔ کہ ملک سردی کی شدت سے محفوظ ہے۔ اور مجموعی طور پر معتدل بن گیا ہے۔ کالی دھند آسمان پر ہر وقت رہتی ہے کبھی کبھار جب دھوپ پڑے تو موسم شاندار بن جاتا ہے۔ نہ سورج عام طور پر لمبی رخصت لے کر بادلوں میں غائب رہتا ہے۔ سمندر کی نزدیکی نے برطانیہ کو برفانی ملک بنانے سے بچا دیا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ برطانیہ کا موسم سارا سال تقریباً ملا جلا رہتا ہے۔ ملک بھی قدرتی نظاروں سے بھرا ہوا ہے۔ پہاڑ زیادہ نمایاں نہیں۔ لیکن خوبصورت ضرور ہیں۔ اکتوبر کا مہینہ بہت دل پسند کہلاتا ہے۔ چراگاہیں عام اور دلفریب ہیں۔ فصلوں کی کاشت بھی ہوتی ہے گھاس کی کمی نہیں۔ جوار اہم فصل ہے۔ بھیڑیں بھی پائی جاتی ہیں۔ اُون اور گوشت دونوں باہر سے منگواتے ہیں۔

آج کا برطانیہ انسانی عقل و حکمت کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ گویا انسانی عقل نے ایک خونخوار۔ اُجڈ اور درندہ صفت ملک کو رشکِ جنت بنا ڈالا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ملک

کالی مخلوق کے لئے عذاب بنا رہا۔ مگر خود برطانوی عوام کے واسطے جنت ارضی ہے صنعتی انقلاب نے اس ملک کی دولت میں اضافہ کیا۔ اور غیر ممالک پر قابض کیا۔ برطانیہ کے سمندر۔ دریا۔ پہاڑ۔ نہریں۔ جھیلیں اور شہروں کی تعمیر انگریزی محنت کا زندہ ثبوت ہیں گویا قدرت کو برطانیہ والوں نے اپنے ڈھنگ پر ڈھال دیا ہے۔ سمندر کو استعمال میں لاکر بحری طاقت میں اضافہ کیا گیا۔ دریاؤں اور پہاڑوں سے فوائد حاصل کئے گئے۔ نہروں اور جھیلوں سے فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ برطانوی قوم کی حسن کارکردگی کا عملی ثبوت ملک کی چپہ چپہ زمین پر صاف دکھائی دیتا ہے۔ زمین کے چھپے ہوئے خزانوں کو باہر نکال کر استعمال میں لایا گیا۔ بنجر زمینوں کو زرخیز بنایا۔ زراعت میں ترقی کی۔ چٹانوں سے قیمتی معدنیات کا ذخیرہ حاصل کیا۔ ملک کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک سڑکوں اور ریلوں کے ذریعہ ملا دیا۔ سفر کی سہولتیں عام کر دیں۔ اور انسانوں کا باہمی میل ملاپ قائم کیا۔ دنیا بھر کی تمام ضرورتیں برطانیہ میں اکٹھی کی گئیں۔ پہاڑ اگر راستے میں آئے۔ تو اُن کو سرنگیں لگا کر پار کیا گیا۔ دریاؤں اور نہروں پر پُل باندھ دیئے گئے۔ مختلف ممالک کو سمندری اور ہوائی آمد و رفت کی وجہ سے ایک دوسرے کا ہمسایہ بنا دیا اور دُنیا کے کونہ کونہ کے حالات کو اخبارات کے صفحات پر آنکھوں کے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ یہ تمام واقعات اس قوم کی کامیابی اور اہمیت کا پتہ دیتے ہیں۔ دُنیا بھر کی نگاہیں برطانیہ پر لگی رہتی ہیں۔ کہ کب پردۂ غیب سے کچھ ظہور میں آجائے۔ برطانیہ کی وجہ سے ہی امریکہ۔ روس اور دوسرے صنعتی ممالک نے ترقی کی۔ موجودہ چین۔ ہندوستان اور پاکستان کے علاوہ دوسرے ممالک بھی برطانیہ کے نقش قدم پر چلنا فخر خیال کرتے ہیں ترکی نے برطانیہ کی نقالی میں اپنی نجات سمجھی۔ پارلیمنٹری طرز حکومت کا برطانیہ نے رواج دیا مزدوروں کے بہتر اوقات کارکردگی کا تجربہ برطانیہ نے دنیا کو سمجھایا۔ آزادی اور انقلاب کے نعرے بھی برطانیہ سے ہی بلند ہوئے۔ انگریزی تاریخ نے تمام ممالک کی تاریخ پر اپنے اثرات چھوڑے۔ اور دُنیا کی مختلف اقوام پر برطانوی تاریخ نے اپنے اثرات قائم کئے۔ برطانیہ کی تاریخ انسانی تاریخ کا ایک اہم جزو بن گئی۔ دُنیا کی سابقہ تہذیبوں کے اثرات محدود علاقوں تک مخصوص رہے۔ مگر انگریزی تہذیب کے اثرات عالمگیر بن گئے۔ بلکہ برطانیہ ہی تمام گزشتہ تہذیبوں کا واحد وارث بن بیٹھا۔ اور برطانوی تہذیب نے تمام تہذیبوں کو اپنے اندر اکٹھا کر دیا۔ اور اُسے انگریزیت کی ایک مخصوص شکل دے دی۔ برطانیہ کے

مالدار گنجان آباد شہر۔ پرانی اور تاریخی عمارتیں۔ گرجے۔ عجائب گھر۔ آرٹ گیلریاں۔ تجارتی دفاتر۔ کارخانے۔ سرکاری عمارتیں۔ یونیورسٹیاں۔ ہسپتال اور بندرگاہیں وغیرہ سب برطانوی عظمت اور شان و شوکت کا پتہ دیتے ہیں۔

برطانوی باشندے تقریباً دس صدیوں سے برطانیہ میں آکر آباد ہونے لگے۔ نارمن لوگ تو یورپ سے آئے اور برطانوی جزائر پر قبضہ کر ڈالا۔ انگریزی زبان بذاتِ خود اس چیز کا ثبوت ہے۔ کہ برطانیہ مختلف قوموں کا جائے اجتماع رہا ہے۔ ملک کی اصل زبانیں ویلز اور اسکاٹ لینڈ کے چند دور دراز علاقوں میں ابھی تک باقی ہیں۔ یورپ سے قافلہ در قافلہ اور گروہ در گروہ قبائل برطانیہ میں مختلف اوقات میں آباد ہوتے رہے۔ اور یہ اضافہ ابھی تک جاری ہے۔ پچھلے چند برسوں سے جزائر غرب الہند کے حبشی باشندے اور دیگر نو آبادیات اور دولت مشترکہ کے لوگ بھی برطانیہ میں آکر آباد ہونے لگے ہیں۔ یورپ کے شہروں سے بھی لوگ برطانیہ پہنچتے ہیں۔ بہت سے برطانوی باشندے غیر ممالک کو ہجرت کرتے ہیں۔ عورتوں کی تعداد مردوں کی تعداد سے زیادہ ہے۔ بوڑھوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اور عورتوں کی عمریں بھی لمبی ہو رہی ہیں۔

انگریز اپنی جرمن قومیت پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اینگلوسیکسن اور جیوٹ قبائل جرمنی سے آکر برطانیہ میں آباد ہوئے۔ اغلباً پانچویں صدی میں جرمن قبائل نے برطانیہ کی طرف رخ کیا۔ یہ قبائل رومن تہذیب کے اثرات لے کر پہنچے۔ برطانیہ پہلے ہی رومن قبضہ کے باعث رومن اثرات قبول کر چکا تھا۔ لہذا ان جدید جرمنی قبائل کی آمد سے سماجی زندگی میں یکسانیت پیدا ہو گئی۔ رومن اثرات برطانوی قوم کے لئے قومی وراثت بن گئے۔ اور برطانوی روایات کی شکل و صورت اختیار کی۔ عیسائیت کے اثر و رسوخ نے آبادی میں پوپ کا اقتدار پھیلانا شروع کر دیا۔

برطانیہ کی حکومت شاہی خاندان کے اردگرد قائم ہے۔ یعنی نظام سلطنت شہنشاہت پسند ہے۔ یہ نظام سیکسن بادشاہوں نے قائم کیا۔ سب سے پہلے ویلز اور آیرلینڈ ایک سلطنت کے تحت لائے گئے۔ سکاٹ لینڈ کو آخر میں اس میں شامل کیا گیا جبکہ جیمز اول نے ۱۶۰۳ء میں دونوں ممالک پر یکساں حکمرانی شروع کر دی۔ اور رفتہ رفتہ

یہ ملک متحدہ ملک بننے لگا۔ اور ایک ہی پارلیمنٹ کے زیر اثر آگیا۔ مگر مقامی ضرورتوں کے پیش نظر مقامی قوانین کو جاری رہنے دیا گیا۔ اور اُن قوانین کے اندر مداخلت نہ کی گئی۔ ویلز کے لئے آج تک ایک علیحدہ وزیر مقرر کیا جاتا ہے۔ اسکاٹ لینڈ کا اپنا مقامی قانون قائم ہے۔ اور وہ اپنی عدالتوں میں خود مختار ہے۔ اور علیحدہ چرچ کا بھی مالک ہے۔ شمالی آئرلینڈ کے معاملے میں بھی فراخ دلی کا ثبوت دیا گیا۔ اور عام رواداری کو استعمال میں لاتے ہوئے اُسے پوری آزادی دی گئی حتیٰ کہ برطانیہ کے چند ساحلی جزائر تک اندرونی خود مختاری رکھتے ہیں۔ گویا برطانوی نظام حکومت میں انسانی کمزوریوں کا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے اور انتظام ملک میں قدرتی لچک اور آزادی رکھی گئی ہے۔ جس میں کسی قسم کا دباؤ یا ناجائز پابندیاں بالکل نہیں پائی جاتیں۔ لیکن تاج برطانیہ کی سرپرستی سب پر یکساں قائم ہے۔ اور برطانوی پارلیمنٹ کا اثر و رسوخ بھی حاوی ہے۔ صرف شمالی آئرلینڈ کی اپنی علیحدہ پارلیمنٹ ہے۔ اور وہاں کا گورنر شاہی نمائندہ کہلاتا ہے۔ جو اجلاس کے لئے پارلیمنٹ کو طلب کرتا ہے۔ یا اجلاس کو بند بھی کرسکتا ہے۔

برطانیہ پر اٹھارویں صدی تک پریوی کونسل طرز حکومت قائم رہی۔ اور حکومت کے تمام اختیارات اسی ادارہ میں مرتکز رہے۔ لیکن رفتہ رفتہ کیبنٹ نے تمام اختیارات اپنے ذمے لینے شروع کر دیے۔ اور اس طرح پریوی کونسل کی حیثیت ختم ہوکر محض نمائشی اور برائے نام رہ گئی۔ اور اُس کا یہ کام رہ گیا کہ وہ منظور شدہ سفارشات پر مہر تصدیق ثبت کرے اور بس! بلکہ کیبنٹ کے وزرا ہی پریوی کونسلر بن گئے ہیں۔ اور پریوی کونسل کو ثانوی درجہ حاصل ہے۔ جملہ اختیارات تو کیبنٹ کے پاس ہیں۔ تاہم پریوی کونسل کے ممبران کا انتخاب وزیراعظم کی مرضی پر موقوف ہے۔ لیکن روایت یہ بن چکی ہے کہ اخلاقی طور پر وزیراعظم شاہی حکمران کو اس بارہ میں اپنی سفارش کرتا ہے۔ اور اُن اشخاص کو جو قومی حیثیت سے ممتاز ہوں۔ اور پریوی کونسل کے ممبر منتخب ہوں۔ اُن کی ایک فہرست شاہی حکمران کی منظوری کے لئے بھیجی جاتی ہے۔ پریوی کونسل کا اجلاس بھی شاہی حکمران کے زیر نگرانی ہوتا ہے۔ تین یا چار ممبروں پر مشتمل اجلاس بلایا جاتا ہے۔ شاہی حکمران کی موجودگی میں لارڈ پریذیڈنٹ اجلاس کی صدارت کرتا ہے جو کیبنٹ کا اہم ممبر ہوتا ہے۔ اور اُسے اجلاس کی کارروائی میں آزادی ہوتی ہے۔ شاہی حکمران

کی ناگہانی موت پر یا کسی قانونی یا آئینی الجھن میں تمام پریوی کونسلرز طلب کئے جاتے ہیں۔ کیبنٹ کا انتخاب وزیراعظم کرتا ہے۔ جو برسراقتدار جماعت کی نمائندگی کرتا ہے۔ مگر ملک کا نظم ونسق چلانے کی ساری انتظامی ذمہ داری سول سروس کے مستقل ملازمین پر آکر پڑتی ہے۔ یہ اشخاص نہایت ہی دیانتداری اور محنت سے ملک کی خدمت کرتے ہیں۔ وزرا بھی مختلف محکموں کو چلانے کے لئے سول سروس کے ملازمین کے محتاج ہوتے ہیں۔ گویا انتظامی گورکھ دھندے کا سارا بوجھ سول سروس کے ملازمین پر آکر پڑتا ہے۔ وہی اس سارے ملکی کاروبار کو چلاتے ہیں۔ وہ ملک کی کسی سیاسی جماعت سے تعلق نہیں رکھتے۔ اور وہ ہر ایک نمائندہ قومی حکومت کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں۔ اور ملک کے انتظام کو یکساں اہلیت چلاتے ہیں۔ برطانیہ کی سروس نوکرشاہی کہلاتی ہے۔ اُن کی حیثیت ایک ادنیٰ خادم کی ہوتی اور اُن کو پارلیمنٹری جوڑ توڑ۔ سیاسی رسہ کشی اور آئینی تبدیلیوں سے کوئی بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ سروس کو اس سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ کہ چرچل وزیراعظم ہو۔ یا اٹیلی۔ ایڈن برسراقتدار ہو یا میکمیلن کی حکومت ہو۔ سول سروس کے ملازمین اپنا روزمرہ کا انتظامی کاروبار برابر جاری رکھتے ہیں۔ انتظامیہ مشینری کے کل پرزے درست رکھتے ہیں۔ یہ نوکرشاہی کے ملازمین وزیر متعلقہ کے تحت اپنا کام سرانجام دیتے ہیں۔ اپنے کام یا تنخواہ سے غرض رکھتے ہیں۔ پارلیمنٹ کی عمر پانچ سال ہوتی ہے۔ لیکن سول سروس کے ملازمین دائمی ملازمت رکھتے ہیں۔ اُن کو وزرا کی ذاتی شخصیت یا سیاسی عقائد سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ وہ ملک کا انتظام بہرصورت چلاتے ہیں۔ یہ مفید ادارہ پچھلی ایک صدی کے دوران میں مختلف ترقی اور تبدیلی کے مدارج طے کرتا ہوا آج ایک قومی حیثیت رکھتا ہے۔ سول سروس کے ملازمین مقابلہ کے امتحانات میں کامیاب شدہ ہوتے ہیں۔ اور ان کا انتخاب میں کسی قسم کی سفارش یا رعایت کی گنجائش نہیں ہوتی۔ سول سروس کمیشن اعلیٰ تعلیم کے معیار پر اور اعلیٰ قابلیت کے مقررہ کردہ قواعد کی بنا پر ملازمت دلاتی ہے۔ یہ اس لئے کہ یہی لوگ ملک کی ریڑھ کی ہڈی کہلاتے ہیں۔ پارلیمنٹری قوانین کا انتظام اور اس کا نفاذ وغیرہ یہ سب سول سروس کی انتظامی ذمہ داری ہوتا ہے جو بڑی دیانتداری اور محنت سے پوری کی جاتی ہے۔ ہر ایک محکمہ ایک سکرٹری کے تحت کام کرتا ہے۔ جس کی مدد کے لئے اہلکار ملازم رکھے جاتے ہیں۔ اور تمام سول سروس کا کنٹرول محکمہ خزانہ کے

سپرد ہے - اُن کی تنخواہوں - نوکری کی شرائط - تعداد - ترقی اور تبدیلیوں کے بارے میں ایک مرکزی انتظامیہ کا محکمہ ہوتا ہے - جو ان کے داخلہ اور ٹریننگ کے قواعد اور احکامات تقسیم کارکردگی وغیرہ کا ذمہ دار ہے - سول سروس بجائے خود

چار اہم درجوں میں تقسیم کی جاتی ہے :-

(۱) **انتظامیہ امور کی نگرانی** :- یعنی وزیر متعلقہ کو انتظامیہ امور کے بارے میں مشورہ دینا اور مختلف انتظامی انجمنوں کو انتظامیہ احاطہ کے اندر آسان کرنا اور پالیسی وغیرہ کا نفاذ - آئندہ کے لئے پالیسی کی پیش بندی یا جائزہ لینا کہ اُس پالیسی پہ ملک کا انتظامیہ کس طرح اثر انداز ہوسکتا ہے وغیرہ - یہ تمام امور محکمہ انتظامیہ امور کی زیر نگرانی سرانجام پاتے ہیں - یہ لوگ بڑی قابلیت کے معیار پر رکھے جاتے ہیں

(۲) **عاملہ** :- یہ روزمرہ کے انتظامیہ کاروبار کو چلاتی ہے - اور انتظامیہ امور کی پالیسی کے بارے میں مشورہ دیتی ہے - اور قوانین کے نفاذ میں عملی طور پر مندوبست کرتی ہے عاملہ کے اشخاص مختلف امور کے پختہ و آزمودہ تجربہ کار ہوتے ہیں اور مختلف محکموں کی پڑتال بھی ان کے ذمے ہے -

(۳) **دفتری کارکن** :- یہ حضرات دفتری ریکارڈ کو سنبھالتے ہیں - اور تمام سرکاری کاغذات کا کام اُن کے سپرد ہے - نیز اخراجات کی فہرست بھی یہی لوگ طیار کرتے ہیں دفتری ڈاک اور سرکاری کاغذات کی حفاظت وغیرہ اور اُن کو طے کرنا اور عاملہ کے پاس پہنچانا یا محکمہ انتظامیہ سے احکامات وصول کرنے وغیرہ - یہ تمام کاغذی گورکھ دھندا یہی دفتری کارکن چلاتے ہیں -

(۴) **اہلکار** :- یہ بھی چھوٹے موٹے دفتری کاموں پہ ملازم ہیں -

مندرجہ بالا چار اہم درجوں کے علاوہ مختلف محکمہ جات میں سپیشلسٹ بھی ملازم رکھے جاتے ہیں - جو مختلف امور کے بارے میں ماہرانہ مشورہ دیتے ہیں - تاکہ پالیسی وضع کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ پڑے - فارن سروس کے اشخاص غیر ممالک میں قومی خدمات سرانجام دیتے ہیں - اس کے علاوہ خزانہ کی منظوری بھی شرائط ملازمت اور داخلہ - ترقی اور تبدیلی وغیرہ امور میں حاصل کی جاتی ہے - اس طرح اعلیٰ قابلیت کے اشخاص سول سروس کو چلاتے ہیں - اُن کی ترقی کے راستے میں کسی قسم کی روکاٹ نہیں آنے پاتی - بالآخر وہ اپنی محنتوں کا

ثمرہ بوڑھی عمر میں جا کر پنشن کی صورت میں وصول کرتے ہیں۔ وہ ملازمت کا زمانہ اخلاقی پابندیوں کے اندر رہ کر قومی خدمت اور سرکاری نوکری میں خاموشی سے گذار دیتے ہیں وہ قومی مشینری کے کل پرزے بن کر اپنی ذاتی حیثیت نہیں رکھتے۔ اور نہ ہی ذاتی حیثیت سے اخبارات یا ریڈیو کو بغیر حکومت کی مرضی کے کوئی بیان دیتے ہیں۔ اور نہ ہی وہ ذاتی سیاسی اعتقادات کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ کسی تجارتی یا صنعتی ادارے سے ذاتی مراسم نہیں رکھ سکتے۔ وہ ٹھیکہ داری کا کام نہیں کر سکتے۔ اُن کا کام سرکاری معیار کارکردگی کو بکمال اہلیت۔ اخلاقی اور تنظیمی طور پر بلند رکھتے ہوئے قومی خدمت سر انجام دینا ہے۔ اور کسی قسم کی غیر انسانیت اور خلاف توہین حرکت نہیں کرتے۔ جس سے اُن کے سرکاری کارکردگی میں فرق پڑ سکے۔ اور نہ ہی وہ سرکاری حیثیت سے ذاتی طور پر کسی واقف آشنا کو ناجائز نفع اندوزی میں مدد پہنچاتے ہیں۔ اُن کو سرکاری رازدان اور امین کی حیثیت سے کسی بھی سرکاری کام کے بارے میں کسی سے بھی انکشاف کرنے کی اجازت نہیں ہوتی

اخراجات کے کنٹرول کا کام محکمہ خزانہ کے سپرد ہے۔ جس کی مدد کے لئے کمپٹرولر اور اڈیٹر جنرل مقرر ہیں۔ جو بجٹ کی سفارشات یا منظوری کے پیش نظر اخراجات کا مناسب انتظام کرتے ہیں۔ بجٹ بہت پرانا لفظ ہے۔ ایک پرانا تھیلہ جس میں کاغذات یا اخراجات رکھے ہوں اس سے بجٹ کا استعمال اور رواج شروع ہوا۔ جبکہ چانسلر اور ایکسچکر نے اپنی سالانہ رپورٹ میں آمدن اور خرچ کا موازنہ کرتے ہوئے آئندہ سال کے لئے اپنی سفارشات پیش کیں۔ وہاں سے بجٹ کا رواج بڑھ گیا۔ اب تو بجٹ کی رپورٹ اور تقریر قومی زندگی کا ایک اہم جزو بن چکی ہے۔ آئندہ سال کے اخراجات اور آمدن کے نئے ذرائع مثلاً ٹیکس کی مدات کو حاصل کرنا یا اُن میں ردّ و بدل کرنا اور تمام مالی سفارشات کو فنانس بل کی شکل میں پیش کرنا ہی بجٹ کا کام ہے۔ بجٹ کو سامنے رکھتے ہوئے تمام ملک کی معاشرتی۔ اقتصادی اور تجارتی زندگی کا نقشہ سامنے نظر آتا ہے۔ یعنی ملک کی مجموعی آمدن کا قومی اخراجات سے تعلق کا پتہ چل سکتا ہے۔ یعنی ملک کی آئندہ خوش حالی یا بربادی کا آسانی سے اندازہ لگ جاتا ہے

ملک کا ہر ایک بالغ جورتی بھر سیاسی شعور رکھتا ہے۔ وہ رائے دہندہ کی حیثیت سے

برطانوی حکومت کا حصہ دار ہے۔ اور اُسے آزادی حاصل ہے کہ وہ ہر طرح سے اپنی مرضی کا اظہار کر سکے۔ گویا برطانوی گورنمنٹ عام پبلک کی بہبودی اور سماجی بہتری کے لئے قائم ہے۔ عوام بھی حکومت کو اس لئے برداشت کرتے ہیں۔ کہ اس طرح عام قومی ترقی ممکن ہو سکتی ہے۔ حکومت کو ظالم یا عذاب نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ گورنمنٹ عوام کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے بہت خواہش مند رہتی ہے۔ اور عوامی جذبات اور احساسات کا اُسے ہر وقت خیال رہتا ہے۔ اسی چیز کو جمہوریت کہتے ہیں۔ حکومت عوام کی خادم کہلاتی ہے۔ اور عوام کی بہبودی کو اپنا فرض منصبی سمجھتی ہے۔ گویا برطانیہ میں جمہوریت کی بنیاد ہی اسی پر منحصر ہے کہ کہ عوام کو آزادی حاصل ہو اور حکومت کو عوام کا اعتماد اور مدد ملتی رہے۔ ظالم اور نا اہل فرعون مزاج حکومت کو چوروں یا بدمعاشوں کا کلب کہا جاتا ہے۔

جمہوریت کی بنیاد ہی اس پر موقوف سمجھی جاتی ہے۔ کہ عوام کو تعلیمی آسانیاں میسر ہوں۔ اقتصادی خوش حالی اور فارغ البالی تمام ملک پر چھائی ہو۔ اور کوئی بھی ظالمانہ حرکت نہ کرنے پائے۔ عوام کو حکومت پر بھروسہ ہو اور حکومت عوام کی بہتری کے لئے کوشاں ہو۔ اور کسی بھی فرعون مزاج سرکاری ملازم کو من مانی کارروائی کرنے کی اجازت نہ دی جائے بلکہ سرکاری ملازم عوام کے خادم ہوں۔ ملک کی سیاسی جماعتیں اور مزدوروں کی انجمنیں عوام کی بہبود کا کام کریں۔ اور اپنی ذمہ داریوں کو اخلاقی طور پر سرانجام دیں۔ بنیادی جمہوریت برطانیہ سے شروع ہوتی ہے۔ کیونکہ ملک کا تعلیم یافتہ طبقہ جمہوریت کا نگہبان ہے۔ اور مسلسل جہاد اور لگاتار کوشش میں مصروف رہتا ہے۔ ہمیشہ کام کرتا ہے۔ اور تگ و دو کو جاری رکھتا ہے۔ عوام کی خدمت کی جاتی ہے۔ سیاسی جماعتوں کے لیڈر جھوٹے۔ مکار اور مطلب پرست نہیں۔ بلکہ عوام کے خادم ہیں۔ اور آزادی سے برطانوی سوسائٹی کی روحانی مجلسی اور قومی خدمت ادا کرتے ہیں۔ گو برطانوی نظام انسانی کمزوریوں سے پاک صاف نہیں۔ مگر دیانت اور سچائی سے ان کمزوریوں کا اعتراف کیا جاتا ہے۔ اور آئندہ کے لئے اُن سے سبق سیکھا جاتا ہے۔ اس طرح کمزوریوں کو چھپانے کے بجائے اُن کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ برطانیہ کا آزاد پریس ان کمزوریوں پر کڑی نگرانی رکھتا ہے۔ اور ہمیشہ سخت نکتہ چینی کرتا ہے۔ تاکہ تمام کمزوریاں دور کی جا سکیں۔ اور اس طرح برطانیہ فائدہ اُٹھا رہا ہے۔

عام مشہور ہے۔ کہ برطانیہ میں آزادی کا دور دورہ ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ انگریز نکتہ چینی کو بہت پسند کرتا ہے۔ اور وہ اپنے دشمنوں کو سب سے بہترین دوست سمجھتا ہے۔ اور اُن کی نکتہ چینی اور دشمنی کو اپنے لئے اور ملک کے واسطے بہت ضروری اور مفید جانتا ہے وہ دل وجان سے دشمن کی قدر کرتا ہے۔ یہ بلڈاگ قوم اُس دشمن کی عزت کرتی ہے جو اُن کو زیادہ ستائے زیادہ پریشان رکھے۔ تنگ کرے۔ دھکے دے۔ مکّے مارے نکتہ چینی اور اعتراض کرے۔ لاتوں اور گھونسوں سے اُن کی مرمت کرے۔ مگر خوشامدی چاپلوس اور ابن الوقت دوست سے انگریز نفرت رکھتا ہے۔ اور ایسے دوست کو وہ اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتا ہے۔ انگریز اپنے جانی دشمن۔ سے کچھ خوف محسوس نہیں کرتا مگر اپنے خوشامدی دوست سے ہر وقت خبردار رہتا ہے۔ اور اُس کی دوستی پر بالکل اعتبار نہیں کرتا۔

اسی اصول کے پیشِ نظر برطانیہ میں آزادیٔ رائے پر کوئی پابندیاں عائد نہیں لیکن سماجی حالت اس سے مختلف ہے۔ اندرون ملک کوئی بھی دو آدمی آزادی کے ساتھ آپس میں بات چیت نہیں کر سکتے۔ گاڑی کا سفر ہو۔ یا بس میں سفر کیا جائے۔ مسافر آپس میں گھنٹوں تک خاموش ایک دوسرے کا منہ تکتے رہتے ہیں۔ ....

.... محلے والے آپس میں ایک دوسرے سے ناواقف رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اگر کوئی بات ہو بھی تو وہ عام طور پر کتوں۔ موسم اور گھوڑ دوڑ یا فٹ بال کے بارے میں ہوتی ہے۔ گورنمنٹ نے سازشی عناصر کی دیکھ بھال کے لئے ہائیڈ پارک کارنر میں آزادی دے رکھی ہے۔ جہاں کوئی بھی اپنے دل کی بھڑاس نکال سکتا ہے۔ عام لوگ تقریریں سن کر واپس اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ مگر تقریر کرنے والوں کی خفیہ پولیس کڑی نگرانی شروع کر دیتی ہے۔ تاکہ اُن کی باغیانہ حرکتوں کو بروقت دبایا جا سکے۔ گویا برطانیہ کی نام نہاد آزادی کی اجارہ داری محض باہر کی دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کے لئے ہے۔ اندرون ملک آزادی کی کھلی صورت سماجی زندگی میں مفقود ہے۔ گورنمنٹ کے خلاف آواز اُٹھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ گویا آزادیٔ رائے محض دماغی عیاشی بن کر رہ گئی ہے۔ گستاخ اشخاص اور باغی عناصر کا اس آزاد فضا میں آسانی سے پتہ چل سکتا ہے یعنی حکومت نے بغاوت پر قابو پانے کے لئے آزادی

کو آسان ترین ہتھیار کے طور پر استعمال کر رکھا ہے۔ جس کا جی چاہے۔ تقریر کرے۔ حکومت کچھ بھی پابندی عائد نہیں کرتی۔ اخبارات آزاد ہیں۔ اور ہر قسم کی نکتہ چینی کی۔ انہیں آزادی حاصل ہے۔ لیکن اسی آزادی نے برطانیہ میں بغاوت کو پیدا نہیں ہونے دیا۔ اور نہ ہی برطانیہ کسی خونی انقلاب سے دوچار ہوا ہے۔ آئینی تبدیلیاں خاموشی سے جاری رہتی ہیں۔ جن سے انقلابی حالات پر آسانی سے قابو پایا جاتا ہے۔ طلبا عملی سیاست میں حصہ لینے کے بجائے عبارت کے مضمون کو سمجھنے پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ عوام کسی غیر ملکی یا ملکی لیڈر کی آمد پر اپنا کاروبار بند نہیں کرتے۔ نہ ہی اپنے کاروبار کو چھوڑ چھاڑ کر لیڈروں کے استقبال کے لئے سارا دن ضائع کرتے ہیں۔ کسی قسم کی نعرہ بازی میں اپنا وقت ضائع نہیں کرتے۔

ملک میں کمیونزم کے پھیلنے کے بھی امکانات بہت کم ہیں۔ بلکہ کمیونزم کو برطانیہ میں شکست مل چکی ہے۔ برطانوی عوام عملی سیاست سے کوسوں دور رہتے ہیں اور برطانوی مزدور اپنے کام سے دلچسپی رکھتا ہے۔ اُسے سیاسی یا جماعتی جدوجہد کی بالکل پرواہ نہیں۔ وہ کسی قسم کے خونین انقلاب کا شوق نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ سیاسی شعور سے خالی ہوتا ہے

اور نہ ہی سیاسی مسائل کو سمجھنے کی اہلیت رکھتا

ہے۔ گو لیبر پارٹی کا روحانی سایہ عوام پر پڑا ہوا ہے۔ لیکن سرمایہ دارانہ پریس۔ ریڈیو۔ ٹیلی ویژن نے اُن کو انقلابی تصورات سے بیگانہ کر دیا ہے۔ وہ سیاسی تقریریں سننے کے بجائے اپنا زیادہ وقت کھیلوں کو دیکھنے یا اُن میں عملی حصہ لینے میں گذارتے ہیں۔ فرصت کے اوقات بھی ٹیلی ویژن دیکھنے میں صرف کئے جاتے ہیں۔ خوش پوش اور خوبصورت سیاسی لیڈروں کو ٹیلی ویژن پر پسند کیا جاتا ہے۔ چاہے وہ کسی سیاسی جماعت سے تعلق رکھتے ہوں۔ گویا سیاسی پارٹیوں کے نزدیک ٹیلی ویژن ایک نئی مصیبت کھڑی ہو گئی ہے۔ عوام اب سیاسی پارٹیوں کے بجائے اپنی پسندیدہ ٹیلی ویژن کی شخصیت کو ووٹ دیتے ہیں۔ اور ٹیلی ویژن کا سفید پردہ انتخابی سیلیٹ بن چکا ہے۔ ایک غیر معروف گمنام ناپسندیدہ شخص بھی ٹیلی ویژن پر عوام میں مقبول ہو جانے پر پارلیمنٹ کا ممبر بن سکتا ہے۔ اگر وہ ٹیلی ویژن پر

مقبول ہو گیا۔ تو فوری طور پر کامیاب ہو جاتا ہے۔ اور زیادہ ووٹ حاصل کر لیتا ہے۔ اور اگر ناپسندیدہ بن گیا۔ وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ٹیلی ویژن پر ذرا سی لغزش تھوڑی سی جھجک معمولی سا شرمیلا پن۔ جذبات کمتری کا اظہار۔ آنکھوں کی بے جا نازیبا حرکتیں۔ ہونٹوں پر

خشکی کا آجانا - جوش غضب میں لعاب دہن باہر نکالنا - لباس میں بے احتیاطی یا بدترتیبی لباس کا خلاف فیشن ہونا - نیا لباس پہن کر نہ آنا - سر کے بالوں کو کنگھی نہ کرنا یا خلاف فیشن کنگھی کرنا - الفاظ کا غیر مانوس جوڑ توڑ یا غلط استعمال - تقریر کرتے وقت لکنت کا ظاہر ہونا یا تقریر کا غیر دلچسپ طرزادا - کانوں کو بار بار پکڑنا - بازوؤں کو اوپر نیچے لے جانا - غصہ سے لال پیلا ہو جانا - شکل وصورت کا بھدا پن مسکراہٹ کا نہ آنا یا زیادہ زور زور سے قہقہے لگانا اور بھدے طریقے سے ہنسنا - آنکھوں اور ناک کے نتھنوں کو بار بار انگلیوں سے کھرچنا - گردن کو انگوٹھے سے کھجلانا - کندھوں کو بار بار حرکت دینا - گھٹنوں کو زور زور سے ہلانا - یا اُن کا خود بخود ہلنا - پرانی یا خلاف فیشن نکٹائی کا استعمال - کھلا کالر - فلالین کا سوٹ - گھٹیا قسم کی گھڑی - آواز کا غلط اُتار چڑھاؤ وغیرہ - یہ تمام چیزیں پارلیمنٹری امیدوار میں ٹیلی ویژن پر دیکھی جاتی ہیں - گویا آزادی رائے یا ذاتی قابلیت - سیاسی اصول اور پارٹی پروگرام دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں -

برطانوی آزاد پسندی کا کھوکھلا پن اس سے صاف نظر آتا ہے - حالانکہ برطانیہ کو عام طور پر آزادیٔ رائے کا گھر سمجھا جاتا ہے - لیکن اس آزادی کے گھر میں آئے دن آزاد خیال مصنفین پر مقدمے چلتے ہیں - اور اُن کی کتابوں کو قابل اعتراض قرار دے کر اُن کی اشاعت کو بند کیا جاتا ہے - لٹریچر پر سنسر کا قدم و خاذک دباؤ بجائے خود آزادی کو ختم کرنے کے برابر ہے - آزادی رائے کو دبانے اور بند کرنے کے لئے آئے دن عدالتوں سے رجوع کرنا پڑتا ہے - ملک میں ایسے قوانین نافذ ہیں - جو آزادی رائے کو ختم کرنے کے لئے کافی ہیں اور عدالتیں بھی اُن ظالمانہ قوانین کے تحت مختلف کتابوں پر پابندیاں عائد کرتی ہیں گویا حکمران طبقہ اپنی پوزیشن کو بچانے کے لئے ہر قسم کے دباؤ سے کام لیتا ہے - برطانوی آزادی کا پروپیگنڈا محض دھوکہ بازی کے سوا اور کچھ بھی نہیں - معمولی سی کوتاہی پر بھاری سزا دی جاتی ہے - آزادی کے گھر سے جو انگریز باہر غیر ممالک کو جاتا ہے - وہ دوسرے ممالک کے خلاف گندگی اور کیچڑ اُچھالتا ہے - اور اُن ممالک کے باشندوں کو بیدریغ قتل کرتا ہے - یا قید کرتا ہے - اس سے زیادہ آزادی سے دشمنی اور کون سی ہو سکتی ہے نیز برطانیہ اپنی گذشتہ تاریخ میں دوسری قوموں کی آزادی چھین کر اپنا پیٹ بھرتا رہا - مختلف ممالک سے لڑائیاں لڑی گئیں - بلکہ تاریخ کی زیادہ لڑائیاں برطانیہ نے ہی

لڑی ہیں۔ دوسری قوموں کے ساتھ جنگ کر کے برطانیہ نے اُن اقوام کی آزادی کو چھین کر اپنی تجارت اور خوش حالی کو بڑھایا۔ برطانیہ کی جنگی طیاریاں اس امر کا ثبوت ہیں۔ کہ برطانیہ ابھی تک اپنی پرانی روش پر قائم ہے۔ دوسری قوموں کے قتلِ عام کو کیسے جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟ برطانوی پریس اور ادب غیر ممالک کے باشندوں کے خلاف ہمیشہ نفرت پھیلاتا ہے۔ اور اُن کی آزادی کا مذاق اُڑاتا ہے۔ اندرون ملک یہ حالت ہے۔

سڑک پر زندوں

سے زیادہ مُردے نظر آتے ہیں۔ جو آگے پیچھے گذر جاتے ہیں۔

ملک ایک بہت بڑا جیلخانہ ہے۔ جس کے ایک کونے پر کنجر خانہ ہے۔ دوسری سمت شفاخانہ ہے۔ پشت میں پاگل خانہ ہے۔ معمولی سی خندہ پیشانی اور انسانی ہمدردی بھی مفقود ہو چکی ہے۔ اجنبیوں کے لئے تمام ملک کے دروازے بند ہیں۔ حتیٰ کہ کرایہ کے لئے مکان تک ملنا امر محال ہے۔ مشرقی مہمان نوازی کا مذاق اُڑایا جاتا ہے۔ تاکہ مشرقی عوام جلد از جلد مغربی تہذیب کو اختیار کر کے مہمان نوازی کو ہی سرے سے چھوڑ دیں۔ انگریز اپنے آپ کو خدائی فوجدار سمجھتا ہے۔ جو کچھ تہذیبی اثرات باقی رہ چکے ہیں۔ وہ جرمنی۔ اٹلی۔ فرانس مصر۔ ترکی اور اسپین اور چین کے ہیں۔ ملک کی زیادہ آبادی . . . . انسانیت سے کوسوں دور ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ تہذیب برطانیہ میں باہر سے درآمد کی گئی۔ اور ملک میں کبھی بھی پیدا نہیں ہوئی۔ ملک کی خوش قسمتی ہے کہ جرمن قبائل اور یہودیوں کی آمد نے برطانیہ کو تہذیب سے روشناس کیا۔

۱۹۵۶ء کے بعد تو برطانیہ بالکل ہی بدل چکا ہے۔ سویز کے حادثہ نے قومی زندگی میں زلزلہ پیدا کیا۔ بوڑھے لوگ جو اس ملک میں لاکھوں کی تعداد میں پنشن یافتہ ہیں وہ بھی یہ کہتے ہیں۔ کہ دوسری جنگ عظیم نے برطانیہ کو بالکل ہی الٹ پلٹ کر رکھ دیا ہے۔ جنگ سے پہلے برطانیہ غریب اور کفایت شعار تھا۔ لیکن مابعد جنگ تو برطانیہ زیادہ خوش حال اور فضول خرچ بن چکا ہے۔ اس عام فارغ البالی کا ملک کی نوجوان آبادی پر بُری طرح اثر پڑا۔ اور وہ بدچلن اور آوارہ مزاج ہو گئی ہے۔ جس سے قومی لیڈروں کو یہ فکر پڑ گئی ہے۔ کہ برطانیہ کا مستقبل ایسے حالات میں بہت تاریک نظر آتا ہے۔ قدرت

کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو۔ کہ قاتل۔ مجرم اور وحشی انسانوں نے ایک تہذیب کو جنم دے کر دوبارہ اپنا اخلاقی معیار کھو کر اُسی وحشت اور بربریت کو اختیار کر لیا ہے۔ جسے وہ مدتوں چھوڑ چکے ہیں۔ نوجوانوں کے اخلاق کو سدھارنے کے لئے اور اُن کو مفید شہری بنانے کے لئے حکومت بہت کچھ کرتی ہے۔ نیز تمام خیراتی ادارے مثلاً وائی۔ ایم۔ سی۔ اے بوائز بریگیڈ اور دیگر سوشل کلب اور گرجے کام کرتے ہیں۔ لیکن نوجوانوں کی بے راہ روی بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ انگریزی شہروں میں آجکل بانکے نوجوان نظر آتے ہیں۔ جن کو ٹیڈی بوائز کہا جاتا ہے۔ یہ نوجوان سوسائٹی کے باغی کہلاتے ہیں۔ ڈھیلا ڈھالا لباس پہننے کے بجائے چست پتلونیں پہنتے ہیں۔ اور اپنے چہروں پر پوڈر اور سُرخی کا بھی استعمال کرتے ہیں اور ہر ایک پُرانی چیز سے نفرت کرتے ہیں۔ قدامت پسندی کے دشمن ہوتے ہیں۔ وسکی اور شراب وغیرہ کو پانی سمجھ کر دیتے ہیں۔ غرضیکہ آداب محلس کی بھی بالکل پرواہ نہیں کرتے بوڑھے انگریز اُن کو دیکھ کر کُڑھتے ہیں۔ اور حقارت بھری نظروں سے اُن کی طرف گھورتے ہیں۔ مگر ٹیڈی بوائز کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ اپنا کام کئے جاتے ہیں سابقہ فوجیوں کی ایک غریب جماعت بازاروں میں ننگے پاؤں اور ننگے سر پھٹے پرانے کپڑے پہنے گھومتی پھرتی ہے۔ اُن کے قمیض کے کالر نہیں ہوتے۔ اور وہ کوٹ بھی نہیں پہنتے اور اُن کی پتلونیں بھی میلی کچیلی ہوتی ہیں یہ بازاروں میں اپنی دُکھ بھری کہانیاں بیان کر کے جنگ کی ہولناکیوں اور اپنی زندگی کے انجام کے بارے میں لوگوں کو عبرت دلاتے ہیں یہ لوگ اجنبیوں کو راستے بھی دکھاتے ہیں اور خاموشی سے اپنی اُجرت وصول کر لیتے ہیں اُن میں سے بہت جیب کترے ہوتے ہیں۔

انگریزوں نے زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ ایک طبقہ امرا ہے جو سرمایہ دار گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسرا گروہ عوام کا ہے۔ اس تقسیم میں اس قدر لچک ہے کہ نچلے طبقے کے لوگ خاص شرائط پوری کر کے اس گروہ میں شامل ہو سکتے ہیں۔ تاکہ زندگی کی رفتار مدھم نہ پڑ سکے۔ اور تازہ خون اُوپر اُبھر سکے۔ طبقہ عوام صبح سے شام تک کارخانوں اور کھیتوں میں کام کرتے ہوئے اپنی زندگی گذار دیتا ہے۔ ہفتہ در ہفتہ اپنی زندگی کی دوڑ میں مصروف رہتا ہے۔ روزی کمانے۔ کھانے اور سو رہنے کی اسے فکر رہتی ہے۔ یہ طبقہ دراصل طبقہ امرا سے بہت دور رہتا ہے۔ اور دَورِ جاہلیت کے

نشانات ابھی تک اس طبقہ میں موجود ہیں۔ یہی تقسیم جمہوری نظام کو چلاتی ہے۔ جہاں
ایک طبقہ تو حکومت کا کاروبار سنبھالے ہوئے ہے۔ اور دوسرے طبقہ پر حکومت کرتا ہے
یہ پورا نظام خوش اسلوبی سے چل رہا ہے۔ عوام کو طبقۂ امرا میں شامل ہونے کے لئے صحیح
اور مخصوص انگریزی بولنے کا تلفظ اور لب و لہجہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ نیز پسندیدہ اور
سنجیدہ محاورات کو ازبر یاد کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے مجلسی لوازم بھی طے
کئے جاتے ہیں۔ جو طبقۂ امرا کے کلب میں داخل ہونے کی شرائط ہیں۔ گویا یہ مجلسی
امتحان پاس کر کے عوام بھی طبقۂ امرا میں قبول کئے جاتے ہیں۔ لیکن سرمایہ اور اقتدار
لازمی شرائط ہیں۔ اس طبقاتی تقسیم کے اثرات شہروں میں بھی پھیل چکے ہیں۔ لندن شہر
کا مغربی حصہ اپنی امارت کے لحاظ سے بہت ہی صاف ستھرا اور عالیشان ہے۔ اور مشرقی
علاقہ غریب اور غلیظ ہے۔ یعنی مغرب امیر ہے۔ اور مشرق غریب ہے۔ لندن کے مشرقی
حصہ کو ہٹلر نے بھی اپنی بمباری کے لئے نشانہ بنایا۔ اس علاقہ میں یہودیوں کی زیادہ تعداد
آباد ہے۔ طبقۂ امرا انگریزی جنٹلمین ہوتے ہیں۔ اور یہی گروہ لبرل خیالات رکھتا ہے
اور نہایت ہی روشن ضمیر اور اعلیٰ خیالات کا مالک ہے۔ یہ لوگ بہت ہی ملنسار شُستہ
اور خلیق ہوتے ہیں اور حکمرانی کی اہلیت بھی رکھتے ہیں۔ انہی لوگوں کے طفیل برطانیہ
تمام قوموں سے بازی لے گیا۔ اور اسی طبقہ کی کمزوری نے برطانیہ کو زوال دیا۔ طبقۂ
امرا کے زیادہ ہونہار افراد دو بڑی جنگوں میں ہلاک ہوئے۔ جس سے سوسائٹی کا بہترین
عنصر تباہ و برباد ہو گیا۔ اور جاہل عوام سے جو حکمران طبقہ اُٹھا۔ وہ خاندانی خوبیاں بالکل
نہیں رکھتا۔ اور نہ ہی شریفانہ اوصاف کا مالک ہے لہٰذا تمام ملک مجموعی حیثیت
سے اپنی پرانی روایات کھو کر اپنی گزشتہ عظمت سے بھی نیچے گر چکا ہے۔ تھیٹروں
سے رنڈیوں کو اُٹھا کر اعلیٰ سوسائٹی میں جگہ دی گئی ہے۔ برطانوی شرافت اور جنٹلمین طور طریقے
ملیا میٹ ہو گئے ہیں۔ مہذب زندگی کے آداب ختم ہو گئے۔ حتیٰ کہ برطانوی شاہی دربار میں
بھی اخلاقی ڈسپلن کمزور ہو گیا۔ بازاری خرافات۔ خوشامد۔ چاپلوسی۔ عہدوں کے لالچی
خطابات کے بھوکے اور جاہ پسند لوگ حتیٰ کہ کم ظرف باوردی تک دارالامرا میں پہنچ گئے۔

مگر برطانوی پبلک اسکولوں نے پرانی روایات اور شریفانہ طور طریقوں کو بالکل
ختم نہ ہونے دیا۔ اور قومی حالات کو گرنے سے بچائے رکھا انگریزی پبلک اسکولوں کے بارے

میں یہ عام طور پر روایت ہے۔ کہ ان کے کھیلوں کے میدانوں میں جرأت کا سبق دیا جاتا ہے اور رذالت سے نفرت سکھائی جاتی ہے۔ مردانہ خصائل اور بہادرانہ فراخ دلی کے طور طریقے سکھائے جاتے ہیں۔ ہر قسم کی بیہودگی سے کنارہ کشی کی جاتی ہے۔ اخلاقی کردار ایک خوشنما پھول بن کر کھلتا ہے۔ جس میں آزادانہ خصائل ہوتے ہیں۔ جو اپنی آزادی کو اچھی طرح تحفظ کرنا جانتے ہیں۔ پبلک اسکولوں کے طلبا نے قومی کردار کو مالا مال کر دیا ہے۔ اُن میں علمی ڈگریوں اور عالمانہ تعلیم کے علاوہ سیدھی سادھی باتیں پائی جاتی ہیں۔ ان کی عام ذہانت بہت چمک جاتی ہے۔ گو وہ علمی فوائد سے بھی بے بہرہ نہیں رکھے جاتے۔ اُن کے ناچ گانے موسیقی اور قبائلی افسانے روزمرہ زندگی کے "تلخ تجربات" سے بھرے ہوئے ہیں۔ کہیں کتوں سے پیار ہے۔ کہیں جانوروں سے ہمدردی ہے۔ کبھی مویشیوں کے نتھنوں کا ذکر ہے کبھی دودھ کی بالٹیوں کا ذکر آجاتا ہے۔ مچھلی کے شکار کے متعلق بھی کئی گانے اور قصے رائج ہیں۔ چڑیا کا ناچنا۔ پتنگے کا بھڑکنا وغیرہ۔ یہ سب غزلیں شوقیہ گائی جاتی ہیں کھیتوں کے بارے میں۔ مارکیٹ کا نظارہ۔ موچی اور لوہار کی زندگیاں۔ کلہاڑی۔ چپو توپ۔ بندوق۔ انجن۔ سڑکوں کی تعریف۔ آلو کھانے کا ذکر۔ بادبانی کشتیوں کا سفر وغیرہ تمام مضامین پر اُن کے دماغ خیال آرائیاں کرتے ہیں۔ عام زندگی کے ٹھوس واقعات سے واقفیت بہم پہنچائی جاتی ہے۔ روزمرہ کی اقتصادی اور معاشرتی حالت کو زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے۔ وہ اپنے دماغ کو خیالی پلاؤ پکانے میں ضائع نہیں کرتے۔ بلکہ اپنی دماغی مشینری سے روزمرہ زندگی کے کاموں کو آسان تر کرنے اور دلچسپی لینے کے لئے استعمال میں لاتے ہیں۔ غیر ملکی علم و ادب اور الف لیلیٰ کی داستانوں سے اپنے خیالات کو زیادہ وسعت دیتے ہیں۔ لاطینی زبان سے انگریزی زبان کی جامعیت حاصل کرتے ہیں۔ ان اسکولوں میں بچوں کو پہلا یہ سبق ملتا ہے کہ وہ قوت خود اعتمادی پیدا کریں۔ اگر وہ یہ قوت حاصل کرلیں۔ تو ساری دُنیا کو غلام بنا سکتے ہیں۔ اگر غلام نہ بھی بنا سکے۔ تو وہ خود کسی طاقت کے غلام نہیں بن سکتے یہی خاصیت دوسرے سرکاری اسکولوں میں بھی رائج ہے۔ جو ایک قومی کردار کی تعمیر کرتی حتی کہ برطانوی عوام جو اُجڈ۔ جاہل اور بدتہذیب ہوتے ہیں۔ وہ بھی انگریز جنٹلمین کی عادات کی نقالی کی وجہ سے مہذب بنتے جا رہے ہیں۔ گویا پبلک اسکولوں کا اخلاقی ڈسپلن بجائے خود قوم کا اخلاقی معیار بن گیا ہے۔ جس کی نقالی ساری دُنیا کرنے پر مجبور ہے

اور بہی کردار تہذیبی سرمایہ کہلاتا ہے۔ ان پبلک اسکولوں کے فارغ التحصیل طلبا ہی برطانیہ کی جہالت اور بربریت کو دور کرنے میں نمایاں حصہ لیتے ہیں۔ کیونکہ طلبا ہی قوم کے لیڈر بن کر قومی تعمیر میں کام کرتے ہیں۔ ایسا اخلاقی معیار قائم رکھتے ہیں۔ جس پر ساری قوم عمل پیرا ہوتی ہے۔ آج بھی برطانیہ کی بیشتر آبادی صدیوں کی جہالت اور درندگی اپنے اندر رکھتی ہے۔ لیکن پبلک اسکولوں کی لیڈرشپ نے یہ تمام جہالت اور درندگی کو مٹایا۔ اور نئے سرے سے قومی تعمیر کی۔

انگریز والدین بھی اپنے بچوں کی تعلیم کے بہت فکرمند رہتے ہیں۔ وہ اپنے بچوں سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن پیار نہیں کرتے۔ وہ اپنے بچوں کو اسکول ماسٹر کے حوالے کرتے ہیں جو ان کو ماں باپ کی طرح سنبھال کر رکھتا ہے۔ اگر ان اسکولوں میں بچوں کو سزا کے طور پر مارا پیٹا جائے۔ تو والدین کو خوشی ہوتی ہے۔ اور اگر ان بچوں کو سزا نہ ملے۔ تو اس پر افسوس کیا جاتا ہے۔ کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ عام طور پر ایٹن۔ ہیرو اور ونچسٹر جیسے پبلک اسکولوں کا نام آتے ہی اس مارپیٹ کا بھی ذکر آجاتا ہے۔ جو اخراجات کی زیادتی کے باعث لازمی ہوتی ہے۔ ان اسکولوں سے ہی انگریزی قیادت کے سرچشمے پھوٹتے ہیں۔ مگر شاید یہ کسی کو معلوم نہیں۔ کہ سرکاری اسکولوں میں جہاں خرچ زیادہ نہیں کرنا پڑتا۔ وہاں مارپیٹ بھی کم ہوتی ہے۔ بلکہ بالکل نہیں ہوتی۔ پبلک اسکولوں میں تعلیم سے زیادہ کھیل کود پر زیادہ وقت صرف ہوتا ہے۔ اور کھیل کود کو بھی تعلیم کا اہم حصہ سمجھا جاتا ہے۔ تعلیمی لحاظ سے بعض طلبا بدھو رہتے ہیں۔ مگر وہ زندگی کا تجربہ بہت کچھ سیکھ لیتے ہیں ان پبلک اسکولوں سے ملک میں لیڈر پیدا ہوتے ہیں۔ جو استادوں کی مار کھا کر اور کھیل کود کے ذریعے اپنی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ان مدارس کا ایک مقصد یہ ہوتا تھا۔ کہ اس طرح سے فارغ التحصیل طلبا ہندوستان کے وائسرائے اور گورنر بن کر نکلیں گے۔ ہندوستان تو چلا گیا۔ مگر وائسرائے پیدا کرنے والی تربیت قومی لیڈر آج بھی پیدا کر رہی ہے۔ نئے طالبعلم کو پرانے اور بڑے طالب علم کا خادم بننا پڑتا ہے۔ وہ فرش صاف کرتا ہے۔ جھاڑو دیتا ہے۔ اور نوکروں کے تمام کام کرتا ہے۔ بوٹ صاف کرتا ہے۔ دھمکیاں اور سزا برداشت کرتا ہے۔ مگر شکایت تک نہیں کرتا۔ اور نہ ہی افسوس کرتا ہے۔ خاموش اور خوشی سے سب کچھ سنتا ہے۔ اسے بطور احتجاج اپنی زبان کھولنے تک کی اجازت نہیں ہوتی۔ اور وہ

نہ ہی والدین سے اس بارے میں شکایت کرتا ہے۔ کیونکہ جنٹلمین کی شناخت یہ سمجھی جاتی ہے۔ کہ انتقام کا خیال تک نہ لائے اور نہ ہی حرف شکایت تک بلند کرے۔ بعض اوقات تو اُسے بھوکا بھی رہنا پڑتا ہے۔ مگر وہ اپنی بھوک کا کسی سے ذکر تک نہیں کرتا اگر اُسے غسل کا گرم پانی نہ ملا۔ تو وہ ٹھنڈے پانی سے ہی غسل کر لیتا ہے۔ گویا اُس کی طالبعلمی کا زمانہ مظالم اور مصائب سے شروع ہوتا ہے۔ جس کو وہ بخوشی برداشت کرتا ہے۔ حتیٰ کہ بوڑھی عمر میں بھی جا کر وہ محبت بھرے الفاظ سے اس ظالمانہ زمانہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اُسے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ خوشی کا زمانہ سمجھتے ہیں۔ لارڈ ایٹلی نے ایک تقریب میں اپنے اسی زمانہ کا محبت بھرے الفاظ سے ذکر کیا۔ کہ وہ ۱۹۰۰ء میں ایک شرارت کی بنا پر پیٹا گیا تھا۔ چنانچہ وہ اس واقعہ کو بیان کر کے بہت خوش ہوا۔ یہی جنٹلمین کردار کہلاتا ہے۔

ایک انگریز جنٹلمین کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ وہ نہایت ہی صاف ستھرا۔ حق پسند امن پسند۔ مہذب اور غیر جانبدار ہوتا ہے۔ وہ اپنے دشمنوں کو بھی موقع دیتا ہے۔ کہ وہ اُس کے برخلاف آزادی سے دشمنی کر سکیں۔ گویا اُن کی دشمنی سے بالکل خوف نہیں کھاتا اُلٹا فائدہ اُٹھاتا ہے۔ وہ اپنی غلطیوں کو دشمنی کے سایہ تلے درست کرتا ہے۔ وہ دوستوں سے اس لئے خفا ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اُس کی خوشامد اور چاپلوسی کرتے ہیں جسے وہ مکروہ سمجھتا ہے۔ وہ دوستوں یا دشمنوں کی نکتہ چینی اور مخالفت سے بہت خوش رہتا ہے لیکن اپنے ہمسایوں سے وہ پر امن اور خاموش طور پر زندگی بسر کرتا ہے۔ محنت مزدوری کو باعث عزت خیال کرتا ہے۔ کفایت شعاری کو پسند کرتا ہے۔ فضول خرچی۔ رشوت خوری چوری چکاری۔ مکر و فریب وغیرہ بد افعال ناپسند کرتا ہے۔ نہ ہی رشوت دینے والوں کو اچھا سمجھتا ہے۔ معمولی سے معمولی کام کو اپنے ہاتھوں سے کرنے میں بھی خوشی محسوس کرتا ہے ساری سوسائٹی کو اپنے اخلاقی ڈھب پر لانے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے کردار کو بلند رکھتا ہے۔ تاکہ سوسائٹی کا کردار گرنے نہ پائے۔ وہ اپنی ذمہ داری کو پوری ایمانداری سے سرانجام دیتا ہے۔ اُسے اپنی کامیابی پر اس قدر یقین اور اعتبار ہوتا ہے کہ متعدد لڑائیاں ہار جانے کے بعد بھی اُسے یہ یقین باقی رہتا ہے۔ کہ آخری فتح اُسی کی ہوگی۔ اُس کی فطرت عجیب معجون مرکب ہوتی ہے۔ شاید اُس کے خون میں ساری قوموں کے خون کی ملاوٹ ہو۔ وہ اپنی فطرت کو ہر ایک موقع کے مطابق مناسب طور پر ڈھال لیتا ہے۔ وہ جذبات سے

کام نہیں لیتا۔ اور بات‌ونی بھی نہیں ہوتا۔ جذباتی لوگوں کا مذاق اُڑاتا ہے۔ دوکانداری کا لین دین نہایت دیانتداری سے چلاتا ہے۔ وہ سب سے مذاق کرتا ہے۔ لیکن چوری چھپکے۔ مگر اپنا تمسخر اُڑانے والوں کی تعریف کرتا ہے۔ اُس کی باتیں ظرافت اور ذہانت سے بھری ہوتی ہیں۔ طبیعت کا سُست اور نکما ہوتا ہے۔ لیکن محنت کا عادی ہوتا ہے۔ اور محنت کے کاموں سے بھاگنے والا بھی نہیں ہوتا۔ وہ دوسروں کے مال پر نظر رکھتے ہوئے اپنی روزی خوب محنت سے کماتا ہے۔ انگریزی جنٹلمین کے کردار کا پتہ دو بڑی جنگوں میں ظاہر ہوا۔ جبکہ اُس نے قومی مفاد کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ اور اپنی ذلت کو ساری قوم کا نمائندہ سمجھ کر ساری دُنیا میں عزت کا باعث بنا۔ اور پوری قوم کا اعتماد حاصل کیا۔ اپنی وفاداری سے جنگ جیتنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ اپنے ناموافق موسم تک کی بھی تعریف کرتا ہے۔

عام طور پر دو انگریز آپس میں اُس وقت تک بات چیت نہیں کرتے۔ جب تک ایک تیسرا شخص بیچ میں آکر اُن کا باہمی تعارف نہ کرائے۔ امریکنوں کو اس لئے حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔ کہ وہ اپنی ذات کو ہی برتر سمجھتے ہوئے بغیر جان پہچان وجنبی کو دوست بنا کر ایسا گھُل مل جاتے ہیں۔ اور بلاتکلف آزادی سے بات چیت شروع کر دیتے ہیں گویا وہ برسوں کے آشنا ہیں۔ انگریز اپنی ظاہرداری اور خاموشی سے شرمیلے پن میں رہتے ہیں۔ انگریز باتوں کا خیالی پلاؤ پکانا نہیں جانتا۔ بلکہ ہیلو! ہیلو! کہہ کر بات کو ختم کر دیتا ہے۔ انگریز کسی شخص کی تعریف اُس کے لباس کے لحاظ سے کرتا ہے۔ عمدہ ترین لباس پہننے والوں کی بڑی عزت کرتا ہے۔ بلکہ عمدہ لباس دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ پچھلے انتخاب میں ٹوری پارٹی اس لئے کامیاب ہوئی۔ کہ ٹوری پارٹی کے ممبر بہت عمدہ لباس پہن کر ٹیلی ویژن پر دیکھے جاتے۔ اور برطانوی عوام اُن کو بہت پسند کرتے تھے۔ لیبر پارٹی کے ممبر کچھ زیادہ عمدہ لباس نہ رکھتے تھے۔ لہٰذا وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ ایڈن کو انگریز ابھی تک معزز اور اچھا سمجھتے ہیں۔ کیونکہ وہ ہمیشہ عمدہ لباس پہنتا ہے۔ امریکنوں سے حقارت کی وجہ بھی ہے۔ کہ وہ لباس کے معاملے میں بہت لاپرواہ اور بھدی ہوتے ہیں۔ نیز وہ انگریزی بھی صاف صاف بولتے ہیں۔ جو انگریز پسند نہیں کرتے۔ اب تو انگریزوں نے داڑھی بھی رکھنی شروع کر دی ہے۔ اور داڑھی منڈے

انگریز اس قسم کی داڑھی کو تشویش اور حیرت کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ وہ داڑھی کو شیطان کا گھونسلا سمجھتے ہیں۔ بلکہ داڑھی والے کو پاگل سمجھا جاتا ہے۔ گو داڑھی والے اس اس چیز کی پرواہ نہیں کرتے۔ جس کی داڑھی زیادہ مقبول ہو۔ وہ داڑھی والوں کا بادشاہ بن جاتا ہے۔ گویا داڑھی والوں کی ساری برکتیں اُس کی داڑھی میں داخل ہو جاتی ہیں داڑھی والے پہلے پہل .. .. اب وہ اپنی داڑھیوں سے شرمایا کرتے تھے۔ مگر اب وہ اپنی داڑھیوں پر فخر کرتے ہیں۔ کیونکہ داڑھی رکھنے کے بعد وہ عورتوں کو ڈانٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور جس عورت نے داڑھی کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی۔ اُس عورت کو دوبارہ بُری نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ داڑھی والوں نے عورتوں کے خلاف بغاوت شروع کر دی ہے۔ پہلے پہل وہ عورتوں کی اجازت کے بغیر داڑھی رکھنے کی جرات نہ کر سکتے تھے۔ مگر اب داڑھی رکھنے کے بعد عورت کی پسند یا ناپسند کو بالکل بھول گئے ہیں چنانچہ داڑھی ایک فیشن بن چکا ہے۔ مگر عورتیں ابھی تک داڑھی دیکھ کر ہچکچاہٹ محسوس کرتی ہیں۔ داڑھیوں کا رواج دراصل ملاحوں نے شروع کیا اور جاپانیوں کی قید میں یہ رواج زیادہ بڑھ گیا۔ کیونکہ دوسری جنگ کے دوران میں جاپانیوں نے اپنے انگریز قیدیوں کو اُسترے دینا بند کر دیا تھا۔ اور انگریزوں کو اُسترا مانگنے سے روک دیا۔ انگریز قیدیوں نے انتقامی جذبہ میں آکر داڑھی بڑھانی شروع کر دی۔ اور جنگ کے خاتمہ پر داڑھی نے عام مقبولیت اختیار کر لی۔ آج داڑھی عزت بن چکی ہے۔

برطانوی کردار کو بلند کرنے میں یونیورسٹیوں نے بھی زیادہ تعمیری کام کیا ہے یونیورسٹیوں میں ایسے افراد کو طیار کیا جاتا ہے۔ جن کی خداداد قابلیتوں سے ساری قوم فائدہ اُٹھاتی ہے۔ اور یونیورسٹیاں بھی طلباء کے قومی کردار اور سیاسی عقائد کی نشوونما کرتی ہیں۔ کچھ پروفیسروں کی محنت کا نتیجہ ہے۔ اور بہت سا کالجوں کی مختلف سماجی تقریبات میں حصہ لینے سے حاصل ہوتا ہے۔ طلباء کے مختلف گروہ سیاسی نظریات کے تحت تقسیم ہو کر کام کرتے ہیں۔ زیادہ تعداد ٹوری پارٹی سے رکھتی ہے۔ مگر سیاسی عقائد کو موقع و محل کے مطابق بدلنے میں دیر نہیں لگتی۔ طلباء اپنے عقائد کی تبدیلی کا اعلان کر دیتے ہیں۔ اور اُن پر ایمانداری سے عملی طور پر حصہ لیتے ہیں۔ بعض اوقات نئی تحریکیں شروع کی جاتی ہیں

تاریخ۔ فلسفہ اور اقتصادیات کے طلبا عملی سیاست کے میدان میں آگے چل کر قومی لیڈر کہلاتے ہیں۔ طلبا سیاست اور قومی مسائل کو سمجھنے اور سمجھانے کی اہلیت رکھتے ہوئے دوسرے طلبا کے مقابلہ میں زیادہ پختہ ہوتے ہیں۔ سیاسی شعور رکھنے کے باعث زمانہ حاضرہ کے مسائل اور مختلف قومی مباحث میں بہت کچھ نکتہ چینی کرتے پھرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اخبارات اور رسائل کو اپنے ذاتی نظریات بھی بھیجتے ہیں۔ بعض اوقات زیادہ منچلے اور پرجوش طلبا کالج میگزین کی ادارت کے بھی فرائض سرانجام دینے کے علاوہ یونیورسٹی کے مباحثوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ وہ اپنے اُستادوں سے بحث کرتے ہیں اور دوسرے طلبا کے ساتھ بھی دماغی رسہ کشی جاری رکھتے ہیں۔ اس طرح اُن کو اپنے عقائد کے سمجھنے اور زیادہ معلومات حاصل کرنے کا سنہری موقع ملتا ہے۔ برطانیہ میں جمہوریت کی بنیاد یونیورسٹیوں میں پڑتی ہے۔ اور یونیورسٹیوں کے طلبا ہی آگے چل کر سیاست دان جرنلسٹ اور بیرسٹر بن کر قوم و ملت کی خدمت کرتے ہیں۔ یونیورسٹیوں کے اندر جنرل یونین اور نقلی پارلیمنٹ بھی قائم ہیں جو طلبا کو عملی تربیت دینے کے لئے بہت ممد و معاون ثابت ہوتی ہیں۔ نیز یونیورسٹیز اینڈ لیفٹ ریویو جیسا انقلابی رسالہ انتہا پسندانہ سیاسی خیالات کی اشاعت کرتا ہے۔ اس رسالہ کا ملک کے انقلابی رجحانات پر بہت نمایاں اثر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اُس کی آواز بیرونی ممالک تک جا پہنچی ہے۔ گویا وہ انقلابی تعلیم کا ایک منظم ادارہ بن چکا ہے۔

برطانوی طلبا دوران تعلیم ہی سیاسی تعلیم کو محض علمی حیثیت سے حاصل کرتے ہیں مگر وہ سیاسی پارٹیوں کے رحم و کرم پر نہیں رہتے۔ اور نہ ہی سیاسی پارٹیاں اُن کو اپنے ذاتی مقاصد کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ اصلی چیز تو سیاسی عقائد اور آزادیٔ رائے کا صحیح استعمال ہے۔ جس کی علمی ترتیب یونیورسٹیوں سے ہی شروع ہوتی ہے۔ اور وہی بنیادی جمہوریت کا اہم جزو ہیں۔ ہنگامہ آرائی اور نعرہ بازی۔ جذبات۔ دنگا فساد۔ بلوے اور قتل و غارت جیسی ذلیل حرکتوں سے کام نہیں لیا جاتا۔ بلکہ رائے عامہ کے سیاسی شعور کو بیدار کیا جاتا ہے۔ اور اُس کی ہر ممکن تربیت ہوتی ہے۔ نیز خفیہ ووٹ کا بھی جائز احترام رکھتے ہوئے ہلڑ بازی اور غنڈہ گردی سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ برطانوی طلبا پارٹی بازی کے چکر میں نہیں پھنستے۔ بلکہ وہ مختلف سیاسی نظریات اور عقائد کو علمی حیثیت سے پرکھتے۔ اور جانچتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کوئی بھی ایک دوسرے کی ٹانگ نہیں کاٹتا۔ اور نہ ہی ذاتی

تعلقات کو خراب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کسی کو محض اختلاف رائے اور مختلف سیاسی عقائد کی بنا پر ذلیل و خوار نہیں کرتا۔ اختلافات کو تفریح اور کھیل سمجھا جاتا ہے۔ جس کے ذریعے باہمی دوستی میں اضافہ ہو کر زندگی رنگین اور دلچسپ بنائی جاتی ہے۔ اب تو کامرس۔ سائنس اور انجینیرنگ مضامین نے پرانا جوش و خروش بھی قدرے کم کر دیا ہے۔ بہر حال سیاسی حالات کی علمی حیثیت باقی ہے۔ اور مدتوں تک ختم نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جمہوریت اسی سے قائم ہے۔

برطانیہ کا نام آتے ہی دستوری اور آئینی حکومت کا نقشہ سامنے نظر آتا ہے۔ دستوری حکومت چلانے اور دستور کے پیچیدہ مسائل حل کرنے کے لئے برطانیہ نے ہی ابتداً کر کے ملک کا نظام بخوبی چلانے کی مثال قائم کی۔ گو ملک کا تحریری دستور نہیں۔ مگر دستوری آئین کی پابندی کے بغیر حکومت ذرا سی حرکت نہیں کر سکتی۔ عوام کو ذاتی طور پر اور قانونی حیثیت سے مکمل آئینی آزادی حاصل ہے۔ خونین اور شخصی انقلاب کی مدد سے سستی اور آسان شہرت یا اقتدار حاصل نہیں کیا جاتا۔ بلکہ دستوری جمہوریت ملک کا سیاسی مذہب بن چکا ہے۔

اور حکومت کا کاروبار عوام کی مرضی کے مطابق سرانجام پاتا ہے

شاہی حکمران کی حیثیت بھی محض ایک تہذیبی چوکیدار یا نگران ادارہ کے رہ جاتی ہے۔ قوم کے منتخب کردہ نمائیندے پانچ سال کے لئے پارلیمنٹری حکومت قائم کرتے ہیں۔ اور شاہی حکمران آئینی حیثیت سے اس عوامی حکومت کے صلاح و مشورہ کا پابند ہوتا ہے۔ گویا پارلیمنٹ کی مرضی کے خلاف کوئی بھی غیر آئینی کارروائی نہیں کی جاتی۔ مقامی طرز حکومت بھی جمہوریت کی بنیادوں پر قائم ہے۔ جس سے ملک سیاسی طوائف الملوکی سے محفوظ ہے۔ اور اپنی دستوری جدوجہد کے باعث آئینی اصلاحات نافذ کر کے فائدہ اٹھاتا ہے۔

ھنری دوئم نے ملک کو آئینی اصلاحات کے راستہ پر چلایا۔ اور قانونی اور دستوری حکومت کا ڈھانچہ طیار کیا۔ لیکن منشور اعظم کے منظور ہو جانے سے ملک صحیح طور پر عوام کی مرضی کے تابع آگیا اور آئینی شکل و صورت اختیار کرنے لگا۔ یہ منشور اعظم ۱۰ ارجون سنہ ۱۲۱۵ء میں عطا ہوا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ طے پایا کہ:-

۱- انصاف کی خرید و فروخت نہ ہوگی۔

۲- کوئی بھی شہری بغیر مقدمہ چلائے قید نہ کیا جائے گا اور نہ ہی محروم جائیداد ہو سکے گا

۳- بادشاہ ملک ملکی قوانین کا پابند ہوگا۔

۴۔ قومی حقوق کی پاسداری قانونی شرط قرار پائیگی۔ گویا منشورِ اعظم نے ہی پارلیمنٹری طرز حکومت کی آئینی عمارت کھڑی کی۔ اس سے پہلے برطانیہ پر خود غرض۔ جاہ طلب۔ طاقتور اُمرا اور لالچی پادریوں کا ظالمانہ اقتدار چھایا ہوا تھا۔ منشور اعظم نے طاقت کا اصل منبع دارالعوام کو بنایا۔ گو دارالامرا رہنے دیا گیا۔ مگر اُسے صرف غور و فکر یا صلاح و مشورہ کے لئے باقی رکھا گیا لیکن اُن سے اصلی طاقت چھین لی گئی۔ یہ خیال ضرور پیش نظر رہا۔ کہ اختلاف رائے سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ آخر اختلافات اور ذاتی تنازعات مکمل طور پر ختم تو نہیں کئے جا سکتے انسانی سوسائٹی کمزوریوں سے پاک کبھی نہیں ہوتی۔ ۔ . . . . ۔ اختلاف رائے اور آزادی تقریر و تحریر سے صحیح اور قابل قبول فیصلوں پر پہنچنے میں مدد ملتی ہے اور مسئلہ کے ہر پہلو کو پیش نظر رکھا جا سکتا ہے۔ چنانچہ بہت حد تک برطانیہ خونی انقلابات اور فسادات سے محفوظ ہو گیا۔ کیونکہ حکمران جماعت کے خلاف ہر قسم کی مخالفت بر سر عام ہونے لگی۔ جس سے پوشیدہ بغاوت کا خطرہ مٹ گیا۔ نیز تصویر کے دونوں رُخ سامنے رہے۔ عوام نے بھی زیادہ سے زیادہ حقوق حاصل کئے اور عوام اور حکمران جماعت کے درمیان اعتماد اور بھروسہ شروع ہو گیا۔ دونوں قومی مقصد کے لئے ایک پلیٹ فارم پر اکھٹے ہو گئے۔ لازمی طور پر مغرور امرا اور فرعون صفت پادریوں کو قومی زندگی سے بھاگنا پڑا تاہم اُن کے قیمتی مشوروں سے قوم برابر مستفید ہوتی رہی۔ عوام کو آزادی نصیب ہوئی۔ اور اُن پر اُن کی مرضی کے خلاف گورنمنٹ دباؤ نہ ڈال سکی بلکہ عوام کی بہبودی کا خیال زیادہ پھیلنے لگا۔ عدالتیں آزاد ہو گئیں۔ اور عوام خود قانون دان بن گئے۔

فرانس۔ امریکہ۔ روس اور چین وغیرہ ممالک خونین انقلابات سے گزرے ہیں۔ مگر برطانیہ کسی قسم کے خونین انقلاب سے دوچار نہیں ہوا۔ اور ہمیشہ سرد مہری اور ٹھنڈے دل سے حالات کا جائزہ لے کر آئینی طور پر منظم ہوتا رہا۔ فرانس کے انقلابی نعرے رود بار انگلستان میں ہی ڈوب کر رہ گئے۔ بلکہ انگریزوں کو یہ نعرے فضول اور بے معنی نظر آئے برطانیہ والے دستوری دفعات کا مطلب سمجھ سکتے تھے۔ کیونکہ برطانیہ کا دستور حکومت آئین روایات پر نہیں رہا۔ کسی انقلابی نعرہ یا جذباتی قاعدہ پر تحریر نہیں کیا گیا۔ جس قسم کے ملکی حالات پیش آتے رہے۔ انگریز اپنے آپ کو حالات کے مطابق اُسی طرح ڈھال لیتے۔ ملکی قانون میں بھی زیادہ لچک پیدا ہو گئی۔ اور انگریزوں کو زمانہ کے حالات

کے مطابق کے مطابق بدلنے میں آزادی حاصل رہی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ملک کا قانون انصاف پسند اور عوامی جذبات کے عین مطابق ہے۔ ظالمانہ اور جابرانہ نہیں۔ عوام کی بھلائی کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اور بہ تقضائے بشری انسانی کمزوریوں کا بھی خیال کیا جاتا ہے۔ حقیقی انصاف بھی موجود ہے۔ اور شخصی آزادی کا بھی پورا احترام ملحوظ رہتا ہے۔ برطانیہ کے بالمقابل اور ممالک بھی موجود ہیں۔ جہاں آزادی اور سیکولرازم کے کاغذی نعرے تو دہرائے جاتے ہیں۔ مگر آزادی کا نام ونشان تک نہیں پایا جاتا۔ بلکہ تعصب۔ ظلم وستم اور جابرانہ طرز عمل کا دور دورہ ہے۔ اقلیتوں کو بیدردی سے ہلاک کیا جاتا ہے۔ اور محض اختلاف مذہب کی بنا پر بے گناہ شہریوں کی عزت۔ جان اور مال بالکل محفوظ نہیں۔ اکثریتی فرقے کے لیڈر سے ہر وقت اقلیتوں کو لوٹتے ہیں۔ اور حکومت ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ ہندوستان کی مثال سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے۔ وہاں مسلم اقلیت ہر روز مصائب سے دوچار رہے۔ برطانوی آئین مکمل انصاف کا ترجمان ہے۔ ہر طرف آزادانہ فضا ہے۔ بلکہ جانوروں سے بھی رحمدلانہ سلوک کیا جاتا ہے۔ اور اُن سے کسی قسم کا بُرا سلوک نہیں ہونے پاتا۔ چہ جائیکہ انسانوں پر ظلم کیا جائے۔ جو صرف کمینہ صفت۔ کم ظرف اور متعصب ہندوؤں کا شیوہ ہے۔ جنہوں نے اقتدار حاصل کرنے کے بعد مسلم اقلیت کو ظالمانہ طریقوں سے ختم کرنا شروع کر دیا۔

برطانیہ میں سیاسی ریشہ دوانیاں بھی بہت کم پائی جاتی ہیں۔ جھوٹ کو کاروباری لحاظ سے نقصان دہ سمجھا جاتا ہے۔ جھوٹ کا کام وزیر خارجہ کے سپرد ہے۔ برطانیہ کی سماجی اور سیاسی زندگی پر وہ لوگ قابض ہیں۔ جو طبقۂ امرا سے تعلق رکھتے ہیں یعنی جو مخصوص کلب کے ممبر ہیں۔ اُن کی اجارہ داری صدیوں سے قائم ہے۔ حتیٰ کہ اُن کی عورتیں تک مخصوص فیشن رکھتی ہیں۔ سامراجی ذہنیت بدلنے دیر لگتی ہے۔ حتیٰ کہ لیبر پارٹی کے لیڈر بھی اسی سامراجی گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ گو وہ سیاسی عقائد کے لحاظ سے برسر اقتدار پارٹی سے اختلاف رائے رکھتے ہیں مگر اندرون پردہ وہ بھی اجارہ دار گروہ سے وابستہ ہیں۔ اور ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ شراب وہی پرانی ہے۔ مگر جام نئے ہیں۔ ایٹلی۔ کرپس ڈالٹن۔ گیٹسکل اور سٹریچی لیبر پارٹی میں اسی لئے شامل ہوئے۔ تاکہ اقتدار کی باگ دوڑ اپنے مخصوص گروہ تک ہی محدود رکھیں۔ ان حضرات کا مزدور طبقہ سے وابستہ رہنے کے باوجود اونچے طبقے سے تعلق قائم ہے۔ اسی لئے بیون کو مجبوراً کہنا پڑا۔ کہ ظلم کی بات ہے

کہ لیبر پارٹی اپنے لیڈروں کا انتخاب اُسی طبقۂ اعلیٰ سے کرتی ہے۔ جس کی حکمرانی اور اجارہ داری کو ختم کرنا ہی پارٹی کا اولین مقصد ہے"۔ گویا ووٹروں کو بھیڑوں کی طرح بھیڑیئے کی خوراک کے لئے جمہوریت کے نام پر ہانکا جاتا ہے۔ اور عوام کو یہ یقین دلایا جاتا ہے کہ طبقاتی اجارہ داری ختم کر کے عوامی حکومت قائم ہوگی۔ مگر جن اشخاص کو کامیاب کیا جاتا ہے۔ وہی اجارہ داروں کے ایجنٹ ہوتے ہیں۔ گویا سیاسی پارٹیاں ملک کے سامنے علیحدہ علیحدہ پلیٹ فارموں پر اپنا اپنا پروگرام پیش کرتی ہیں۔ لیکن اوپر پہنچ کر وہ یک جان بن جاتے ہیں۔ اس طرح طبقۂ امرا کا چالاک گروہ دو مختلف راستوں سے چل کر ایک جگہ اکٹھا ہو جاتا ہے۔ گلیڈسٹون کو بھی یہ کہنا پڑا تھا کہ میں اعلیٰ خاندان کی حکومت کا قائل ہوں۔ کیونکہ یہی لوگ سوسائٹی کے بہترین افراد کہلاتے ہیں۔ اور بہترین افراد کی حکومت ہی بہترین کہلائی جاتی ہے"۔ لیبر پارٹی گو اجارہ داری ختم کرنے کا دعویٰ ہے اور ملک کے عوام اور مزدور طبقہ کے ہاتھوں میں اقتدار منتقل کرنے کی خواہاں ہے۔ لیکن خود ہی پارٹی کے لیڈر اجارہ دار گروہ سے تعلق رکھتے ہیں اسلئے حکومت چاہے لیبر کی ہو۔ یا ٹوری جماعت کی رہے۔ خاندانی اجارہ داری اور اعلیٰ طبقہ کا اقتدار ختم نہیں ہو سکتا گویا عیسائیت کی طرح جمہوریت کو بھی غیر ممالک کے لئے برآمد کیا جاتا ہے۔ اندرون ملک اُسے استعمال میں نہیں لایا جاتا۔

برطانیہ کی سیاسی زندگی کا تضاد بھی عجیب و غریب ہے۔ ملک کا کوئی آئین مرتب نہیں ہے۔ صرف آئینی روایات ہیں۔ جو مختلف زمانوں اور مختلف حالات میں اثر پذیر رہیں۔ جن کی روشنی میں ملک کا نظام چل رہا ہے۔ ملک کی ٹوری جماعت لبرل خیالات رکھتی ہے۔ اور لبرل پارٹی قدامت پسندانہ رجحانات کی مالک ہے۔ لیبر پارٹی اگر برسر اقتدار نہ ہو۔ تو حزب مخالف بن جاتی ہے۔ لیکن برسر اقتدار آتے ہی وہ ٹوری پارٹی کے پروگرام پر عمل شروع کر دیتی ہے اور اُس کی تمام پالیسی پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہے۔ گو ملک جمہوری کہلاتا ہے۔ لیکن شہنشاہیت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیبر پارٹی فوجی بھرتی کی مخالفت کرتی ہے۔ مگر جنگ شروع ہوتے ہی جنگ کو کامیاب بنانے کے لئے جنگی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہے۔ اور برسر اقتدار ٹوری جماعت سے بڑھ کر گرمجوشی کا ثبوت دیتی ہے۔ برطانیہ میں انتخابات کے موقع پر سیاسی پارٹیاں ایک دوسرے کو گرانے

کی کوشش نہیں کرتیں۔ اور نہ ہی کسی سیاسی لیڈر کی ذات پر ناجائز۔ کمینے۔ بد اخلاق ذاتی حملے کیے جاتے ہیں۔ محض سیاسی پروگرام سے بحث ہوتی ہے۔ ملکی اور غیر ملکی حالات اور مسائل پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔ رائے عامہ سے اپیل کی جاتی ہے۔ لیبر پارٹی جنگ کے خاتمہ پر کامیاب رہوئی۔ پھر ٹوری جماعت برسر اقتدار آ گئی۔ اور دوبارہ برسر اقتدار ہوئی۔ اس نامرادی اور ناکامی کے زمانہ میں لیبر پارٹی نے ٹوری ممبروں کی ذات پر حملے نہیں کیے۔ اور نہ ہی حکومت پر قبضہ کرنے کے لیے ٹوری پارٹی کے کسی لائق ممبر کو گولی کا نشانہ بنایا۔ ٹوری پارٹی پورے اطمینان سے قومی خدمت سر انجام دیتی رہی۔ صرف پارلیمنٹ میں جھڑپیں ہو جایا کرتیں۔ وہ بھی ایماندارانہ طور پر کسی قومی مسئلہ پر اختلاف رائے بڑھ جاتا۔ مگر جلد ہی دونوں پارٹیاں باہم مشورہ کر کے ہی قومی فیصلہ پر پہنچ جاتیں۔ اور اُن معاملات میں جہاں قومی سوال در پیش ہوتا۔ دونوں پارٹیاں ایک دوسرے کی مدد کرتیں۔ گویا سیاست کو ایک کھیل سمجھ کر پوری ایمانداری سے سیاسی لڑائی محض قومی خدمت کے لیے لڑی جاتی ہے۔ کوئی کمینہ حرکت یا خلاف قانون کاروائی نہیں کی جاتی۔ نہ ہی کسی اُمیدوار کی ذاتی زندگی کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ الیکشن کے خاتمہ پر دونوں فریقین ایک دوسرے کے بہترین دوست بن جاتے ہیں۔ گو آئینی اختلاف باقی رہ جاتا ہے۔ جو پارلیمنٹ کے اجلاس تک محدود رہتا ہے مگر مجلسی زندگی نہایت دوستانہ ماحول رکھتی ہے۔ ذاتی تعلقات میں ذرا بھر رنجش پیدا نہیں ہوتی۔ پاکستانی لیڈروں اور سیاسی پارٹیوں کا ماحول ہی مختلف ہے۔ ہمارے ہاں عہدوں کی لوٹ کھسوٹ۔ . . . . جاہ طلبی۔ رشوت سفارش۔ کنبہ پروری وغیرہ بد افعال عام پائے جاتے ہیں۔ عوام کی بہتری اور قومی خوش حالی کی طرف مطلقاً کوئی بھی توجہ نہیں دیتا۔ فریقین ایک دوسرے کو ذلیل و خوار کرتے ہیں۔ اور برباد کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ گویا پاکستان اُن کے باپ دادا کی جاگیر ہے۔ جس پر قبضہ کرنے کے لیے وہ فسادات دنگہ فساد اور بدمعاشی پر تل جاتے ہیں اس طرح وہ کوئی خاندانی جھگڑا طے کرنا چاہتے ہیں۔ سیاسی لیڈر اپنے حاشیہ برداروں اور رشتے داروں کو بڑھ چڑھ کر فائدہ پہنچاتے ہیں۔ اور عوام میں سے قابل جوہر افراد کو آگے بڑھنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ شخصی لیاقت رکھنے والے اشخاص کو گولی سے مار دیا جاتا ہے۔ تاکہ پاکستان آسانی سے اُن کی خاندانی جاگیر میں تبدیل ہو سکے

سیاسی لیڈروں کی ذاتی دشمنی سے تمام ملک خانہ جنگی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مخالفین ایک دوسرے پر دشمنوں کی طرح جارحانہ حملے کرتے ہیں۔ چاقو زنی۔ خفیہ قتل اور زہر خوردنی کے واقعات عام ہو جاتے ہیں۔ فسادات کرائے جاتے ہیں۔ مقدمہ بازی شروع ہوتی ہے۔ جھوٹی گواہیاں طیار کر کے ایک دوسرے کو ننگا اور رسوا کیا جاتا ہے۔ فرعون صفت پولیس ملازمین کو بھاری بھاری رشوتیں دیکر ظلم و ستم کا ڈنڈا چلایا جاتا ہے۔ سرکاری ملازمین کو ہموار کر کے سرکاری دباؤ کے ذریعے اپنا کام کرایا جاتا ہے۔ قومی سرمایہ بھاری بھاری خیانتوں میں ہضم کیا جاتا ہے یا سرکاری دوروں میں خرچ ہوتا ہے۔ مجسٹریٹ اور جج صاحبان تک اس عام لوٹ بازاری میں شریک ہوتے ہیں۔ چوروں۔ ڈاکوؤں اور قاتلوں کی سرکاری طور پر سرپرستی کی جاتی ہے۔ ظلم و ناانصافی عام ہو جاتی ہے۔ گولیاں لاٹھیاں اور ہنڈوقیں آپس میں ٹکراتی ہیں۔ کئی قابل اشخاص ہلاک ہو جاتے ہیں۔ زخمیوں سے ہسپتال بھر جاتے ہیں۔ جہاں پہنچ کر زخمی لاعلاج مر جاتے ہیں۔ مکانوں اور موٹروں کو آگ لگا دی جاتی ہے۔ پتھر اور اینٹیں پھینک کر لوگوں کو زخمی کیا جاتا ہے۔ مار پیٹ اور اغوا کی وارداتیں بڑھ جاتی ہیں۔ ہاتھا پائی گالی گلوچ۔ جھوٹی افواہیں۔ گندے اشتہارات کی اشاعت اور خلاف تہذیب پوسٹر وغیرہ معمولی کھیل بن جاتے ہیں۔ شرافت کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ مروت اور ہمدردی سننے تک نہیں آتی۔ گندگی زیادہ اُچھالی جاتی ہے۔

برطانیہ میں ایسے شرمناک اور کم ظرف واقعات رونما نہیں ہوتے۔ برطانیہ میں جب الیکشن کا زمانہ آتا ہے۔ تو مختلف سیاسی لیڈر مختلف مقامات پر آزادانہ تقاریر کرتے ہیں بعض اوقات اُن کی تقریریں ایک ہی پلیٹ فارم پر منعقد کی جاتی ہیں۔ تاکہ عوام فوری طور پر کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکیں۔ ٹیلی ویژن پر عوام کے سامنے لیڈروں کو روشناس کیا جاتا ہے۔ اخبارات میں سیاسی سرگرمیوں کا تذکرہ کچھ عرصہ جاری رکھا جاتا ہے۔ شراب خانوں میں تبادلہ خیالات کے لئے سیاسی کارکن اور عام لوگ الیکشن کے دنوں میں کچھ مختصراً کوشش کرتے ہیں۔ اور الیکشن کے روز خاموشی سے اور خفیہ طور پر ووٹ ڈالے جاتے ہیں۔ اگر کوئی ظالم یا نااہل کامیاب بھی ہو گیا۔ تو کچھ پرواہ نہیں کی جاتی۔ آخر ظالم کی رسی پانچ سال تک دراز رکھی جاتی ہے۔ دوسرے الیکشن میں اسے کاٹ دیا جاتا ہے۔ اور عوام اپنی پسند کی حکومت بنا کر اپنی گورنمنٹ میں برابر کے شریک ہو جاتے ہیں۔ اور بجا

طور پر اس پر فخر کر سکتے ہیں ۔

پاکستان کی تاریخ اس سے مختلف ہے۔ حتیٰ کہ سلطنت مغلیہ کے زمانہ میں بیٹا اپنے باپ کو قید میں ڈال کر اور اپنے بھتیجوں یا بھانجوں تک کو اندھا کر دیتے تھے ۔ بھائی اپنے بھائیوں کا گلا گھونٹ کر تخت حاصل کرتے تھے۔ خاندان کے جملہ افراد کو تہ تیغ کیا جاتا تھا یا نظر بند رکھا جاتا ۔ بادشاہ کے مرنے پر خانہ جنگی شروع ہو جاتی تھی ۔ مگر برطانیہ میں ایسے واقعات بہت کم نظر آتے ہیں ۔ شاہی خاندان کے افراد کی فہرست مرتب ہے ۔ اور تمام افراد کو مناسب طور پر مدارج دیئے گئے ہیں ۔ وہ اپنے درجہ کے لحاظ سے برطانیہ کے تخت کے حقدار ہیں ۔ شاہی خاندان بھی قائم ہے ۔ اور شاہی افراد بھی زندہ ہیں ۔ ملک میں بھی امن و امان اور انصاف کا راج ہے ۔ اس کے مقابلے میں سلطنت مغلیہ کے افراد خود کشی کر چکے ہیں ۔ اور باقی ماندہ مغل شہزادے آج کل دہلی اور لکھنؤ میں دہلی گورنمنٹ کے وظیفہ خوار ہیں ۔ جو اپنا وظیفہ افیون پر اڑا دیتے ہیں ۔ یا ٹانگہ چلا کر گذارہ کرتے ہیں ۔ بہت سے بھیک مانگتے پھرتے ہیں ۔ مغل شہزادیاں چکلوں کی زینت بن چکی ہیں ۔ اور تمام مسلمان اقلیت بن کر ہندوؤں کے رحم و کرم پر مجبور اور لاچار ہیں ۔ باقی ماندہ خوش نصیب بھاگ کر پاکستان میں پناہ لیتے ہیں ۔

پاکستان بنا اور پاکستانی حکومت کا ڈھانچہ طیار ہوا ۔ اور ہم کو دوبارہ یہ اختیارات ملے کہ اپنی تقدیروں کو اپنی مرضی کے مطابق آزادی اور انصاف کے ساتھ ڈھال سکیں ۔ مگر ایک دنیا نے یہ تماشا دیکھا ۔ کہ پاکستان کے لیڈروں اور عوام میں کس قدر نااہلی اور کوتاہ اندیشی موجود ہے ۔ ہمارے ملک میں آزادی اور جمہوریت کی مٹی پلید ہو گئی ۔ عوام نے طرح طرح کے مظالم برداشت کئے ۔ اور ان کی مشکلات اور مصائب میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی ۔ حتیٰ کہ ہمارے سروں پر فوج کا ڈنڈا پٹنے لگا ۔ اور نااہل سرکاری ملازموں نے من مانی کارروائیاں شروع کر دیں ۔ تاکہ اپنی نااہلیت سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں ۔ مگر کفرستان برطانیہ میں عوام کی بہبودی کے کام شروع ہیں ۔ ملک سے غربت کا خاتمہ ہو چکا ہے ۔ مفت علاج اور مفت تعلیم ہے ۔ ملکی جمہوریت کی وجہ سے عوام کو آزادی حاصل ہے ۔ روزمرہ کے کاروبار کو سرکاری ملازمین نہایت خلوص ایمانداری اور دیانت سے سرانجام دیتے ہیں ۔ ٹیکسوں کی ادائیگی میں کوئی بد دیانتی دیکھنے میں

نہیں آتی - گو ٹیکسوں کے خلاف مہم جاری رہتی ہے۔ قومی خیانت کی مثال تک نہیں ملتی گو ملک مذہبی نہیں۔ لیکن مذہبی تعلیمات پر کاربند ہے۔ اور برطانیہ کا ہر ایک بچہ اپنے مستقبل کے بارے میں پُر اُمید ہے۔ اُس کی صحت اور تعلیم وغیرہ تمام معاملات حکومت درست رکھتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ بوڑھی عمر میں جا کر پنشن کا بھی حقدار ہو جاتا ہے۔ آج ایک معمولی گورا اپنی قوم اور حکومت پر اعتماد کر سکتا ہے۔ اور اُسے یقین ہے۔ کہ انگریز اپنی قوم سے غداری نہیں کر سکتا۔ اور اُسے ہر ایک گورے کی ہمدردی کا خیال آتا رہتا ہے کہ اُس کی مصیبت ساری قوم کی مصیبت بن جاتی ہے۔ سرکاری ملازمین عوام کے خادم کہلاتے ہیں۔ عوام کی بہبودی اور خبرگیری اُن کا سرکاری اور اخلاقی فرض ہے۔ وہ عوام سے خوش اخلاقی اور ہمدردی سے پیش آتے ہیں۔ اُن کی تکالیف اور مشکلات کو دور کرنا اپنا قومی فرض جانتے ہیں۔ رشوت خوری کی لعنت سے ملک پاک ہے۔ اور پاکستان جن پاکیزہ تصورات پر قائم ہوا۔ اُن کی اصلی روح برطانیہ میں موجود ہے۔ عوام کی حکومت ہے اور برطانیہ کی برسر اقتدار سیاسی پارٹی عوام کے حقوق کی ترجمانی کرتی ہے۔ پانچ سال کے بعد عوام کی رائے لی جاتی ہے۔ تاکہ ملک کی اخلاقی حمایت اور ہمدردی حاصل کی جائے۔ سابقہ لیڈروں اور حکمرانوں کو قوم کے سامنے آنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ تاکہ اس بہانے سے نئے قومی کارکنوں کو آگے بڑھنے کا موقع مل سکے۔ اور قومی خدمت کا کام سرانجام دینے کی ذمہ داری قابل افراد کے سپرد کی جائے۔

ملک کی سیاسی پارٹیاں خلوص دل سے عوام کی خادم ہیں۔ گویا عوام ہی ملک کے اصلی حکمران ہیں۔ اور ہر ایک گورا اپنے آپ کو وزیر اعظم یا قومی نمائندہ سمجھتا ہے عوام کی خوشنودی اور حمایت سے ہی سیاسی پارٹیاں اپنا سیاسی پروگرام مرتب کرتی ہیں۔ برطانیہ کو چرچل نے موت سے بچایا۔ مگر چرچل نے برطانیہ کو اپنے باپ دادا کی جاگیر سمجھ کر اُس پر غلام محمد کی طرح دائمی قبضہ کرنے کے لئے کوئی منصوبہ نہیں باندھا اور نہ ہی اسکندر مرزا بننے کی کوشش کی۔ چرچل کو جنگ کے خاتمہ پر حکومت کی گدی اٹیلی کے لئے خالی کرنی پڑی۔ دوبارہ منتخب ہونے پر کچھ عرصہ بعد ایڈن کے حق میں دست بردار ہو گیا۔ غلام محمد اور اسکندر مرزا گو انگریزوں کی ہر بات میں نقالی کرتے

رہے۔ مگر چرچل کے اخلاقی اور قومی کردار کی نقالی نہ کر سکے۔ چہ جائیکہ وہ اسلامی کردار ہی پیش کر سکیں۔ جس کے وہ نام لیوا تھے۔ ۱۹۴۷ء سے لے کر آج تک عوام کو آزادی رائے سے محروم رکھا گیا۔ قوم کا خون اعلانیہ چوستے رہے۔ اور اُن کی مسخ شدہ انسانیت میں ذرا بھر انسانی احساس تک نہ پیدا ہو سکا۔ گویا خنزیر کھانے والوں سے بھی بدتر خنزیر ثابت ہوئے۔ اُن کی سیاسی قابلیت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ جب پاکستان کا ایک ہونہار اور قابل فرزند لیاقت کا درجہ حاصل کرتا ہے۔ تو اُسے گولی مار دی جاتی ہے۔ اگر وہ گولی کی زد سے بچ نکلا۔ تو اُسے زہر دے کر ہلاک کیا جاتا ہے۔ اگر وہ زہریلی موت سے بھی بچ جائے۔ تو اپنوں اور بیگانوں کے حسد اور بغض کا شکار ہو جاتا ہے۔ گویا پاکستان کا اسلامی ماحول خود مسلمانوں کے لئے دوزخ بن چکا ہے۔ قوم تو لیاقت زدہ افراد سے محروم ہو جاتی ہے۔ اور سارے ملک میں چاپلوسوں۔ غنڈوں۔ بدمعاشوں۔ چوروں اچکوں قاتلوں۔ نوسربازوں۔ بیوقوفوں۔ نالائقوں اور نااہلوں کا ایک کنبہ پرورش پاتا ہے جس کا تجارتی طبقہ کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ کرتا ہے۔ دوسروں کو نقصان پہنچا کر جلد سے جلد امیر ترین بننے کی کوشش کرتا ہے۔ سفارش اور رشوت۔ خوشامد اور چاپلوسی سے اپنا کام نکالتا ہے۔ چاہے اس میں ضرورت مند اشخاص کو قربان ہی کیوں نہ کرنا پڑے سرکاری ملازمین کی نااہلی۔ بد اخلاقی اور فرعون مزاجی بھی بڑھ چکی ہے۔ اور اُن کی انسانیت کچھ برطانیہ نے مسخ کر دی ہے۔ کچھ چند روزہ اقتدار نے بربریت کے درجہ تک پہنچا دی ہے۔ دشمنی۔ بغض اور حسد کے جذبات اس قدر بڑھے ہوئے ہیں۔ کہ پاکستانیوں پر روزی کے دروازے تک بند کر دیے جاتے ہیں۔ گرانی اور ناجائز منافع خوری سے عوام چیختے ہیں۔ فریادیں کرتے ہیں۔ مگر کسی کے کانوں تک جوں تک نہیں رینگتی۔ ہر ایک دوسرے کو نیچا گرا کر خود اپنی مطلب برآری کرتا ہے۔ گویا ایک قیامت کا منظر ہے ہر طرف خود غرضی۔ مطلب پرستی اور لالچ کے ذریعے ذاتی اغراض کو پورا کیا جاتا ہے۔ تمام قوم کو نقصان پہنچتا ہے۔ تو کوئی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ ملک و قوم سے اعلانیہ غداری کی جاتی ہے۔ اور قومی مفادات کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ ملک کا دفتری نظام نااہل اور کم ظرف فرعون صفت قاتلوں کے ہاتھوں میں پڑتے ہی عوام فریاد کناں ہیں۔ مگر سرکاری ملازم اپنی نااہلی اور کوتاہ اندیشی کے باعث عوام کے دکھ درد کو دور کرنے کے بجائے اور اضافہ کرتے

ہیں - تاکہ اُن کی نااہلی کسی پر ظاہر نہ ہو سکے - فلاح وبہبود کا کام کھٹائی میں پڑا ہوا ہے سارا وقت الزام تراشی اور نقصان رسانی میں صرف ہوتا ہے - عام شہریوں کے حقوق کو بیدردی سے پائمال کیا جاتا ہے - کارخانہ دار عوام سے سرمایہ اکٹھا کر کے غیر ملکی سرمایہ اردن کو بھیج دیتے ہیں - اور قومی بہبود کی طرف مطلقاً دھیان نہیں دیتے - اخبارات بھی کارخانہ داروں اور سرمایہ داروں سے اشتہارات کے نام پر بھاری رشوتیں حاصل کر کے خاموش تماشائی کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں - جس سے آزادی کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے - اور کوئی بھی آواز بلند نہیں کر سکتا - بلکہ پریس رشوت حاصل کر کے نہایت گھٹیا اور مکروہ صفت جذبات اُکساتا ہے - جس سے شوخ - بدمعاش اور شرارتی عناصر کی پرورش ہوتی ہے - اور گورنمنٹ بھی ان غیر تربیت یافتہ - نااہل اور شرمناک عناصر کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بن جاتی ہے - بھلا ایسی گورنمنٹ سے شرافت - اخلاق اور عوامی بہبود کے کاموں کی کیا توقع کی جا سکتی ہے جبکہ جمہوریت ایک مذاق بن کر رہ جائے - ہر طرف پولیس اور فوج کا بے رحم ڈنڈا گھومنے لگتا ہے - ملک کا تجارتی لین دین ناقابل اعتبار ہو جاتا ہے - منافقت بجائے خود مذہب بن جاتی ہے - ہمارے ملک کا ہر ایک جاگیردار - کارخانہ دار یا سرکاری اہلکار بادشاہ بنا ہوا ہے - بیگمات تک نے اپنی گردنیں اور ٹانگیں ننگی کر دی ہیں - اور چھاتیاں کھول کر مردوں کے پیچھے بھاگتی ہیں - ایک افراتفری کا عالم ہے - ظلم و ناانصافی کی بارش ہے - کافر بھی یہ حالت دیکھ کر اپنے کفر پر فخر کرتے ہیں - اور اسلام پر لعنت بھیجتے ہیں - گویا اسلام جیسے پاکیزہ مذہب کے نام لیوا انسانیت تک کھو چکے ہیں - پاکستان جیسے اسلامی ملک میں مادی اشیا کی پوجا کی جاتی ہے - اور مادہ پرست قومیں اپنے اخلاقی کردار پر فخر کرتی ہیں علاج معالجہ بہت مہنگا اور ناکارہ ہو چکا ہے - ڈاکٹر اور حکیم خونخوار بھیڑیے بن گئے ہیں کسی زمانہ میں یہودی اپنی کمینہ صفتی کے باعث بہت بدنام تھے - گو یہودیوں نے اپنے ایثار اور جد وجہد سے ریگستان جیسے اسرائیل کو اننگ گلزار بنا دیا - اور چند ہی برسوں میں اس قدر طاقت اور ممتاز حیثیت اختیار کر لی - کہ اردگرد کی لاتعداد اور مالدار عرب ریاستیں بھی اسرائیل کی وجہ سے غیر محفوظ ہو چکی ہیں - اور اپنے آپ کو خطرات میں محسوس کرتی ہیں مگر پاکستانی قوم میں یہودیوں جیسی قوم پرستی بھی موجود نہیں - ہم اناج کے لئے امریکہ سے بھیک مانگنے پر مجبور ہیں - لیکن اپنی زرخیز زمین کو ناکارہ بنا کر سیم وتھور سے بنجر اور ویران

کر دیا ہے۔ ملک سے غربت کا ابھی تک خاتمہ نہیں ہوا۔ حالانکہ سرمایہ دار اور کارخانہ دار لاتعداد موجود ہیں۔ جو اپنے فالتو سرمایہ کی مدد سے غریبی کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ عوام کی بہتری کا مطلقاً خیال نہیں کیا جاتا۔ گویا پاکستان میں عوام کی زندگی حیران و پریشان بن چکی ہے برطانیہ میں عوام کی بہبود کا کام زوروں پر ہے۔ برطانیہ کی طاقت۔ لیاقت۔ اخوت اور حوصلہ مندی کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ وہاں اچھا دماغ پرورش پاتا ہے۔ اچھے اور مخلص کارکنوں اور قابل افراد کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ علم و ہنر پھیلانے کے لئے ملک بھر میں بہترین درسگاہیں۔ تعلیمی ادارے۔ لائبریریاں۔ عجائب گھر۔ آرٹ گیلریاں اور شبانہ مدارس قائم ہیں۔ تاکہ ایک فرد کی قابلیت سے ساری قوم علمی اور فنی دولت کے لاتعداد خزانے حاصل کر سکے۔ اور تمام قوم مالا مال ہو جائے۔ قابل جوہر افراد کی ہر ممکن طور پر حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اور اُن کو ترقی حاصل کرنے کے لئے بہترین ذرائع حاصل ہیں۔ بلکہ انگریزی سوسائٹی قابل افراد کو مدد دیتی ہے۔ وظائف اور انعامات دیئے جاتے ہیں۔ تاکہ قوم اپنی غفلت کے باعث اُس فرد کی صلاحیتوں سے محروم نہ ہو جائے۔ بلکہ قابل افراد قوم کی امانت بن جاتے ہیں۔ جو انگریزی قوم کو صدیوں کی باقی ماندہ وحشت اور بربریت سے باہر نکالتے ہیں۔ اس طریقہ سے قومی ڈسپلن بھی قائم رہتا ہے۔ حتیٰ کہ ملٹن جیسا شاعر کہہ اٹھا ”برطانیہ کو دوسری قوموں کے لئے سبق دینا نہ بھولنا چاہئے“۔ شیکسپیر نے یہ کہا کہ ”برطانیہ کم نصیب ملکوں کے لئے قابل رشک ہے“ مائیں اپنے بچوں کو ایسے قومی گیت سناتی ہیں۔ جن میں برطانیہ کی گزشتہ عظمت کا ذکر ہو۔ اور اُسے سب سے پیارا وطن کہہ کر یاد کیا جائے۔ اور ایسا ملک جس پر جنت بھی فخر کر سکے بلکہ اُسے جنت پر ترجیح حاصل ہو۔ ایک گورا بچہ اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہے۔ کہ وہ برطانیہ میں پیدا ہوا۔ کسی اور ملک مثلاً پاکستان میں پیدا نہیں ہوا۔ انگریزی بچے کی جب آنکھیں کھلتی ہیں۔ تو اُسے ہر طرف خوش حالی۔ فارغ البالی اور خوشی ہی نظر آتی ہیں۔ وہ دودھ اور مکھن اپنے ارد گرد پاتا ہے۔ پاکستانی بچہ بوڑھا پیدا ہوتا ہے اور بوڑھا ہی مر جاتا ہے۔ بیچارے اسلام کا اس میں کیا قصور ہے۔

برطانیہ میں ٹیکسوں کی رقم سے عوام کی بہبودی کے امور سرانجام پاتے ہیں پیدائش سے لے کر موت تک سارے ضروری کام انہی ٹیکسوں کی رقم سے پورے کئے

جاتے ہیں۔ بیماری کے دوران میں بیمار کا وظیفہ ادا کیا جاتا ہے۔ بیکاری الاؤنس اور قومی امداد مفت تعلیم اور علاج معالجہ پر قومی سرمایہ خرچ ہوتا ہے۔ چند شلنگ دوائیوں کے نسخوں پر خرچ کرنے سے علاج کا سارا خرچ گورنمنٹ برداشت کرتی ہے۔ بیکار کو بھوکا نہیں مرنے دیا جاتا۔ اُسے سرکاری امداد ملتی ہے رہائشی مکانات آسان قسطوں پر خریدے جا سکتے ہیں پُرانے مکانات گرا کر اُن کی جگہ عمدہ ترین جدید ڈیزائن کے رہائشی مکانات تعمیر ہو رہے ہیں۔ اور اُن مکانات میں معمولی سا کرایہ ادا کر کے ایک معمولی مزدور تک نوابوں کی طرح بافراغت رہائش اختیار کرتا ہے۔ شہروں کی جدید تعمیر کا کام بھی شروع ہے۔ اور اُن کو ترقی دی جاتی ہے۔ نئے شہر نئے ڈیزائنوں پر تعمیر کئے جاتے ہیں۔ ہمارے ملک کے ٹیکسوں کی آمدنی سرکاری دوروں اور دعوتوں پر خرچ ہوتی ہے۔ لاتعداد بنگلے تعمیر ہوتے ہیں۔ جو قابل زمین کو ختم کر رہے ہیں۔ مگر عوام کی رہائش کا کوئی بھی خیال نہیں کرتا۔ برطانیہ میں خدمت خلق کے کاموں کو بہت سراہا جاتا ہے۔ ملکی پارلیمنٹ بھی وقتاً فوقتاً عوام کی بہبودی اور بھلائی کے لئے مختلف قوانین منظور کرتی رہتی ہے۔ ۱۹۴۶ء میں نیشنل ایشورنس ایکٹ (قومی امدادی) منظور ہوا۔ اس سے پیشتر ۱۹۱۲ء میں نیشنل ہیلتھ انشورنس اسکیم کے تحت مزدوروں سے ہفتہ وار چندہ اکٹھا کر کے بیماروں کا علاج مفت کیا جاتا رہا۔ پہلے پہل یہ اسکیم چند علاقوں تک محدود رہی۔ مگر دوسری جنگ عظیم کے دوران ۱۹۴۲ء میں لارڈ بیورج نے نیشنل انشورنس کو ایک پروگرام کے طور پر قومی حیثیت سے پیش کیا۔ ۱۹۴۸ء میں گورنمنٹ نے پروگرام کی تمام سفارشات کو ایکٹ کی صورت دے کر منظور کر دیا۔ آج برطانیہ رفاہی ریاست بن چکا ہے

مادی تہذیب

ایک زمانہ تھا۔ کہ برطانیہ ہی دنیا بھر میں سب سے بڑا صنعتی کارخانہ کہلاتا تھا۔ اب بھی وہ صنعتی لحاظ سے ترقی یافتہ ممالک میں شمار ہوتا ہے (پہلے تو وہ اول درجے کی طاقت تھا) صنعتی انقلاب کا آغاز برطانیہ سے ہی ہوا۔ اور اُس کی برآمدی تجارت تمام

ملکوں سے بڑھ چڑھ کر تھی۔ بلکہ برطانوی اشیا معیاری درجہ رکھتی تھیں۔ جس کی وجہ سے برطانوی تجارت کی ساکھ دنیا بھر میں مشہور تھی۔ قدرت نے بھی برطانیہ کو ہر قسم کی قدرتی دولت سے مالا مال کر رکھا ہے۔ مثلاً کوئلہ اور لوہا کی ارزاں فراہمی اور منزدیکی نیز باشندوں کے محنتی۔ حوصلہ مند اور جفاکشی نے اور دائمی غربت کی وجہ سے ملک کو خصوصیت دے رکھی تھی۔ چنانچہ نو آبادیوں کے قیام اور جہاز رانی کی ترقی نے مل کر صنعتی انقلاب پیدا کیا۔ کوئلہ کے علاوہ بجلی اور تیل کے استعمال نے مزید تبدیلیاں پیدا کیں۔ اور سرکاری امداد اور حوصلہ افزائی نیز مشینری کے رواج نے صنعتی میدان میں کافی ترقی پیدا کی۔ لندن برمنگھم۔ مانچسٹر اور دوسرے علاقے زیادہ پھیلنے لگے۔ اور دنیا بھر کی تجارت کو سمیٹنے میں مصروف ہو گئے۔ اس صنعتی پھیلاؤ کا اندازہ یوں بھی لگایا جا سکتا ہے۔ کہ صرف نیشنل کول بورڈ میں تقریباً ۷۰۰۰۰۰ (سات لاکھ) اشخاص کام کرتے ہیں۔ امپیریل کیمیکل لیبارٹریز میں تقریباً ۱۱۵۰۰۰ (ایک لاکھ پندرہ ہزار) اشخاص کی روزی کا بندوبست ہے بہت سے سرکاری محکمے بھی ملکی ضرورت میں حصہ لیتے ہیں۔ مختلف صنعتی کمیٹیاں بنائی گئی ہیں۔ جن کا مقصد ہوتا ہے۔ کہ سرمایہ دار، حکومت اور عوام مل کر کام کریں۔ مزدوروں کے نمائندے بھی ان کمیٹیوں میں شریک کئے جاتے ہیں۔ اور قومی مفاد کی خاطر اور دفاعی ضرورتوں کے پیش نظر ضروری مشورے اور ہدایات مہیا کی جاتی ہیں۔ تاکہ نت نئے حالات اور تازہ ترین معلومات کی روشنی میں کارخانہ داروں کو بروقت مطلع کیا جا سکے۔ مالی معلومات کی بھی رہنمائی کی جاتی ہے۔ اور عوام کی مشکلات یا ضروریات کو کارخانہ داروں تک پہنچایا جاتا ہے۔ قرضہ دے کر مالی امداد دی جاتی ہے۔ اور پارلیمنٹ میں قومی صنعتی حالت کے بارے میں وزیر متعلقہ سوالات کا دل کھول کر جواب دیتا ہے اور آزادانہ بحث کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ مختلف صنعتوں کا توازن قائم رکھتے ہوئے سرمایہ کے ناجائز پھیلاؤ یا نقصان دہ باہمی رسہ کشی اور بے سود مقابلہ کو روک کر قومی ضروریات کے پیش نظر صنعتی معیار کو بلند کرنے کے منصوبے طیار کئے جاتے ہیں۔ ۱۹۵۲/۵۶ء کا زمانہ صنعتی ترقی اور پھیلاؤ کا زمانہ کہلاتا ہے۔ جبکہ گورنمنٹ نے بھی صنعتوں کی کشادہ دلی سے مالی امداد کی اور انجنیئری۔ جہاز سازی۔ بجلی کا سامان۔ موٹر سازی اور کیمیکل سامان میں ترقی ہوئی۔ اور ملک کی مجموعی آمدنی میں اضافہ ہوا۔ پیداوار کو زیادہ بڑھایا گیا۔ اور ترقی یافتہ

ممالک مثلاً امریکہ - جرمنی اور جاپان سے مقابلہ کرنے کے لئے صنعتی ریسرچ ادارے قائم کیے گئے۔ تاکہ ملکی صنعتی ترقی کے لئے نئی تدابیر عمل میں لائی جا سکیں۔ حکومت بھی برابر اسی کوشش میں رہتی ہے۔ کہ مزدوروں اور کارخانہ داروں کے درمیان باہمی اتحاد کی بنا پر مزدوروں کے حقوق محفوظ ہوں۔ اور اُن سے بہتر سلوک کیا جائے۔ تاکہ مزدور اور کارخانہ داروں کے درمیان کسی قسم کی چپقلش یا رنجش بڑھنے نہ پائے اور صنعتی ترقی میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ ہو سکے۔

برطانیہ میں تقریباً (پانچ لاکھ) ۵۰۰,۰۰۰ اشخاص مختلف صورتوں میں صنعتوں کو چلاتے ہیں۔ مزدوروں کو اوقات کارکردگی کے علاوہ اور بھی کئی سہولتیں حاصل ہیں۔ مزدور انجمنیں اور ٹریڈ یونینیں مزدوروں کے حقوق کی نگہداشت کرتی ہیں۔ برطانوی مصنوعات اپنی پائیداری اور نفاست کے لحاظ سے دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ مثلاً انجینئرنگ سامان جہاز سازی۔ بجلی کا سامان۔ موٹریں اور انجن وغیرہ۔ شرابیں اور سگریٹیں تمام اعلیٰ پیمانہ اور عمدہ معیار کی ہیں۔ برطانیہ کی فولادی صنعت دنیا بھر میں چوتھے نمبر کی صنعت کہلاتی ہے۔ فولاد سے متعلق ہوائی جہازوں کی تعمیر۔ ریلوے انجن۔ سمندری جہاز۔ ٹرک اور لاریاں وغیرہ ہیں۔ یہ سب فولاد اور لوہے کی برکت ہے۔ جس سے لاکھوں اشخاص اپنی روزی کماتے ہیں۔ برطانیہ ۱۹۲۰ء میں جہاز سازی کی صنعت میں درجہ اول کی طاقت بن چکا تھا۔ اور دنیا بھر کے جہازوں کی آدھی تعداد کی ضرورتوں کو پورا کرتا تھا۔ اب تو امریکہ روس۔ جرمنی اور جاپان بھی اس کے مدمقابل آ گئے ہیں۔ لیکن پھر بھی جہاز سازی کی رفتار میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ بندرگاہوں پر جہازوں کی مرمت کا کام جاری ہے۔ غیر ممالک سے جہازوں کے آرڈر دھڑا دھڑ برطانیہ ہی کو ملتے ہیں۔ گویا سمندری جہازوں کی برآمدی تجارت زوروں پر ہے۔ برطانیہ کے سمندری جہاز دنیا کی ہر ایک بندرگاہ پر مسافر اور سامان لاتے لے جاتے ہیں۔ اور درآمدی برآمدی تجارت میں شریک ہیں بلکہ ملک کی آمدنی کا زیادہ ذریعہ بھی سمندری تجارت ہے۔

غیر ملکی تجارت کے لئے برطانیہ کے پاس تقریباً (تین سو) ۳۰۰ عمدہ ترین بندرگاہیں ہیں۔ یہ بندرگاہیں پہلے ریل کمپنیوں کی ملکیت ہوا کرتی تھیں۔ مگر اب برٹش ٹرانسپورٹ کمیشن کی نگرانی میں ہیں۔ اور قومی ملکیت بن چکی ہیں۔ کچھ بندرگاہیں پبلک ٹرسٹ کے

تحت کام کرتی ہیں۔ (مثلاً پورٹ او لندن اتھارٹی۔ جس میں جہاز ران کمپنیاں۔ تاجران درآمد برآمد۔ مرکزی گورنمنٹ اور مقامی ادارے شامل ہیں) یہ بندرگاہیں سمندری ٹریفک کی دیکھ بھال کرتی ہیں۔ پارلیمنٹ نے بندرگاہوں کے نظام کے لئے نیز متعلقہ اختیارات اور ذمہ داریوں کو بہتر طور پر سرانجام دینے کے لئے قوانین بھی بنا رکھے ہیں۔ تقریباً (ڈیڑھ لاکھ) ۱۵۰۰۰۰ اشخاص ان بندرگاہوں پر کام کرتے ہیں۔ مزدوروں کی تعداد کا شمار ہی نہیں۔ ۱۹۴۱ء تک جہازی مزدوروں کو عارضی طور پر کام کرنا پڑتا تھا۔ مگر جنگ کے دوران میں اس مزدوری پر کنٹرول کیا گیا۔ اور مزدور بھی باقاعدہ رجسٹرڈ ہونے لگے۔ بالآخر ۱۹۴۷ء میں نیشنل ڈاک لیبر بورڈ نے یہ کام اپنے ذمہ لے لیا۔ اور جہازی مزدور بھی باقاعدہ تنخواہ دار ملازم بن گئے۔ کام چاہے کم ہو یا زیادہ وہ ہر وقت ڈیوٹی پر رہتے ہیں۔ بندرگاہوں سے ملحقہ ریلوں اور سڑکوں کا جال اندرون ملک پھیلا ہوا ہے۔ اور سارے ملک میں کوئی ایسا کونہ نہیں جہاں مسافروں کو بمعہ اپنے سامان کے ریل گاڑی یا سڑکوں کے ذریعے نہ پہنچایا جائے نہروں اور دریاؤں پر چھوٹے چھوٹے جہاز مسافروں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ ہوائی جہازوں کی آمد نے سفر کی سہولتوں کو زیادہ عام کر دیا ہے ریلوے نظام ۱۸۴۰ء سے کام کر رہا ہے۔ اب تو اُسے جدید ترین طریقوں سے تبدیل کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ نئی سڑکوں کی تعمیر اور پرانی سڑکوں کی وسعت اور مرمت کا کام بھی شروع ہے۔ ڈیزل انجن اور موٹر سازی کی صنعت نے بھی کافی ترقی کی ہے۔ گویا برطانیہ میں اندرون ملک سفر کی سہولتیں عام۔ ارزاں اور منظم ہیں۔ صبح و شام کے اوقات سفر کا غیر معمولی انتظام کرنا۔ مسافروں کو اعلی الصبح کام پر پہنچانا اور شام کو واپس گھروں تک بخیریت لے جانا اور یہ تمام کام کم قیمت اور کم وقت کے اصولوں پر چلایا جاتا ہے لاکھوں اشخاص کے آرام کا خیال رکھنا اور بھیڑ بھاڑ کو کنٹرول کرنا۔ یہ کوئی آسان کام نہیں۔ بلکہ بہت ہی انتظامیہ اہلیت رکھتا ہے۔ بعض اوقات ہڑتالوں یا حادثات سے اس نظام میں قدرے رکاوٹ پیدا ہو تو علیحدہ بات ہے۔ مگر مجموعی لحاظ سے ٹرانسپورٹ کا نظام اعلیٰ پیمانہ پر ہے۔ کاروباری اشخاص کے پاس ذاتی کاریں ہیں۔ وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنے مزدوری کاروبار کو خود ہی سرانجام دیتے ہیں۔

ٹرانسپورٹ کا نظام قومی ملکیت بن چکا ہے۔ گو تجارتی اور صنعتی ادارے اپنے طور

پر ٹرانسپورٹ کا انتظام خود ہی کر لیتے ہیں۔ صرف قومی صنعت کی خاطر برداشت کیا جاتا ہے ورنہ پبلک ٹرانسپورٹ کو تقریباً (آٹھ لاکھ) ۸۰۰،۰۰۰ اشخاص چلاتے ہیں۔ اور برٹش ٹرانسپورٹ کمیشن ملک کا اہم فائدہ مند تجارتی ادارہ بن چکا ہے۔ وزارت ٹرانسپورٹ پارلیمنٹ میں ٹرانسپورٹ کے بارے میں پبلک کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے۔ اور وہی کمیشن کے ممبروں کا انتخاب کرتی ہے۔ نیز پالیسی بھی وضع کرتی ہے۔ کمیشن کو ضروری معلومات یا ہدایات بہم پہنچاتی ہے۔ اور کمیشن اپنی سالانہ رپورٹ بمعہ بجٹ وغیرہ کو وزارت ٹرانسپورٹ کو ہی پیش کرتی ہے۔ پارلیمنٹ میں اس پر بحث ہوتی ہے۔ گویا صنعتی انقلاب نے ٹرانسپورٹ میں بھی نمایاں تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں۔ سارا ملک ریلوے لائنوں اور سڑکوں سے ملا دیا گیا ہے۔ جب ریلوے کا رواج نہ تھا۔ تو گھوڑے سامان اور مسافر اٹھاتے تھے جارج اسٹیفنسن نے ۱۸۲۵ء میں ریلوے انجن کو سٹاکٹن سے ڈارلنگٹن ریلوے لائن پر چلایا۔ اور ۱۸۳۰ء میں لورپول اور مانچسٹر کے درمیان ریلوے لائن بچھائی گئی۔ پھر ۱۸۴۰ء سے ۱۸۷۵ء تک ریلوے لائنوں کا جال سارے ملک میں پھیل گیا۔ پہلی جنگ عظیم میں گورنمنٹ نے ٹرانسپورٹ کمپنیوں سے ریلوے نظام کو اپنے ہاتھوں میں لینا شروع کر دیا۔ اور رفتہ رفتہ گورنمنٹ ہی ریلوے کی مالک بن بیٹھی۔ جب موٹر سازی کی صنعت نے ترقی کی تو نئی سڑکوں کی تعمیر اور پرانی سڑکوں کی مرمت شروع ہوئی۔ ریلوے کی آمدنی کم ہونے لگی۔ مجبوراً ریلوے اور سڑکوں کے نظام کو باہم ملا کر برٹش ٹرانسپورٹ کے حوالے کر دیا۔ دریں اثنا ہوائی جہاز بھی ریلوں اور سڑکوں کے مقابلے میں آ پہنچے اس سے پیشتر وہ سمندری جہازوں کو شکست دے چکے تھے۔ اندرون ملک بھی ہوائی جہاز کمپنیاں اب مسافروں اور سامان کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک لے جانے اور لانے میں مصروف ہونے لگیں۔ بی۔ او۔ اے۔ سی اور برٹش یورپین ایرویز دو ہوائی جہاز کمپنیاں خاص طور پر مشہور ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی ہوائی کمپنیاں ہیں۔ مگر ان دو کمپنیوں کو ہوائی ٹرانسپورٹ کی اجارہ داری حاصل ہو گئی۔ دوسری جنگ عظیم نے ہوائی سفر کو زیادہ پھیلایا۔ اور اس کی اہمیت کو بڑھا دیا۔ ایک سو سے اوپر تو ہوائی اڈے بن چکے ہیں۔ جو شہری ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ تقریباً پچاس کے قریب ہوائی اڈے فوجی ضرورتوں کے لئے استعمال میں لائے جاتے ہیں۔

پیدل چلنے والوں کی بھی کافی تعداد ہے۔ جو رات دن چلتے رہتے ہیں۔ اس طرح وہ ایک ہزار میل سے زیادہ اپنا روزمرہ کا سفر پیدل چل پھر کر طے کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ موٹر کاروں کے مالک بھی لاتعداد ہیں۔ جو اپنی گاڑی پر ہی پیشاب کرتے ہیں۔ اور گاڑی میں ہی بیٹھ کر سگریٹ پیتے ہیں۔ بلکہ کھانا کھا کر گاڑی پر ہی سو جاتے ہیں۔ گاڑیوں میں ہی بیٹھے بٹھائے دوستانہ تعلقات بڑھاتے ہیں۔ اور گاڑی سے نیچے اترنا حرام سمجھتے ہیں۔ ایسے اشخاص بھی ہیں جو گھروں سے باہر نکلتے ہی نہیں۔ وہ زیادہ تر گھروں میں۔ کارخانوں کے اندر یا دفتروں میں ہی اپنی ساری عمریں گذار دیتے ہیں۔ صرف اُن کی عورتیں بازاروں میں پیدل سفر کرتی ہیں اور گھر کا کام کاج چل پھر کر کرتی ہیں۔ وہ خود گاڑیوں۔ بسوں۔ سمندری جہازوں اور ہوائی جہازوں کی مدد سے اپنا سفر منٹوں میں طے کر کے آناً فاناً اپنے کاروبار میں مصروف رہتے ہیں۔ اُن کو پیدل چلنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ حتیٰ کہ وہ مرنے کے بعد بھی گاڑی میں آخری سفر کرتے ہیں۔ یہ اشخاص ساری عمر پیدل چلنے کا نام تک نہیں لیتے۔ ان کی وجہ سے پبلک ٹرانسپورٹ کا وسیع نظام قائم ہے۔ بوڑھی عمر پا کر ایسے لوگ عام طور پر گنٹھیا کے مرض کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ چائے کی پیالی پر گذارہ کرتے ہیں۔ یا سارا دن سوتے ہیں یا رات بھر کام کرتے ہیں۔ وہ ڈرائیوروں کی فوج پر اپنی زندگی گذارتے ہیں۔ پیدل چلنے والے ایسے اشخاص سے نفرت کرتے ہیں۔ مگر پیدل نہ چلنے والے پیدل چلنے والوں کو ٹریفک کے حادثات سے کنٹرول میں رکھتے ہیں۔ یہ قیاس لگایا گیا ہے کہ پیدل چلنے والوں کی تعداد مسافروں کی تعداد کے برابر ہے۔ جو پبلک ٹرانسپورٹ کو استعمال کرتے ہیں۔ عام طور پر ڈرائیور لوگ مسافروں کے دوست ہوتے ہیں۔ لیکن پیدل چلنے والوں کے جانی دشمن کہلاتے ہیں۔ وہ پیدل چلنے والوں کو گھور گھور کر دیکھتے ہوئے اُن کی حالت پر افسوس کرتے ہیں۔ ٹریفک کے حادثات بھی اس لئے بڑھ گئے ہیں۔ کہ ڈرائیور پیدل چلنے والوں پر اپنی نفرت اور غصہ اُتارنے کے درپے رہتے ہیں۔ گویا دونوں کا باہمی مقابلہ اور چپقلش جاری رہتا ہے۔ مسافر اپنا سفر اخبار پڑھ کر نیند کر کے اس رسہ کشی سے علیحدہ رہتے ہیں۔ مگر ڈرائیوروں کو پیدل چلنے والوں سے ہر صورت نپٹنا پڑتا ہے۔ ٹریفک اگر رک جائے۔ تو پیدل چلنے والے گاڑیوں کی چھتوں پر چڑھ کر اپنا راستہ بنا لیتے ہیں۔ اُس وقت وہ ڈرائیوروں کو طعنے دینے کے علاوہ اُن کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ مگر ڈرائیور بھی اپنی گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے پیدل چلنے والوں کو حقارت سے

گھورتے ہیں۔ اور اس طرح یہ سرد جنگ جاری رہتی ہے۔ حتیٰ کہ ٹریفک کا حادثہ پیش آنے پر یہ گرم جنگ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اُس وقت پیدل چلنے والوں کو شکست کھانی پڑتی ہے۔ اور اُن کے کئی اشخاص ٹریفک حادثات میں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ڈرائیوروں کو ان حادثات پر کسی قسم کا افسوس یا صدمہ نہیں ہوتا۔ وہ اگلی گاڑی سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ اُس وقت دونوں ڈرائیوروں کے درمیان سرد جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں وہ ایک دوسرے سے روٹھ جاتے ہیں اور بات چیت تک بند کر دیتے ہیں۔ لیکن شراب پی کر وہ اپنی سرد جنگ بھول جاتے ہیں۔ اور اپنا غصہ پیدل چلنے والوں پر نکالتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ سڑکوں پر حادثات بڑھ گئے ہیں۔ گویا اب پیدل چلنے والوں کو کسی توپ تفنگ سے یا فوجوں کی چڑھائی سے ہلاک کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اور نہ ہی اُن کو ختم کرنے کے لئے بمباری کی ضرورت ہے۔ ایک سال میں ڈرائیور لوگ یہ کام صفائی سے کر دیتے ہیں سے لڑتے ہیں۔ اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں۔

کسی کو کانوں کان خبر تک نہیں ہوتی۔ بلکہ موٹر ہارن کی آواز تک سنائی نہیں دیتی۔ چپکے سے راہ گیر کو موٹر تلے دبا کر اُسے سیدھا دوزخ پہنچایا جاتا ہے۔ ایسے موقعوں پر ڈرائیور شراب پی کر اس واقعہ کو بھول جاتا ہے۔ اور شراب کے نشے میں کئی اور حادثات کر بیٹھتا ہے۔ انگریزی ڈرائیوروں کی نقل میں پاکستان کے ڈرائیور بھی پیدل چلنے والوں کے جانی دشمن ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ اُن سے ایک درجہ اور آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ مسافروں سے بھی دشمنی رکھتے ہیں۔ اور انگریز عورتوں کی طرح زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔ انگریز عورتیں ڈرائیوری اُس وقت سیکھتی ہیں۔ جبکہ وہ گھر پر اپنے خاوندوں سے لڑ کر باہر چلی جاتی ہیں۔ یا اُنہیں ہسپتال میں بچہ پیدا ہونے کے بعد گھر جانا ہوتا ہے۔ وہ حادثات بھی اُس وقت کرتی ہیں۔ جبکہ بچوں کا اسکول جانے کا وقت ہو۔ یا اُن کا اسکول سے واپس گھروں کو لوٹنے کا وقت ہو۔ اُس وقت پٹرول بچانے کے لئے انگریز عورتیں اپنی گاڑیوں کو تیز رفتاری سے چلاتی ہیں۔ شاید اُن کا احساس کمتری اُنہیں اُبھارتا ہے۔ کہ وہ احساس برتری کا ثبوت دیں۔ گویا جس گاڑی میں کسی انگریز ڈرائیور عورت کا خاوند یا بھائی یا والد سفر کر رہا ہو۔ تو وہ گاڑی حادثہ سے کبھی نہیں بچ سکتی۔ ضرور اُس دن کوئی ایک درجن ٹریفک حادثات درپیش آتے ہیں۔ پیدل چلنے والے سینکڑوں کی تعداد میں زخمی ہوتے

ہیں - اور ہزاروں اشخاص بال بال بچ جاتے ہیں - بعض اوقات اس عورت ڈرائیور کا خاوند مر جاتا ہے - بھائی یا والد زخمی ہو کر بال بال بچ نکلتے ہیں - اس طرح خاندانی تعلقات کو آسانی سے طے کیا جاتا ہے - بیوی کو بھی قدرتی طلاق مل جاتی ہے - گاڑی کے ایک حادثہ میں پرنس علی خاں تو فوراً مر گیا - مگر اُسی گاڑی میں اُس کی محبوبہ بالکل صاف صاف بچ نکلی اور لاکھوں پونڈ کی جائیداد کی وارث بن گئی - ایسے موقعوں پر عورتیں سیاہ نقاب پہن اوڑھ کر سگریٹ پیتی ہیں - تاکہ غم غلط کر سکیں - اور مفت کا مال ہضم کیا جا سکے - سمجھ دار مرد تو فوراً عورت کے ساتھ گاڑی میں سرے سے سفر ہی نہیں کرتے - اور اکیلا ہی باقی ماندہ سفر طے کر کے بخیریت گھر پہنچتے ہیں - ایک اور تعجب انگیز بات یہ دیکھی گئی ہے - کہ گاڑیاں تو چھ روز تک رات دن سفر کرتی ہیں - یعنی اتوار کے دن ڈرائیور لوگ گرجا جانے کے بجائے اپنی گاڑیوں کو غسل صحت دیتے ہیں - اور اُن کے جسموں پر خون کے چھینٹے دھوتے ہیں - گھر کے سارے افراد گاڑی کی خدمت میں لگ جاتے ہیں - گویا گاڑی کوئی تازہ بچہ ہے - جو تھوڑی دیر ہوئے پیدا ہوا جس کو نہلانے کے لئے پیدائشی غسل ضروری ہوتا ہے - گویا گاڑی کا غسل صحت ایک خاندانی تقریب بن چکا ہے - اتوار کو گرجے تو خالی نظر آتے ہیں - لیکن گاڑیوں کو بُت بنا کر پوجا کی جاتی ہے یعنی پتھروں کے بجائے دھات کی پوجا ہوتی ہے - اور جو وقت کسی زمانہ میں خدا کی یاد میں صرف کیا جاتا تھا - آجکل گاڑیوں کی دیکھ بھال اور صفائی میں خرچ ہوتا ہے -

پیدل چلنے والے بھی اتوار کے دن پیدل چلنا بند کر دیتے ہیں - بلکہ اُس دن زرق برق لباس پہن کر باہر نکل جاتے ہیں - باغوں میں بیٹھ کر یہ وقت گذارا جاتا ہے - بعض اشخاص گرجے بھی پہنچ جاتے ہیں - وہاں ڈرائیوروں کے خلاف بد دعائیں مانگی جاتی ہیں - گرجوں سے واپس جب گھروں کو لوٹتے ہیں - تو گاڑیوں کے پاس سے طنزیہ مسکراہٹ کرتے ہوئے گذر جاتے ہیں - بہت سے اشخاص سینماؤں میں چلے جاتے ہیں - تاکہ گاڑیوں کی بھیڑ بھاڑ سے محفوظ ہو سکیں یا شام کو پارک میں بمعہ خاندان تفریح کرتے ہیں - اُس دن مکمل آرام کیا جاتا ہے - اور کسی قسم کی گھبراہٹ دکھائی نہیں دیتی - گرجاؤں کی حاضری بھی مذہبی کے بجائے مجلسی ہوتی ہے - وہاں اس لئے حاضری دی جاتی ہے - کہ یہ دیکھا جائے - کہ اُس اتوار کو کون کون گرجا نہیں آ سکا - مردوں کی تعداد کا تناسب عورتوں کی تعداد سے کتنا ہے - بچوں کی تعداد میں کتنا اضافہ ہوا - اور گرجے کا پادری کون ہے - آیا نیا ہے یا پُرانا - آیا گرجا کی مرمت بھی ہوئی ہے یا

نہیں۔ یا دوری حجامت بنا کر آیا ہے۔ یا اُس نے داڑھی رکھ لی ہے۔ کیا وہ جوتوں کو پالش کرتا ہے یا اُس کے جوتے ویسے ہی میلے کچیلے رہتے ہیں۔ جیسے ہفتہ کے اور دنوں میں وہ پھٹے پرانے جوتوں میں گھومتا پھرتا ہے۔ نیز گرجا کے احاطہ میں موٹر کاروں کی تعداد کتنی ہے۔ اور اُن میں نئے ماڈل کتنے ہیں۔ عبادت گاہ کے خاتمہ پر وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دیتے ہیں۔ یا آپس کے حال احوال کی پوچھ گچھ ہوتی ہے۔ بہت سے گرجے گرائے جا چکے ہیں۔ اور کئی گرجوں پر تالے لگا دیئے گئے ہیں۔ پیدل چلنے والے اتوار کے دن گرجا جانے کے بجائے شراب خانہ میں بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ یا اپنے گھروں میں بیٹھ کر اتوار کے اخبارات کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ٹیلی ویژن کے مقبول پروگرام دیکھے جاتے ہیں۔ جو لوگ عیسائیت سے دلچسپی نہیں رکھتے۔ وہ اسلام یا بدھ مت کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور مختلف مذاہب کی تعلیمات کا علم حاصل کرتے ہیں۔ عیسائیت پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ بہت سے انگریز عیسائیت کو چھوڑ چکے ہیں۔ اور دہریت اختیار کر رہے ہیں یا ایسے مذاہب کی تلاش میں ہیں۔ جو اُن کو روحانی اطمینان دے سکے۔ عیسائیت کے ظاہری رسوم کی پابندی ختم ہو چکی ہے۔ وہ ایسے مذہبی راستہ کی تلاش میں ہیں۔ جو عیسائیت سے مختلف ہو۔

روزانہ اخبار کو انجیل مقدس سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ خدا کا نام اتفاقیہ زبان پر آ جائے۔ تو اور بات ہے۔ ورنہ خدا کے نام کو زبان پر لانا ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ اتوار کو گرجا جانے کے بجائے ہفتہ وار اخبارات کا مطالعہ ضروری ہو جاتا ہے۔ دین عیسائیت اور پادریوں کی فوج اب تجارتی چیز بن چکی ہے۔ جو اندرون ملک استعمال میں نہیں لائی جاتی۔ بلکہ غیر ضروری سمجھ کر باہر ممالک کو برآمد کی جاتی ہے۔ تاکہ عیسائیت کے نام پر سیاسی اثر و رسوخ اور سامراجی اقتدار حاصل کیا جائے۔ اور پادریوں کے ذریعے مخبری اور جاسوسی کا کام لیا جائے۔ مذہبی مباحث پر مذاق کیا جاتا ہے۔ اور کوئی بھی عیسائیت کو سنجیدہ طور پر پسند نہیں کرتا۔ گو برطانیہ کا شاہی خاندان قانوناً دین عیسائیت کا محافظ اور عیسائیت کا پرستار ہے مگر مجموعی طور پر سارا ملک مذہبی پابندیوں کا محتاج نہیں رہا۔ اور مذہب کے معاملہ میں آزاد ہے۔ اور عیسائیت بھی اپنی مسخ شدہ صورت میں قائم ہے۔ چرچ کو حاکمانہ اقتدار حاصل ہے۔ اور کلیسا کا سیاسی پنجہ کافی مضبوط ہے۔ تعلیم اور مالیات پر چرچ کا قبضہ ہے۔ اور چرچ نہایت ہی مالدار اور امیر ترین ادارہ ہے۔ جو حکومت پر کافی اثر و رسوخ اور سیاسی دباؤ

دکھتا ہے۔ ملک کے باشندے جاہل اور توہم پرست ہیں۔ اور مذہبی اور قدیم خرافات سے چمٹے ہوتے ہیں۔ مگر عیسائیت سے متنفر ہیں۔ لیکن چرچ کی سیاسی طاقت اُن کو مرعوب کئے ہوئے ہے اور وہ چرچ کے خلاف کوئی منظم تحریک نہیں چلا سکتے۔ اور نہ ہی اُن کو یہ جرأت ہو سکتی ہے۔

انگریزوں کو اپنے طور اطوار پر بڑا ناز ہے۔ وہ اتوار کے دن اپنے گھروں سے اپنے آباؤاجداد کا پرانا فرنیچر۔ پرانا سوٹ اور پرانے بوٹ احتیاط سے نکال کر صاف کرتے ہیں۔ اور صاف کرنے کے بعد احتیاط سے اُسی پرانی جگہ رکھ دیتے ہیں۔ اُن پرانی اشیا کو دیکھ کر وہ اپنی گزشتہ عظمت کو یاد کرتے ہیں۔ جب کسی واقعہ کو دہرایا جاتا ہے۔ تو اپنی پرانی اشیا اور پرانی تاریخ کا حوالہ ضرور دیتے ہیں۔ یہ ضرورت اتوار کو پڑتی ہے۔ جب پرانے جوتے پالش کئے جاتے ہیں۔ یا اُن کی مرمت کی جاتی ہے۔

انگریز نیا سوٹ پہن کر ایک دن کا سلطان بن جاتا ہے۔ اتوار کے دن کسی کو مرنے تک کا خیال نہیں آتا۔ اُس دن سارے تفکرات مٹ جاتے ہیں۔ بلکہ موت کو بھی تفریح سمجھا جاتا ہے۔ اتفاق سے سورج بادلوں سے باہر نکل آئے تو اتوار کا دن عید کا دن بن جاتا ہے۔ ساری آبادی خوشی سے ناچ اُٹھتی ہے۔ بچے دوڑتے ہیں۔ اُچھلتے ہیں۔ کودتے ہیں قلابازیاں لگاتے ہیں۔ اور وہ اتوار کا دن یادگاری دن بن جاتا ہے۔ جس کا ذکر مدتوں جاری رہتا ہے۔

اتوار کے اخبارات طلاق۔ اغوا۔ زنا اور جرائم کاری کے واقعات سے بھرے ہوتے ہیں۔ جنہیں لوگ بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ اور اپنے دوستوں میں اُن واقعات کا چرچا کرتے ہیں۔ اتوار کے دن ٹیلی ویژن زیادہ دلچسپی سے دیکھا جاتا ہے۔ جبکہ سارا خاندان جادو کے ڈبہ کے اردگرد جمع ہو کر دُنیا جہاں سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ چند منچلے گاڑیوں کو نہلا دھلا کر اپنے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ جاتے ہیں۔ اور ضروری مرمت کرتے ہیں۔ پرانے فرنیچر کو درست کیا جاتا ہے۔ ٹوٹی پھوٹی کھڑکیوں اور پرانے دروازوں کو مرمت کیا جاتا ہے۔ پرانے کپڑے برش کئے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ کتے اور بلیاں تک صاف کی جاتی ہیں۔ انگریز عورتیں اتوار کے لئے ہفتہ کے چھ دن بے صبری سے انتظار کرتی ہیں۔ اُن میں سے جو گرجاؤں کو جاتی ہیں۔ وہ اس تاک میں رہتی ہیں۔ کہ وہاں جا کر یہ دیکھیں۔ کہ کتنے مرد اپنی بیویوں کے ہمراہ آئے۔ اور اُن میں کتنے نئے شادی شدہ

جوڑے ہیں۔ نئے فیشن کی اگر کوئی چیز پسند آئی۔ تو اُس کا گہری نظر سے جائزہ لیا گیا عام طور پر دوسری عورتوں کی عجیب و غریب نئی ٹوپیوں پر نظر رکھی جاتی ہے نیز ہمسایوں کی شکل و صورت کو اچھی طرح سے شناخت کیا جاتا ہے۔ گرجا سے واپسی پر پیدل ہی گھر تک جانے کو تفریح سمجھ کر راستہ طے کیا جاتا ہے۔ عام طور پر رشتہ داروں اور دوستوں کے ہاں دعوتیں اُڑانے کے لئے چند گھڑیاں گزار دی جاتی ہیں۔ اور آئندہ اتوار کے لئے اُن کو اپنے ہاں مدعو کیا جاتا ہے۔ بعض منچلے دیہات کی سیر کو چلے جاتے ہیں۔ یا سمندر کے کنارے سیر سپاٹے کے لئے نکل جاتے ہیں۔ جو گھروں پر رہنا پسند کریں۔ وہ اپنے مکانات سے ملحقہ باغات میں گھنٹوں باغبانی کرتے ہیں۔

برطانیہ مذہبی طور پر آزاد اور خود مختار ہے۔ کسی قسم کی پابندی یا قانونی مزاحمت نہیں۔ خود عیسائی فرقوں کے درمیان ذاتی کدورت اور عداوت مٹ چکی ہے۔ اور کسی قسم کا مذہبی تعصب نہیں پایا جاتا۔ تمام رواداری کی فضا پائی جاتی ہے۔ اتوار کے دن گرجا کی حاضری ضروری نہیں اور نہ ہی عیسائیت کی پیروی لازمی ہے۔ اس لئے اسلام اور دوسرے مذاہب کے پھیلنے کا زیادہ امکان ہے۔ کیونکہ عیسائیت تو غیر ممالک کے لئے برآمد کی جاتی ہے۔ اندرون ملک عیسائیت بالکل ختم ہو چکی ہے۔ اور دہریت عام پھیل رہی ہے۔ اس لئے عیسائی فرقے متحد ہو کر عیسائیت کو بچانے کی فکر میں مبتلا ہیں۔ سنہ ۱۹۶۰ء میں تمام عیسائی فرقوں کی ایک متحدہ کونسل بنائی گئی جس میں رومن کیتھولک فرقہ کے تمام فرقوں کو دعوت دی گئی اور یہ طے پایا کہ عیسائیت کو ایک مرکز پر لا کر منظم کیا جائے۔ پادری فشر کا حالیہ دورہ روم بڑا دلچسپ ہے۔ جبکہ انگریزی چرچ کا اسقف اعظم اپنے اختلافات کو نظر انداز کر کے محض عیسائیت کو بچانے کے لئے پوپ کی درگاہ میں حاضر ہوا اور صدیوں کی مخالفت کو بھلا دیا۔ چرچ کا اثر و رسوخ عوام میں مفقود ہو چکا ہے۔ مگر حکومت کی پالیسی پر چرچ کا نقطہ خیال ابھی تک اثر انداز ہے۔ خود برطانیہ کا شاہی حکمران دین مسیحی کا محافظ کہلاتا ہے۔ اور اُس کی رسوم تاجپوشی مذہبی نوعیت رکھتی ہیں۔ گویا حکومت کلیسا کی مرضی کی محتاج اور پابند ہے۔ بلکہ اُسے چرچ کی مرضی پر چلنا پڑتا ہے۔ سیاسی اقتدار کی اب بھی یہ حالت ہے کہ جس طرف کلیسا کا بوجھ پڑے۔ الیکشن میں اُسی جماعت کی جیت ہوتی ہے۔ کلیسا کا سیاسی دباؤ حکومت پر پس پردہ قائم ہے۔ کلیسا قومی محافظ کہلاتا ہے۔ تعلیم۔ معاشرتی امور اور بین الاقوامی سیاست وغیرہ میں چرچ کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ چرچ کے پادری

جاسوسی کے اہم فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ اندرون ملک اور غیر ممالک سے خفیہ خبریں حکومت کو بہم پہنچاتے ہیں۔ چرچ براہ راست عوام سے تعلق پیدا کر کے مفید مطلب اطلاعات حکومت تک پہنچاتی ہے۔ برطانوی گورنمنٹ کی اسلام دشمن پالیسی اور عیسائیت نواز طرز عمل ہمیشہ چرچ کونسل کے سیاسی دباؤ کے باعث رہا۔ کلیسا ہی اسلام کی عالمگیر اخوت اور طاقت کو ختم کرنے کے لئے کوشاں رہا۔ صلیبی جنگوں سے لے کر پاکستان کے قیام تک برطانیہ کی مسلم کش پالیسی میں چرچ کا نمایاں حصہ رہا ہے۔ اور یہ رویہ اسلام دشمن پادریوں کی ہی بدولت جاری رہا۔ اسلامی ممالک کو کمزور کرنے اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں پادریوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حتیٰ کہ اسرائیل کا قیام اور پاکستان دشمنی بھی برطانوی پادریوں کے ذریعے ہی ممکن ہو سکی۔ ہندو مغل اور یہودیوں کو اسلام دشمنی پر پادریوں نے ہی آمادہ کیا۔ آج بھی اسلامی ممالک پر برطانیہ کا سیاسی دباؤ چرچ کونسل کے پادریوں نے ڈال رکھا ہے۔ اندرون ملک پادریوں کی ریشہ دوانیاں بھی قائم ہیں۔ ایڈورڈ ہشتم کو تخت سے اس لئے دست بردار ہونا پڑا۔ کہ چرچ کو اس کی شادی پر اعتراض تھا۔ اور اسے عیسائی تعلیمات کے خلاف جانتا تھا۔ شہزادی مارگریٹ کو اپنی مرضی سے شادی کرنے پر روک دیا گیا۔ اور اسے چرچ کے سامنے سر جھکانا پڑا۔ کیونکہ اس کے عاشق کی بیوی کو طلاق مل چکی تھی۔ جو چرچ کو منظور نہ تھا۔ گو برطانوی کلیسا مذہباً ختم ہو چکا ہے۔ مگر سیاسی اقتدار ابھی تک رکھتا ہے۔ ملک کی سیاسی پارٹیاں چرچ کے دباؤ کو تسلیم کرتی ہیں۔ پارلیمنٹ میں بھی چرچ کا بول بالا ہے۔ دارالامرا میں پادری صاحبان اگلی صفوں میں موجود ہوتے ہیں۔ اور اپنا نقطہ نظر بڑی جرأت اور دلیری سے پیش کرتے ہیں۔ اور گورنمنٹ کی پالیسی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ پارلیمنٹ کے پلیٹ فارم پر ان کا قبضہ ہے ہے۔ تعلیم۔ اخبارات۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں بھی کلیسا کا اقتدار قائم ہے۔ تجارتی میدان میں بھی کلیسا بہت سی ملکی صنعتوں میں سرمایہ دار اور اجارہ دار کی حیثیت رکھتا ہے۔ غیر ممالک سے کلیسا کا سرمایہ اپنا سودی منافع حاصل کرتا ہے۔ اسلحہ ساز کارخانوں میں چرچ کو نفع ملتا ہے۔ چرچ فرعون کا جانشین بن چکا ہے۔ شاہی حکمران کا برطانوی چرچ سے تعلق لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اور لارڈ چانسلر کسی حالت میں رومن کیتھولک مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ چرچ اور حکومت کے تعلقات دوستانہ ہیں۔ گرجوں میں شاہی حکمران کے لئے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ اور گرجوں کے پادری صاحبان کا تقرر وزیر اعظم کے مشورے سے شاہی حکمران کرتا ہے۔ اور پادری لوگ جب کوئی عہدہ قبول کرتے ہیں۔ تو شاہی حکمران کے نام پر قسم اٹھاتے ہیں۔ دارالامرا میں پادریوں

کا داخلہ لازمی قرار دیا گیا ہے۔ حکومت چرچ کی دولت کی محافظ کہلاتی ہے۔ لیکن چرچ حکومت کی نگرانی سے آزاد ہے۔ سوائے اُن پادریوں کے جو جیلخانوں یا فوج میں ملازمت کرتے ہیں۔ چرچ کی ذاتی جائیداد ہے۔ جس کی آمدنی لاکھوں پونڈ تک پہنچتی ہے اور جس سے پادریوں کے اخراجات پورے ہوتے ہیں۔ اُس کا حساب پارلیمنٹ کے سامنے بھی آتا ہے اور پارلیمنٹ کی مرضی کے مطابق چرچ اپنی عبادت یا کسی رسم میں مناسب تبدیلی کر سکتی ہے۔ اس طرح چرچ حکومت کا ایک اہم جزو بن چکا ہے۔ پس پردہ حکومت اور چرچ کے تعلقات بہت گہرے اور رازدارانہ ہیں۔ چرچ کی اپنی عدالتیں پادریوں کی نگرانی اور ڈسپلن کرنے کے لئے قائم ہیں جہاں مجرم پادریوں کو ڈانٹ ڈپٹ دی جاتی ہے۔ اور ترقی و تنزلی اور اسی طرح دوسرے انتظامی امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ حکومت ان کلیسائی عدالتوں کا احترام کرتی ہے۔ اور اُن میں دخل اندازی نہیں کرتی۔ گو ان کلیسائی عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اپیل سننے کے لئے پریوی کونسل کے دروازے کھلے رہتے ہیں۔ جہاں پادری اپنی شکایات پیش کر سکتے ہیں۔ کلیسا کی اپنی چرچ اسمبلی ہے۔ جس کے قواعد پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر ہی نافذ کئے جاتے ہیں۔ پارلیمنٹ ان میں مداخلت نہیں کرتی۔ اور رواداری سے کام لیتی ہوئی غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کرتی ہے چرچ اسمبلی آزادی سے فیصلے کرتی ہے۔ مگر بہت سے اقدامات پارلیمنٹ کی مذہبی امور کمیٹی میں پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ کمیٹی قانونی نوعیت کی بحث کرتی ہے تاکہ مذہبی فیصلے آئینی حیثیت سے قابل قبول ہو سکیں۔ اور شاہی حکمران کے دستخط اور منظوری کے لئے پیش کئے جا سکیں۔ اس طرح چرچ اور حکومت کے تعلقات آپس میں اُستوار اور خوش گوار رکھے جاتے ہیں۔ چرچ کونسل ایک قومی ادارہ بن چکا ہے۔ اور حکومت کی طرف سے عوام کی سماجی خدمت کے علاوہ جاسوسی اور مخبری کا کام بھی سرانجام دیتا ہے۔ پادری لوگ غیر ممالک میں سازشوں اور بغاوتوں کا جال پھیلاتے ہیں۔ اور عیسائیت کی تبلیغ کے بہانے انگریزی سامراج کو اُن ممالک میں چور دروازے سے داخل کرتے ہیں۔ گویا انگریز نے عیسائیت کو بھی اپنے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ کہ بمشکل عیسائیت پہچانی جا سکتی ہے۔ گو ملک کا سرکاری مذہب عیسائیت ہی ہے۔ مگر بہت عرصہ تک برطانیہ میں غیر عیسائی تعلیمات پر پابندیاں قائم رہیں۔ اور پرانی عبادت پر عمل درآمد کرنے والوں پر جرمانے کئے جاتے تھے۔ تاکہ اُن کی حوصلہ افزائی نہ کی جا سکے۔ پوپ گریگوری نے ۵۹۷ء میں آگسٹائن کو برطانیہ بھیجا کہ وہ وہاں جا کر عیسائیت کی تبلیغ کرے۔ مگر اُس سے بہت پہلے

برطانیہ میں یورپی خانہ بدوشوں کی وجہ سے عیسائیت کے اثرات پہنچ چکے تھے۔ اتھل برٹ کے عیسائی مذہب قبول کرنے سے عیسائیت کا دروازہ کھل گیا۔ اور روم سے تعلقات قائم ہو گئے عیسائیت کے متلاشی روم کی زیارت کے لئے جوق درجوق سفر کرنے لگے۔ واپسی پر اپنے ہمراہ وہ روم سے علمی تحائف مثلاً پرانی کتابیں۔ تصاویر۔ دستکاری بمعہ دیگر ضروریات بھی ساتھ لے آتے تھے۔ نئے گرجاؤں کی تعمیر کے لئے روم سے معمار آنے شروع ہوئے۔ پادریوں کا اثر و رسوخ بڑھنے لگا۔ اور وہ شاہانہ ٹھاٹ باٹ سے زندگی گذارنے لگے۔ اور عیسائیت کی مدد سے سیاسی اقتدار حاصل کر لیا۔ حتیٰ کہ بادشاہوں کی رسم تاجپوشی بھی ایک مذہبی فریضہ بن گئی۔ جس سے عیسائیت کو برطانیہ کے بادشاہوں پر اقتدار حاصل ہو گیا۔ اور انگریز بادشاہوں نے عیسائیت کی سرپرستی اختیار کر لی۔ اور وہ دین عیسائیت کے محافظ بن گئے۔ کنٹربری کا بڑا پادری تمام برطانیہ کا مذہبی لیڈر قرار پایا۔ اور برطانوی شاہی حکمراؤں کے لئے زبردست خفیہ ہتھیار کا کام دینے لگا۔ جس کی مدد سے عوام پر اقتدار قائم کرنے میں آسانی پیدا ہوئی۔ نیز کسی خونیں بغاوت یا گڑبڑ کا اندیشہ ختم ہو گیا۔ کلیساؤں کی ذاتی املاک میں اضافہ ہوا۔ ملک کے گرجے شخصی اقتدار کے طاقتور ادارے بن گئے۔ حتیٰ کہ پادریوں نے اپنی آمدنی بڑھانے کے لئے عوام پر سختی شروع کر دی۔ اور عدم ادائیگی کی صورت میں اُن پر جرمانے بھی عائد کئے گئے۔ ملک کے اعلیٰ عہدوں پر پادریوں کا قبضہ ہو گیا اور عیسائیت کی اصلی صورت مسخ ہونے لگی۔ اور وہ محض ایک تفریحی کھیل یا قومی رسم بن گئی جس کا ڈھانچہ تو یونان سے طیار ہوا۔ لیکن گوشت پوست اور ہڈیوں کو یہودی اثرات سے بھر دیا گیا۔ مقامی روایات یا قدیمی رسومات کو ملا کر اُسے عیسائیت کا نام دیا گیا۔ لاطینی کے گندے اور غلیظ اخلاقی معیار کو بھی عیسائیت میں مدغم کیا گیا۔ یہودی عناصر نے ان تمام خرافات کو مذہبی درجہ دیا۔ اور بادشاہوں کے سیاسی دبدبہ نے عیسائیت کو قومی حیثیت سے ملک کے سامنے کھڑا کیا۔ چنانچہ عیسائیت ایک مذہب کے بجائے شیطان کا خفیہ ہتھیار بن گئی۔ اور ایک نہایت ہی خطرناک سیاسی حربہ کے طور پر عوام کے خلاف استعمال میں لائی گئی۔ اسے سامراج کی لونڈی بنا کر غیر ممالک کے لئے بھیجا گیا۔ تاکہ برطانیہ کا اقتدار آسانی سے قائم کیا جا سکے۔ برطانوی امپیریلزم نے اپنے مطلب کے لئے اسے زندہ رکھا اور اپنے استعمال میں لایا۔

اتفاق یہ ہوا کہ عیسائیت بحیثیت مذہب بہت ناکام رہی۔ اس لئے برطانیہ مذہبی تعصب آزاد ہی رہا اور وہاں دیگر مذاہب کو بھی بڑھنے اور پھیلنے کا موقع مل گیا۔ نارمن لوگوں کے ساتھ یہودی سودی کاروبار کے سلسلے میں برطانیہ پہنچے۔ مگر تیرھویں صدی میں اُن کے خلاف جذبات اس قدر بھڑک اُٹھے۔ کہ اُن کو زبردستی ملک سے نکال دیا گیا۔ ۱۶۵۷ء میں یہ لوگ جرمنی اور مشرقی یورپ سے یورپی آبادکاروں کے بھیس میں برطانیہ آنے شروع ہوئے اور بہت جلد سارے شہروں میں پھیل گئے۔ آج اُن کی کثیر تعداد برطانیہ میں آباد ہے اور اپنی پرانی روایات اور رسومات کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اُن کی عبادت گاہیں تقریباً چار سو تک ہیں۔ جہاں یہودی بچوں کو عبرانی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ لوگ تنگ دل۔ کنجوس لالچی مگر منظم اور محنتی ہوتے ہیں۔ یہودیوں کے علاوہ برطانیہ میں مسلمانوں کی بھی کافی تعداد غیر منظم اور پراگندہ صورت میں موجود ہے۔ جو بھیڑوں کی طرح مختلف شہروں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اُن میں سے زیادہ تعداد جاہل۔ گنوار اور مذہبی تعلیم سے بیگانہ ہے۔ تعلیم یافتہ اشخاص نے ووکنگ۔ لندن برمنگھم اور کارڈف میں مساجد کا انتظام کر رکھا ہے۔ جہاں عیدین کی نمازیں پڑھانے کا مناسب بندوبست ہے۔ مگر مجموعی طور پر برطانیہ کے مسلمان لوگ مجلسی طور پر بہت ہی غیر منظم گروہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور اُن میں کسی قسم کی مذہبی یا مجلسی زندگی نہیں پائی جاتی۔ اور اُن کے لئے کوئی بھی سماجی بہبودی کا ادارہ قائم نہیں۔ یہ ان پڑھ اشخاص گویا انسانی بھیڑوں کا گلہ ہے جو روزگار کی تلاش میں دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر اور پاکستان کے قیام کے بعد برطانیہ پہنچے۔ کارخانوں میں جھاڑو دینے کی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ اور اسلامی تبلیغ سے اُن کو بالکل رغبت نہیں اور نہ ہی اُن کے لئے اسلامی مساجد کی طرف سے کسی قسم کی اسلامی تعلیم کا منظم انتظام موجود ہے۔ یہ مسلمانوں کا گروہ مذہبی ڈسپلن سے آزاد ہو چکا ہے۔ اور نہ ہی وہ قومی جذبات رکھتا ہے ان کی مجلسی زندگی کو منظم کرنے کے لئے ابھی تک کسی قسم کی کوشش نہیں کی گئی۔ البتہ بدھ مت کے پیروؤں نے انگریزوں میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ ۱۹۵۴ء سے اُن کا ایک مرکز قائم ہو چکا ہے۔ یہ گروہ نئے مذہبی جوش و خروش کے ساتھ بدھ مت کو برطانیہ میں پھیلانا چاہتے ہیں۔ لاتعداد انگریز بدھ مت کا شکار ہو چکے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ چل کر برطانیہ کا مذہب بدھ مت ہی ہو گا۔

اخبارات کے صفحات میں قسمت کے حالات آجکل درج کیے جاتے ہیں۔ ہر ایک شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے۔ کہ اپنی قسمت کے ستارہ کو دیکھے۔ اور ستاروں سے اپنی قسمت کی رہنمائی حاصل کرے۔ بدھ اور ہندومت کی مذہبی خرافات کی طرف بھی زیادہ دھیان بڑھ رہا ہے گویا زندگی سے فرار کے راستے اختیار کیے جاتے ہیں۔ تاکہ اسی بہانہ بے چین روح کو تسکین دی جا سکے۔ عیسائیت سے بیگانگی اور بیزاری نے ایک روحانی خلا پیدا کر دیا ہے۔ گویا ملک کا قومی اخلاق بہت گھناؤنا نظر آتا ہے۔ حتیٰ کہ عیسائیت کی کھوکھلی تعلیم اور امیرانہ اشتہار بازی بھی اس اخلاقی حالت کو بربادی سے نہیں بچا سکتی۔ سینٹ مارک کے بجائے لوگ سینٹ مارکس کو زیادہ اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اور اس کی قدر کرتے ہیں۔ بلکہ اُن کو یقین ہو چکا ہے۔ کہ سینٹ مارکس ہی سوسائٹی کی نئے سرے سے تعمیر کر سکتا ہے۔ جو قوم صدیوں تک کالی مخلوق کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر بلکہ اُس کو تباہ و برباد کر کے اپنا پیٹ پالتی رہی ہو۔ جس نے کالی مخلوق کے کندھوں پر بیٹھ کر سواری کی۔ کالی مخلوق کماتی رہی۔ اور انگریز مزے سے کھاتے رہے۔ اب کالی مخلوق کی انسانی خود داری کا باغیانہ ردِّ عمل شروع ہوتے ہی اُن کی انسانیت بیدار ہو رہی ہے۔ جب سے انگریز کے اقتدار کا جنازہ برطانوی مقبوضات سے نکل چکا ہے مگر برطانیہ والے اپنا وقت کاٹنے کے لئے جوا۔ گھوڑ دوڑ۔ کتا دوڑ۔ فٹ بال۔ ٹیلی ویژن بحرالکاہل شراب نوشی اور جنس بازاری وغیرہ ذرائع سے کام لیتے ہیں۔ تاکہ کسی داؤ الٰہ دین کا چراغ مل جائے۔ نواب رام پور کی ریاست تو ہاتھ سے نکل گئی۔ بلکہ نواب رام پور کو لوٹ کر اُسے آزاد چھوڑ دیا۔ اب برطانیہ جنس بازاری کی تجارت سے اپنی دکان کو نواب رام پور کی ریاست میں تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ جواریوں کی تعداد کا شمار نہیں۔ گلی محلہ چکلہ اور جواری کی دکانیں کھلی ہیں بس یہی شوق ہے۔ کہ کسی طور داؤ لگ جائے۔ . . . . اور ہزاروں پونڈ انعام میں ملے۔ انعام یافتہ کی تصویر اخبارات میں چھپے۔ اور اس ہوائی روزی سے دس کے وارے نیارے ہو جائیں۔

جوا کھیلنے کے علاوہ شراب نوشی بھی قومی عادت بن گئی ہے۔ اعداد و شمار کو نظر انداز کر کے اس قدر ذکر کرنا کافی ہے۔ کہ برطانیہ میں شراب پانی کی جگہ استعمال ہوتی ہے۔ اور ملک کی سب سے بڑی فائدہ مند تجارت کہلاتی ہے۔ شراب کی عادت نے ہسپتال اور جیلخانوں کو بھی آباد کر دیا ہے جرائم میں بھی دن رات اضافہ ہو رہا ہے۔ اور شراب کی عادت نوجوان نسل

میں بھی پھیل چکی ہے۔ اور عورتیں بھی بکثرت شراب پیتی ہیں۔ پوری قوم بدمست اور بدلگام ہو چکی ہے۔

تہذیبی سرمایہ

ملک بھر میں تقریباً ۹۰۰ (نوسو) تو عجائب گھر اور آرٹ گیلریاں ہیں۔ جو مفت ہر کس و عام کے لئے کھلی رہتی ہیں۔ لندن کے عجائب اور آرٹ گیلریاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ برٹش میوزیم اپنے قدیم اور جدید اشیا کی نمائش کے لئے تمام دنیا میں مشہور ہے۔ وہاں تمام دنیا سے ہر قسم کے تعمیری۔ معاشرتی اور تعلیمی معاملات پر اشیا اکٹھی کی گئی ہیں۔ وکٹوریہ اینڈ البرٹ میوزیم اور نیشنل آرٹ گیلری ہر دونوں آرٹ کے خزانے ہیں۔ اور عمدہ ترین آرٹ کے شاہکار وہاں اکٹھے کئے گئے ہیں۔ ملک بھر میں عجائب گھروں اور لائبریریوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ جہاں نادر اشیا کی نمائش کے علاوہ کتابوں، مسودوں۔ اخبارات اور رسائل کی بہتات ہے۔ اور یہ تمام تہذیبی سرمایہ مفت اور بغیر خرچ کے چندہ ادا کئے بغیر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ وقتاً فوقتاً بڑی بڑی تجارتی اور صنعتی نمائشیں بھی ہوتی ہیں۔ قدیم خاندانوں کو بھی قدیم آرٹ کا شاہکار سمجھ کر عوام کے لئے محفوظ کیا گیا ہے۔ علم و آرٹ کو زندہ رکھنے کے لئے مالی اور عملی امداد دی جاتی ہے آرٹ کونسل سرکاری امداد کو مناسب اور جائز طور پر مختلف تھیٹریکل کمپنیوں کو تقسیم کرتی ہے اور اُن کی حوصلہ افزائی بھی کرتی ہے۔ جو بھی تھیٹریکل کمپنی مالی مشکلات میں مبتلا ہو۔ اُسے اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لئے مالی امداد دی جاتی ہے۔ نیز برطانوی تھیٹریکل کمپنیوں کو غیر ممالک میں بھیجنے اور اُن کے دوروں کا بندوبست اور انتظام کرنے اور برطانوی ڈرامہ کی حوصلہ افزائی کے لئے برٹش کونسل کا ایک اہم اور مفید ادارہ کام کرتا ہے۔ لندن میں قومی تھیٹر کی تعمیر کا کام ابھی ابتدائی مراحل میں ہے۔ خود لندن میں تقریباً ۵۰ تھیٹر ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف شہروں میں تھیٹریکل کمپنیاں قائم ہیں۔ فلموں کی نمائش کے لئے ملک بھر میں سینماؤں کا جال بچھا ہوا ہے۔ گو ٹیلی ویژن نے فلموں کا مقابلہ شروع کر دیا ہے۔ تاہم تازہ فلمیں طیار ہو کر سینماؤں میں ہر وقت دکھائی جاتی ہیں۔ جو تماشبیوں سے خراج تحسین وصول کرتی ہیں۔ بلکہ ٹیلی ویژن

کی آمد سے فلموں کا بھی معیار بلند ہونے لگا ہے۔ تاکہ اسی بہانے زیادہ لوگ فلموں کو دیکھ سکیں۔ تاہم ٹیلی ویژن کی وجہ سے ۱۹۵۶ء میں کوئی ۱۸۵ کے قریب سینما گھر بند ہو گئے بلکہ ابھی تک زیادہ سینما بند ہو چکے ہیں۔ پھر بھی چار ہزار چار سو پچاس سینما گھر استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ برطانیہ کو ٹیلی ویژن کے علاوہ امریکہ اور دوسرے صنعتی ممالک کی فلموں سے بھی مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ ۱۸۹۶ء میں فلموں کا رواج شروع ہوا۔ اس تمام عرصہ میں امریکہ ہی فلمی میدان میں چھایا رہا۔ ۱۹۳۳ء میں برٹش فلم انسٹی ٹیوٹ سرکاری امداد سے قائم ہوا یہ ادارہ برابر برطانوی فلمی صنعت کو ترقی دینے کے لئے کام کر رہا ہے۔ اچھی اور پائیدار فلمیں بنانے کے لئے ہر قسم کی حوصلہ افزائی اور مالی امداد سے مدد دیتا رہا۔ ۱۹۴۸ء میں برطانوی فلموں کے تحفظ کے لئے قوانین نافذ ہوئے۔ تاکہ امریکی فلموں کی نمائش کے ہمراہ برطانوی فلمیں بھی دکھائی جا سکیں۔ دوسری جنگ عظیم نے برطانوی فلمی صنعت کو زیادہ ترقی دی۔ ایک فلمی عجائب گھر قائم ہے۔ جس میں تقریباً ۷۰۰ فلمیں جمع کی گئی ہیں۔ نیز ایک فلمی لائبریری کا بھی انتظام موجود ہے۔ نیشنل فلم تھیٹر تمام تاریخی اور ٹیکنیکل مضامین کی مشہور فلمیں پیش کرتا ہے۔ اس کی نئی عمارت دنیا بھر میں فلمی تھیٹر کی اپنی نظیر آپ ہے۔ نیشنل فلم فنانس کارپوریشن کا ۱۹۴۹ء میں قیام ہوا۔ یہ ادارہ فلمی صنعت کو ضروری مالی امداد پہنچاتا ہے۔ اور مناسب سرمایہ کا بندوبست بھی کرتا ہے۔ تاکہ فلمی کارکنوں کو اپنے کام میں مالی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ کارپوریشن کی امداد سے فلموں کے بنانے پر جو روپیہ خرچ آتا ہے وہ آزادی سے بآسانی مل جاتا ہے۔ نیز نئے تجربات سے بھی فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے جدید تبدیلیوں سے بھی فائدہ اُٹھا کر اور اُن کو ترقی دے کر استعمال میں لایا جاتا ہے معیاری فلموں کو ترقی دینے کے لئے سینماؤں پر بھی بوجھ ڈالا جاتا ہے۔ یہ تفریحی ٹیکس سے علیحدہ ہوتا ہے۔ اسے فلمی امدادی فنڈ کہتے ہیں۔ فلمی صنعت کو اس فنڈ سے خاطر خواہ امداد حاصل ہوتی ہے۔ اس فنڈ کا آغاز ۱۹۵۷ء میں ہوا۔ اور یہ سینماؤں کے باہمی اشتراک کا نتیجہ ہے۔ اب اسے سرکاری طور پر ۱۹۵۷ء کے بعد اکٹھا کرنے کے قوانین کئے گئے۔ اور اسے برٹش فلم فنڈ ایجنسی کا سرکاری نام دیا گیا۔ برٹش فلم سنسر بورڈ بھی فلموں کی عام نمائش کے لئے اعلیٰ معیار قائم رکھتی ہے۔ تاکہ اچھے مذاق سے گری ہوئی فلموں کی نمائش نہ کی جا سکے اس بارے میں بچوں کے مذاق کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے۔ تاکہ اُن کے نازک دماغوں اور

اخلاق پر بُری فلمیں اثر انداز نہ ہو سکیں۔ مختلف فلموں کو اس طرح تقسیم کیا جاتا ہے۔ کہ یو (U) لیبل کی فلمیں ہر کس و ناکس کو دکھائی جا سکتی ہیں۔ مگر اے (A) لیبل کی فلمیں صرف بالغوں کے لئے مخصوص ہیں۔ بچوں کے لئے اُن کی خاص ضرورت نہیں۔ لیکن وہ اے فلموں کو دیکھنا چاہیں۔ تو ۱۶ سال سے کم عمر کا بچہ اپنے کسی بالغ ساتھی یا والدین کے ہمراہ دیکھ سکتا ہے۔ اکیلا ٹکٹ خرید کر سینما میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جن فلموں پر ایکس (X) لیبل چسپاں ہو۔ وہ ہر طور ۱۶ سال سے کم عمر بچوں کے لئے بالکل ممنوع ہوتی ہیں عام طور پر بچوں کے لئے علیحدہ فلمیں ہی اُن کے مذاق اور مزاج کے مطابق طیار کی جاتی ہیں۔ اور اُن میں بچوں کی دلچسپی کا خاص طور خیال رکھا جاتا ہے۔ یہ عموماً ہفتہ کے روز صبح کے وقت دکھائی جاتی ہیں۔

فلم انڈسٹری اور ٹیلی ویژن نے اس قدر ترقی کی ہے۔ کہ برطانیہ کے ایک مرد اور عورت کی یہ زبردست خواہش رہتی ہے۔ کہ وہ ایک طنبورہ یا بانسری لے کر سیدھا کسی اسٹوڈیو میں چلا جائے۔ تاکہ آزادی سے اپنی مرضی کی دھنیں گا کر اپنا شوق پورا کر سکے۔ یا کسی مسخرے پن کے کھیل میں ہیرو یا ہیروئن کا چھوٹا سا پارٹ ادا کر کے سکرین پر مقبولیت عام حاصل کرے۔ لڑکے عام طور پر مشہور ایکٹروں کی نقالی کرتے ہیں اور لڑکیاں ایکٹرسوں کے نقش قدم پر چلنا پسند کرتی ہیں۔ اور ان کی زبردست خواہش رہتی ہے۔ کہ کسی طور سینماؤں میں ملازمت مل جائے اور وہاں کسی فلم پروڈیوسر کی نظر پڑتے ہی وہ اسکرین کے لئے منتخب ہو جائیں۔

--- . . . . ٹیلی ویژن اور سینما نے سیاسی لیڈروں کی لیڈری کا معیار ہی بدل دیا ہے۔ ایک زمانہ تھا۔ کہ سیاسی لیڈری کا معیار پارٹی پروگرام کے ذریعہ لگایا جاتا تھا۔ اب یہ حالت ہے۔ کہ سیاسی لیڈر کو ٹیلی ویژن پر آنے سے پہلے ٹیلی ویژن کے اسٹوڈیو میں اچھی طرح مشق کرنی پڑتی ہے۔ بلکہ سیاسی پارٹیوں نے اپنے علیحدہ اسٹوڈیو بنا رکھے ہیں۔ جہاں وہ عوام میں مقبول ہونے کے گر سیکھتے ہیں۔ کہ کس طرح ٹیلی ویژن پر حرکات سکنات اور ایکٹنگ کے ذریعہ وہ پبلک سے خراج تحسین وصول کر سکتے ہیں۔ اور عام مقبولیت حاصل کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ اُن کو سکھایا جاتا ہے۔ کہ ٹیلی ویژن پر گھبرانا نہیں چاہئے اگر سوال کا جواب نہیں دے سکتے۔ تو فریب سے کام لینے کی ضرورت نہیں۔ اپنی لاعلمی کا صاف اور کھلے الفاظ میں اظہار کرنا چاہئے۔ دیانتداری سے ہر سوال کا جواب دینا ضروری

ہے۔ معذوری اور فرعونیت دکھانے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی اکڑ خانی سے کام چلتا ہے۔ اگر کسی موضوع پر کچھ علم نہیں رکھتے۔ تو آئیں بائیں شائیں کرنے کی ضرورت نہیں لاعلمی کی حالت میں ٹالنے کی بھی ضرورت نہیں۔ شیخی بگھارنے سے بھی کام نہیں چلتا۔ اور نہ ہی اپنی دانائی اور عقلمندی کا ڈھنڈورا پیٹنے سے انتخابی مہم جیتی جاسکتی ہے۔ صاف صاف معذرت کرنی ہی سب سے بہتر اور مؤثر طریقہ ہے۔ غصہ اور حقارت کے جذبات کو دبائے رکھنا پُر اثر ہوتا ہے۔ بدمزاجی۔ بداخلاقی اور بدسلوکی کی کوئی حرکت ظاہر نہ ہونے پائے۔ سر کے بالوں کو اچھی طرح سے صاف ستھرا رکھنا چاہیئے۔ گویا ٹیلی ویژن اور سینما اسکرین نے ایک نئی سیاست پیدا کر دی ہے۔ جس کا اصلی نام دراصل منافقت ہے۔ اور یہ جمہوریت کے لیئے سب سے بڑا خطرہ بن گئی ہے۔ کیونکہ وہی امیدوار انتخابی مہم جیت سکتا ہے۔ جو اسکرین پر عوام کے نزدیک قابل قبول ہو۔ چاہے وہ کیسے ہی پراگندہ خیالات کیوں نہ رکھتا ہو۔ اور کسی بھی سیاسی پارٹی سے اُس کا تعلق ہو سکتا ہے۔ یعنی ٹیلی ویژن کی بدولت سیاسی پروگرام کو کوئی بھی نہیں پوچھتا ایک دوسرے گروہ کا یہ خیال ہے۔ کہ ٹیلی ویژن اور سینما اسکرین نے جمہوریت کی بنیادیں مضبوط کر دی ہیں۔ اب تو عوام اپنے نمائندوں سے براہ راست تعلق قائم کر سکتے ہیں۔ چاہے اس میں منافقت ہی کیوں نہ ہو۔ تاہم عوامی جذبات کی رہنمائی اس طریقے سے ہو سکتی ہے حادثۂ سویز پر ایڈن اور گیٹسکل دونوں ٹیلی ویژن پر عوام کے سامنے آئے اور اُن کی تقریروں کو اُن کی زبانی سنا گیا۔ عوام نے اپنا فیصلہ دیا۔ اور آزادی سے رائے قائم کی۔ ۱۹۵۵ء کے الیکشن میں ٹیلی ویژن کی بدولت سیاسی جماعتوں کے اخراجات میں بھی کمی ہو گئی۔ اور ٹیلی ویژن نے انتخابی مہم کو ارزاں اور آسان بنا دیا۔ خرچ بہت کم رہ گیا۔ اور پارٹی پراگنڈا کے لیئے زیادہ سہولتیں حاصل ہونے لگیں۔ مخالف نظریات بھی عوام تک مساوی طور پر پہلو بہ پہلو پہنچنے لگے۔ ایک مسئلہ پر مختلف زاویوں سے غور کرنے کا موقع مل گیا۔ اور مختلف مسائل کو مختلف پہلوؤں سے پرکھنے اور تولنے میں آسانی پیدا ہو گئی۔ گذشتہ عقائد اور تعصبات میں بھی نمایاں ردوبدل اور کانٹ چھانٹ ہو کر نئی تبدیلیاں ظاہر ہوئیں۔ اچھے اور بُرے کی تمیز ممکن ہو گئی۔ سیاسی لیڈروں نے اس رعائت کا فائدہ اٹھایا۔ اور اپنے نظریات سے عوام کو آگاہ کیا۔ اور اپنی آواز کو آزادی کے ساتھ زیادہ سے زیادہ انسانوں تک پہنچایا اس طرح ایک عالمگیر ذہنی انقلاب پیدا ہوا۔ جس کے اثرات آئندہ پچاس سالوں میں جاکر

ظاہر ہوں گے۔ بلکہ یہ اثرات ابھی سے ظاہر ہونے لگے ہیں۔ جو ووٹر پہلے اپنی پسند کا ایک اخبار پڑھ کر سیاسی رائے قائم کیا کرتے تھے۔ جس پر وہ سالہا سال تک سختی اور تعصب سے کاربند رہتے بلکہ اُس رائے میں تعصب اور ہٹ دھرمی سے اس قدر کام لیا جاتا تھا۔ کہ اپنی آئندہ نسلوں کو بھی اُسی رویہ پر چلنے کی سختی سے ہدایت کی جاتی تھی۔ اور وہ رائے بطور وراثت اُس کی اولاد کو منتقل کی جاتی تھی۔ لیکن ٹیلی ویژن نے یہ سب کچھ بدل ڈالا۔ اب ایک ووٹر اپنے تمام سیاسی عقائد کو اپنی آنکھوں کے سامنے چلتا پھرتا دیکھتا اور سنتا ہے۔ بلکہ اُنہی عقائد کے خلاف نکتہ چینی اور مخالفت بھی سن لیتا ہے۔ مخالف تقریروں پر اُسے غور کرنے کا موقع ملتا ہے۔ درست اور غلط پراپگنڈا میں فرق پاتا ہے۔ اُسے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نظر آتا ہے۔ اپنے جذبات کو قابو میں رکھ کر وہ اپنے گزشتہ عقائد کو عقلیت کے معیار پر ناپتا اور تولتا ہے۔ اور اُسے آزادی رائے کا موقع ملتا ہے۔ چنانچہ وہ آزادی سے اپنا فیصلہ خود کرتا ہے۔ اُسے پہلی بار اپنے خفیہ ووٹ کی قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور یہ اختیار ملتا ہے۔ کہ وہ جسے چاہے پسند کرے یا ناپسند کرے۔ کوئی بھی دباؤ اُس پر نہیں ڈال سکتا۔ اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی چاپلوسی یا جبر و تشدد کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ بلکہ پارٹی بازی پراپگنڈا کی اصلیت اور سچائی اُس پر خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے۔ اب اُسے اپنا فیصلہ خود کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ اُس کی مرضی پر موقوف ہے۔ کہ جو چاہے فیصلہ کرے۔ وہ اپنی ضمیر کی آواز کو سنتا ہے اور عقل سے کام لیتا ہوا وہ آزادی سے خفیہ طور پر اپنا ووٹ ڈالتا ہے۔ اُسے کوئی بھی مجبور نہیں کر سکتا۔ کہ وہ کس کو ووٹ دے اور کسے ووٹ نہ دے۔ جمہوریت کی بنیاد یہاں سے شروع ہوتی ہے۔ اور اس طرح جمہوریت صحیح معنوں میں قائم کی جاتی ہے۔

جمہوریت کی بنیاد آزادیٔ تقریر و تحریر ہے۔ اور یہ سب کچھ ٹیلی ویژن کی مدد سے آسان ہو گیا ہے۔ ہر ایک نکتہ خیال کو نکتہ چینی کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ دراصل انگریز نکتہ چینی کرنے والے اشخاص کو پسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔ اور اُسے اپنا بہترین دوست سمجھتے ہیں۔ اور نکتہ چینی سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنے مخالف سے کسی قسم کے مخالفانہ انتقامی جذبات نہیں رکھتے۔ بلکہ نکتہ چینی کی وجہ سے خونی انقلابات اور سماجی نقصانات سے بھی محفوظ ہو جاتے ہیں۔ جن قوموں میں آزادیٔ رائے نہیں پائی جاتی وہ نکتہ چینی کرنے والوں کو کڑی سزائیں دیتے ہیں۔ یا نکتہ چینی کو سختی سے دبایا جاتا ہے۔ مگر یہی چیز اُن قوموں کے لئے زبردست

نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ وہی ممالک دراصل خونی انقلابات سے دوچار ہوتے ہیں۔ اور کئی گنا زیادہ نقصان اُٹھاتے ہیں۔ بدامنی اور اندرونی بے چینی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بیرونی دشمن بھی اس موقع سے خوب فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ دوست اور دشمن کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ دوست دشمن نظر آتا ہے۔ اور دشمنوں کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ جس سے آزادی اور امن عامہ خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ سازشوں کا جال سارے ملک میں پھیل جاتا ہے۔ دشمن ممالک بھی ایسے سازشی ماحول میں اپنا راستہ تلاش کر لیتے ہیں۔ اور سازشوں کو اپنے مطلب کے لئے نئی راہ پر ڈال دیتے ہیں۔ جس سے اُس ملک کی سلامتی محفوظ نہیں رہتی بلکہ وہ قوم یا ملک دوبارہ طاقت نہیں پکڑ سکتے۔ اُن سے خود اعتمادی اور قومی اتحاد مفقود ہو جاتا ہے

نکتہ چینی دراصل بہت فائدہ مند چیز ہے۔ اور یہ قومی مذاق کی پرورش کرتی ہے نت نئے مسائل سے دوچار ہو کر اُن سے نپٹنا آسان ہو جاتا ہے۔ انگریز نکتہ چینی کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ اور نکتہ چینی سے بالکل نہیں گھبراتے۔ بلکہ اُسے دوست سمجھ کر اس کی عزت افزائی کرتے ہیں۔ اور ایک نئے عزم کے ساتھ اپنی گزشتہ غلطیوں کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خندہ پیشانی سے نکتہ چینی کرنے والوں کا شکریہ ادا کر کے اپنے اخلاقی کردار اور انسانیت کا ثبوت دیا جاتا ہے۔ انگریز تو اپنے ماحول سے مطمئن رہتا ہے۔ وہ اپنی کمزوریوں اور غلطیوں پر مسکرا دیتا ہے۔ اُسے اپنی غلطیوں کا کچھ پتہ نہیں چل سکتا۔ اور نہ ہی وہ دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے کام میں مست رہتا ہے۔ چنانچہ نکتہ چینی کرنے والا اُن کے نزدیک بہترین دوست ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ اُن کو پہلی بار اپنی غلطیوں کا احساس ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنی اصلاح کر دیتے ہیں۔ نااہل سرکاری ملازمین کی نااہلیت سے ساری قوم خبردار ہو جاتی ہے۔

انگریز حقیقت میں تنگ دل۔ ضدی اور بے ایمان قسم کے لوگ ہیں۔ ایک طرف ملک میں تہذیب و تمدن کے سرچشمے پھوٹتے ہیں۔ تو دوسری طرف آبادی کا دو تہائی حصہ تہذیب سے آشنا ہی نہیں۔ ملک گو سیاسی پارٹیوں میں تقسیم ہے۔ مگر انتظامیہ وحدت رکھتا ہے۔ کوئی بھی دو انگریز آپس میں ایک دوسرے کے خیالات سے اتفاق نہیں رکھتے مگر وہ ایک ہی انگریزی تہذیب کے چٹے بٹے ہیں۔ ملک کی زبان انگریزی ہے۔ جو کسی جگہ ایک جیسی اور یکساں طور پر نہیں بولی جاتی۔ انگریز کو غیر ملکی زبان سیکھنے کی ضرورت

ہی نہیں۔ کیونکہ غیر ملکی لوگ انگریزی زبان سیکھ کر اُسے غیر زبان کی زحمت سے بچا لیتے ہیں۔ طبقۂ امرا انگریزی کو صحیح بولنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اور صحیح انگریزی بولنے والوں کو اپنے گروہ میں شامل کر لیتے ہیں۔ بلکہ اُن کو خطابات دیکر اپنا ہم پلہ سمجھتے ہیں۔ عوام کی زیادہ تعداد غلط انگریزی بولتی ہے۔ حالانکہ ملک میں تھیٹر۔ سینما اور ٹیلی ویژن صحیح انگریزی زبان میں پروگرام چلاتے ہیں۔ پھر بھی عوام کی جہالت ابھی تک قائم ہے۔ لہٰذا وہ طبقۂ امرا سے دور ہی رکھے جاتے ہیں اس طبقاتی گروہ بندی نے جمہوریت کو بھی ایک خاص گروہ کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ اور جمہوریت کو سیاسی شعبدہ بازی کا درجہ حاصل ہے۔

گو برطانیہ انگریزی زبان کا گھر ہے۔ مگر جتنی غلط انگریزی زبان خود انگریز بولتے ہیں۔ اُتنا کوئی اور قوم اپنی زبان اس قدر غلط نہیں بولتی۔ اسی لئے غیر ممالک کے بارے میں انگریزوں نے بہت سے غلط اور گندے خیالات عوام میں پھیلا رکھے ہیں۔ اور اُن ممالک کے خلاف مختلف قسم کی بدگمانیاں انگریزوں میں پائی جاتی ہیں۔ اُن کو یہ علم بھی نہیں۔ کہ انگریزی زبان غیر ممالک میں اصلی اور صحیح حالت میں استعمال ہوتی ہے۔ حیرانی کی بات یہ ہے۔ کہ انگریز اپنی غلط ملط انگریزی زبان پر فخر کرتے ہیں۔ اور درست انگریزی بولنے والوں کو بہت بُرا سمجھتے ہیں۔ غیر ملکی جو درُست انگریزی بات چیت کریں۔ تو اُن کو دشمن کا جاسوس سمجھا جاتا ہے۔ کسی انگریز کو انگریزی بولتے ہوئے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کلب۔ گگب۔ فلپ۔ ڈلپ۔ وک۔ بک۔ اڑ۔ بڑ وغیرہ بک رہا ہے۔ یہ الفاظ کسی ڈکشنری میں نہیں ملتے۔ پھر انگریز بات کو کاٹ کر اور ادھورا بیان کرتا ہے۔ اور اُس کی روزمرہ گفتگو بھی اُجڈ پن اور بدتہذیبی کے کھنڈرات کا پتہ دیتی ہے بلکہ اُس کی باتوں کا موضوع ہمیشہ گھوڑوں اور کتوں کے بارے میں ہوتا ہے۔ شلنگ کو باب کہتا ہے اور پولیس کے سپاہی کو بابی کہہ کر دل خوش کر لیتا ہے۔ دو انگریز اگر آپس میں بات چیت کر رہے ہوں تو تیسرے انگریز کو مطلقاً کچھ بھی پتہ نہیں چل سکتا۔ کہ بات چیت کس موضوع پر ہو رہی ہے۔ وہ یہی شک کرتا ہے کہ ضرور دونوں اُس کی بیوی یا بیٹی کے آشنا ہونگے۔ شاید دال میں کچھ کالا ہے۔

برطانیہ سے باہر غیر ممالک میں جب انگریز آپس میں اتفاقیہ مل پڑیں۔ تو وہ دونوں لندن کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ حالانکہ وہ لندن کے رہنے والے نہیں ہوتے اور نہ ہی اپنی زندگی میں اُنہوں نے لندن کو کبھی دیکھا ہوگا۔ لندن کی دھند اور پکاڈلی کا ذکر

ذکر کیا جائے گا۔ پڑھے لکھے انگریز شیکسپیئر کے کسی ڈرامہ پر بات چیت شروع کر دیتے ہیں گویا شیکسپیئر کسی انگریز بھوت کا نام ہے۔ جو ابھی تک زندہ ہے۔ پھر شیکسپیئر کے نام میں اتنا جادو ہے۔ کہ دو اجنبی انگریزوں کو آپس میں اسی نام پر بات چیت کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ شیکسپیئر سے انگریزوں نے انگریزی سیکھی۔ اور انگریز اپنی قوم کے ہر ایک فرد سے نیز اجنبیوں اور مسافروں سے بھی یہ توقع رکھتا ہے۔ کہ وہ انگریزی زبان کے علاوہ کسی اور غیر ملکی زبان میں بات چیت نہ کریں۔ غیر ملکی زبان کو اپنی ذاتی سہولت کے لئے غیر ممالک میں استعمال کر سکتے ہیں۔ بلکہ اُسے چھپائے رکھتے ہیں۔ خود انگریز غیر ملکیوں کے ساتھ انگریزی میں بات چیت کرتے ہیں۔ غیر ملکیوں سے انگریزی زبان بولنے سے یہ مقصد پیش نظر رہتا ہے کہ اس طریقے سے یا اس قسم کی زبان بندی سے خود انگریز یا اجنبی مجبوراً انگریزی زبان سیکھنے پر مجبور ہوں گے۔ انگریزوں کے اس تعصب نے انگریزی زبان کو عالمگیر زبان کا درجہ دیا۔ اور انگریز کو بھی پورا یقین ہے۔ کہ ساری دُنیا انگریزی بولتی ہے۔ اور اگر وہ نہیں بول سکتی۔ تو یہ اُن کا اپنا قصور ہے۔

انگریزی زبان کو غیر ملکی ضرور سیکھتے ہیں۔ تاکہ انگریزوں سے انگریزی میں بات چیت کرنے میں آسانی ہو۔ انگریز کے لئے ضروری نہیں کہ وہ غیر ملکی زبان سیکھے۔ بلکہ انگریزوں کو سرے سے غیر ملکی زبان سیکھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتا کیونکہ غیر ملکی انگریزی زبان جانتے ہیں۔ انگریزی سیاح جو غیر ممالک میں غیر ملکی زبانوں میں بات چیت کرنے کے بعد جب واپس برطانیہ پہنچتے ہیں۔ تو وہ اپنے ہم وطنوں میں کسی پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ کہ وہ غیر ملکی زبان بھی جانتے ہیں۔ تاکہ اس سے انگریزی زبان کی وقعت کم نہ ہونے پائے۔

۱۹۴۵ء کے بعد انگریزی زبان دُنیا کی سب سے مقبول ترین زبان بن گئی۔ اور فرانسیسی زبان دوسرے درجہ پر آ گئی۔ برطانیہ میں ایک ادارہ انگلش ایسوسی ایشن کا قائم ہے۔ جو انگریزی زبان کے علمی اور تعلیمی معیار کو بلند کرنے کا کام کرتا ہے۔ اس ادارے کے تقریباً (تین ہزار ۳۰۰۰) ممبر ہیں۔ اس کے علاوہ رائل سوسائٹی آف لٹریچر ہے۔ جو انگریزی لٹریچر کو ترقی دینے میں مصروف ہے۔ برٹش اکیڈیمی کا ادارہ علم و ادب کی تحقیق اور انسانی بہبودی اور زبانوں کے مطالعہ کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ بک سوسائٹی اپنے سولہ ہزار ممبروں کے لئے کتابوں کا انتخاب کرتی ہے۔ اور اُن کی تقسیم کا کام بھی چلاتی ہے۔ کوئی تیرہ ہزار نئی کتابیں

تو ہر سال چھپتی ہیں۔ خود گورنمنٹ کا اشاعتی مرکز ہے جو سٹیشنری آفس کے نام سے مشہور ہے۔ اور سرکاری کتابوں کو سستے داموں چھاپ کر فروخت کرتا ہے۔ علاوہ ازیں مفت ابتدائی تعلیم کے انتظام نے بھی کتابوں اور اخبارات کے شوق کو عام کر دیا ہے۔ شبانہ مدارس کے قیام سے علم و ادب کا چرچا بھی عام ہو گیا ہے۔ کتابوں کے پڑھنے کا شوق اس قدر بڑھ چکا ہے کہ نیشنل بک لیگ کے ممبروں کی تعداد ۲۵۰۰۰ تک پہنچ گئی ہے۔ اس ادارہ کے تحت مختلف اوقات میں کتابوں کی نمائش ہوتی ہے۔

کتابوں کے شوق کے ساتھ ساتھ اخبار بینی کا شوق بھی قومی عادت بن چکا ہے۔ یعنی اخبار بینی کے شوق کا قومی تاریخ سے گہرا تعلق ہے اخبارات ایک قومی ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔ ملک کا پریس حکومت کا پانچواں بازو کہلاتا ہے۔ اخلاقی اور سیاسی طاقت کا مالک ہے۔ مالکان پریس مالی لحاظ سے امیر ترین ہیں۔ نیز پریس کی بڑھتی ہوئی طاقت کے مالک ہیں۔ دُنیا میں کسی اور ملک میں اس قدر اخبارات خرید کر نہیں پڑھے جاتے۔ جس قدر برطانیہ کے عوام پڑھتے ہیں روزانہ اخبارات کے علاوہ اتوار کے لئے چھپنے والے ہفتہ وار اخبارات بھی بڑے ذوق و شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔ یہی حالت شام کو چھپنے والے اخبارات کی ہے۔ ایک اخبار صبح پڑھا جاتا ہے۔ ایک شام کو خریدا جاتا ہے۔ اور ایک سے زیادہ پرچے اتوار کے دن پڑھے جاتے ہیں۔ اور تعداد اشخاص زیادہ سے زیادہ اخبارات کا مطالعہ کرتے ہیں گویا اس حساب سے ملک کی ۹۰٪ آبادی اخبار بینی کا شوق رکھتی ہے۔ بچوں۔ عورتوں اور کاروباری حضرات کے لئے علیحدہ اخبارات خاص نوعیت کے چھپتے ہیں۔ نیز جو حضرات شام اور اتوار کو اخبارات پڑھتے ہیں۔ وہ بھی بے شمار ہیں۔ گویا اخبار بینی برطانوی زندگی کی اہم ضرورت بن چکی ہے۔ اور ایک طرح قومی حیثیت رکھتی ہے۔

اخبارات نے ہمیشہ ملک کی بڑھتی ہوئی سماجی۔ تجارتی۔ صنعتی اور تعلیمی ضرورتوں کو پورا کرنے اور اُن کی قیادت کرنے میں سرگرمی سے حصہ لیا ہے۔ نیز بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کی۔ اور اس طرح برطانوی پریس کی شہرت تمام دُنیا میں پھیل گئی۔ اور اُسے شاہانہ حیثیت کا مالک بنا دیا۔ حکومت کے آئین اور نظم و نسق کی چوکیداری کا کام بھی پریس ہی سرانجام دیتا ہے۔ اس طرح وہی عوامی مفاد کی ترجمانی کرتا ہے۔ بلکہ اُس پر کڑی نگرانی رکھتا ہے۔ پریس کی طاقت سے حکومت بھی کانپتی ہے۔ حکومت

کو ہر وقت پریس سے خوف رہتا ہے - پریس قلمی جہاد جاری رکھتے ہوئے آزادی کی جنگ لڑتا ہے
اخبارات میں سب سے پیش پیش ٹائمز کا نمبر آتا ہے - اس اخبار میں جو کچھ چھپتا ہے - وہی حکمران طبقہ کا موضوع سخن بن جاتا ہے - ٹائمز کی خبریں جامع اور ٹھوس ہوتی ہیں - اور اُس کے تبصرے نہایت ہی جاندار ہوتے ہیں - ٹائمز دراصل برطانیہ کی قومی آواز ہے - اور اس کے کالم ملک کا اخلاقی دفاع کرتے ہیں - اس اخبار کا ملک کے حکمران طبقہ میں شاہانہ استقبال کیا جاتا ہے - حتیٰ کہ اُس کی پیشانی پر شاہی مہر ثبت ہے - ٹائمز کے بعد پنچ کا درجہ ہے - جو رسالہ کی شکل میں شائع ہوتا ہے - یہ ظریفانہ اخبار ننگا ناچ ناچتا ہے - خود ننگا اور آزاد ہے اور دوسروں کو بھی ننگا کرنے کی کوشش کرتا ہے - اس کے کالم ظرافت کا شکار ہوتے ہیں اور قومی امور کے بارے میں ظریفانہ پہلو کی صورت میں باریک ترین ٹھوس تبصرہ کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے - بلکہ وہ قوم کے لئے مشعل راہ کا کام دیتے ہیں - جو دل میں آیا - آزادی لکھ دیا - کسی قسم کی خوشامد یا لالچ یا سیاسی دباؤ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا - یہ ننگا ان ظرافت آزادی سے طبعیت اور روح کی آواز کے ساتھ ایماندارانہ اور درست رائے پیش کرتا ہے گو یا آزادی رائے کو قومی امانت سمجھ کر قوم کے سامنے پیش کیا جاتا ہے - کسی قسم کی بزدلی نہیں دکھائی دیتی - اور نہ ہی خوف اور خطرہ محسوس کیا جاتا ہے - جو کچھ لکھا جاتا ہے جرات اور اخلاقی دلیری سے لکھا جاتا ہے - تاکہ قوم کو زندہ رکھا جائے - اس پر برطانوی قوم جتنا فخر کرے - بجا ہے - یہ ایک اخلاقی معاملہ ہے - اسی لئے برطانوی پریس اخلاقی طور پر بہت دلیر ہے -

مزدوروں کی یونینوں نے جب مزدوروں کی اُجرت میں اضافہ کے لئے جدوجہد کی تو اخبارات نے ہی اُن کا ساتھ دیا - اور عوام کا معیار زندگی بلند کرنے میں مدد پہنچائی اس سے عام اجرتیں بڑھنے لگیں - نیز اخبارات کا معیار بھی بلند ہوتا رہا - ملک بھر میں اخبارات کی مانگ بڑھ گئی - اشتہارات کی آمدنی سے اور نئے تاجروں کے تجارتی سرمایہ کی مدد سے اخبارات بجائے خود ایک مالدار اور نفع بخش قیمتی صنعت بن گئے - نئے اخبارات زیادہ تعداد میں چھپنے لگے - اور پرانے اخبارات نے بھی ترقی شروع کر دی کمزور اخبارات یا تو ختم ہو گئے - ورنہ طاقتور سرمایہ داروں کے ہاتھ فروخت ہو کر بڑے اخبارات میں مدغم ہو گئے - یہ سلسلہ اب تک جاری ہے - یعنی مٹھی بھر سرمایہ داروں کے

گروہ کا اخبارات پر قبضہ شروع ہو چکا ہے۔ اور اخبارات کی مالی حیثیت کافی مضبوط ہو گئی ہے۔ برطانیہ میں امریکہ کے مقابلہ میں دوگنی تعداد میں اخبارات خریدے اور پڑھے جاتے ہیں۔ یورپ اور دوسرے ممالک کا مقابلہ ہی بے سود ہے۔ سارے ایشیا میں جس قدر لوگ اخبارات پڑھتے ہیں۔ اُتنے تو صرف لندن میں شام کے اخبارات پڑھے جاتے ہیں۔ ریڈیو۔ ٹیلی ویژن اور سینماؤں نے پبلک کی کافی تعداد کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ تاہم اخبارات کا پلڑا ابھی تک بھاری ہے۔ اور اخبارات کا شوق کم نہیں ہونے پایا دو سو پچیس ۲۲۵ قسم کے چھوٹے اخبارات پچھلے چالیس برسوں میں اپنی موت آپ مر چکے ہیں تاہم برطانوی پریس خود ایک طاقت کا مالک ہے۔ جس سے حکمران طبقہ خوفزدہ رہتا ہے برطانوی پبلک کے حقوق کی نگہداشت جس آزادی اور اخلاقی جرأت اور خلوص سے برطانوی پریس کرتا ہے۔ اس سے برطانوی قوم کے اخلاقی ضمیر کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ پبلک مفاد کے خلاف اسے کوئی بھی خرید نہیں سکتا نہ ہی اُس کی آزاد آواز کو دبایا جا سکتا ہے کوئی بھی سیاسی جماعت یا حکمران طبقہ برطانوی پریس سے ٹکرانے کی جرأت نہیں کر سکتا بلکہ برطانوی پریس بجائے خود حکمرانی کرتا ہے۔ اور جمہوریت کا بادشاہ کہلاتا ہے اور حکومت کا پانچواں ستون ہے۔ اور تمام ستونوں سے زیادہ طاقتور اور پائیدار ہے۔

برطانوی پریس ہی شہری حقوق کے تحفظ کے علاوہ پبلک کی تفریح۔ تعلیم اور قومی زندگی کی نمائندگی کرتا ہے۔ رائے عامہ کو ہر محاذ پہ بیدار کرتا ہے۔ ملک کے سنجیدہ اور قومی اخبارات میں سے ٹائمز۔ گارڈین اور ڈیلی ٹیلیگراف مشہور ہیں۔ اُن کے پہلو بہ پہلو ڈیلی مرر۔ ڈیلی میل اور ڈیلی ایکسپریس ہیں۔ ہفتہ وار سنجیدہ اخبارات میں سے ابزرور اور سنڈے ٹائمز ہیں۔ اور تفریحی اور گھٹیا اخبارات میں سے نیوز آف دی ورلڈ اور سنڈے ایکسپریس قابل ذکر ہیں۔ حکمران جماعت کا محبوب ترین روزانہ اخبار صرف ٹائمز ہے۔ جس کے لیڈنگ آرٹیکل حکومت کی پالیسی کو پبلک مفادات کے پیش نظر تبدیل کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ اور حکومت کے اختیارات اور فرائض سے بالاتر ہو کر اپنا نقطۂ نظر قومی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ بلکہ عام علمی اور ادبی مذاق کو بھی اخلاقی حیثیت سے بلند کرتے ہیں۔ حکمران جماعت میں ٹائمز کی رائے کا بہت احترام کیا جاتا ہے۔ اور اُس کے آگے جھکنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ ٹائمز کی دیانت پر شک نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ اُس کا مقصد ہی پبلک جذبات

کی ترجمانی اور قومی کردار کی بلندی ہوتا ہے ۔ گورنمنٹ کو قانون اور انتظامی پابندیوں پر مستعدی سے عملدر آمد ہونے پر مجبور کیا جاتا ہے ۔ اور پریس کی اخلاقی پابندیوں کا تابع فرمان کیا جاتا ہے ۔ بلکہ پبلک کے مفاد کے خلاف حکومت کو جرأت نہیں ہوسکتی ۔ اس طرح حکومت پر نکتہ چینی اور سرزنش جائز تسلیم کی جاتی ہے ۔ اور حکومت بھی اس مخالف آواز کو نہیں دبا سکتی ۔ بلکہ نکتہ چینی سے فائدہ اٹھاتی ہے ۔ برطانوی اخبارات زیادہ سے زیادہ حالات کو ملک کے سامنے پیش کرتے ہیں ۔ اور قومی تاریخ کے ہر ایک پہلو کو دیانتداری اور سچائی کے ساتھ بیان کرتے ہیں ۔ بلکہ مظالم کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں ۔ اور ظلم کے خلاف قلمی جہاد میں پیش پیش نظر آتے ہیں ۔ روزمرہ کے معاملات پر رائے عامہ کو تعلیم دی جاتی ہے ۔ اور ساری قوم برطانوی پریس پر بجا طور پہ فخر کرسکتی ہے ۔ دلچسپ تبصروں کے ساتھ مجلسی حالات کی بھی اچھی طرح عکاسی کی جاتی ہے ۔

برطانوی حکومت تو ہر پانچ سال بدلتی ہے ۔ مگر برطانوی پریس ہمیشہ اپنی حکومت چلائے رکھتا ہے ۔ کہیں الیکشن کا ذکر ہے ۔ کہیں کھیل تماشے ۔ قتل ۔ چوری ۔ ڈاکہ زنی آگ ۔ طوفان ۔ ایکٹروں اور ایکٹرسوں سے انٹرویو ۔ رہزنی ۔ سیلاب ۔ زراعت ۔ ہڑتال کوئلہ ۔ پٹرول ۔ آندھی ۔ بارش وغیرہ تمام موضوعات لئے جاتے ہیں ۔ اور ہر سمت کاغذی گھوڑے دوڑائے جاتے ہیں ۔ ساری دنیا سے قومی اور بین الاقوامی خبریں اکٹھی کی جاتی ہیں ۔ اور رائے عامہ کو خبردار کیا جاتا ہے ۔ اخبارات سستے داموں پبلک کی تفریح اور تعلیم کے فرائض سرانجام دیتے ہیں ۔ آمدنی کا زیادہ حصہ اشتہارات سے وصول کیا جاتا ہے ۔ گویا برطانوی پریس تعلیم بالغان کا ایک ارزاں اور وسیع ادارہ ہے ۔ کتابوں اور فلموں پر تبصرے ۔ مختلف مسائل پر سنجیدہ اور پائیدار ٹھوس مضامین سب کچھ برطانوی اخبارات میں چھپتے ہیں ۔ جاہل اور ظالم حکمران ہمیشہ پریس کی نکتہ چینی سے خائف رہتے ہیں ۔ مگر برطانیہ کا حکمران طبقہ پریس کی نکتہ چینی کا احترام کرتا ہے ۔ برطانوی عوام خوش قسمت ہیں ۔ کہ انہیں خودمختار اور آزاد مخلص برطانوی پریس کی دیانتدارانہ خدمات سستے داموں حاصل ہیں ۔ اور ان کی آزادی کی حفاظت کے لئے برطانوی پریس کمربستہ رہتا ہے ۔ ان پر کسی قسم کا ظلم و ستم برداشت نہیں کیا جاتا ۔ اور نہ ہی کوئی فرد حکومت سے دب کر رہتا ہے ۔ دنیا میں بہت سے ممالک ایسے ہیں ۔ جہاں نالائق اور بیوقوف حکمران

پریس کو ڈراتے اور دھمکاتے رہتے ہیں۔ تاکہ اُن کو من مانی کارروائیاں کرنے کا موقع مل سکے۔ اور ان کی نااہلیت کا راز ظاہر نہ ہونے پائے۔ چنانچہ مختلف حکومتوں کے جابرانہ اور ظالمانہ قوانین کے تحت اُن ممالک کے پریس غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ اور ہر قسم کی سختیاں جھیل رہے ہیں۔ طرح طرح کے مظالم برداشت کیے جاتے ہیں۔ اور کوئی آواز تک بلند نہیں کر سکتا۔ حق کی آواز کو دبایا جاتا ہے۔ اور حق بات لکھنے والوں کو یا قید کیا جاتا ہے یا گولی مار دی جاتی ہے۔ اور اُن کے ساتھ قاتلوں اور مجرموں سے بھی زیادہ شرمناک سلوک کیا جاتا ہے۔ بعض اوقات لالچ اور رشوت دے کر پریس کو خریدا جاتا ہے اور اس طرح آزادیٔ رائے کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ بلکہ اُن ممالک میں ہر قسم کے سرکاری اور غیر سرکاری دباؤ مثلاً اشتہارات کی نامنصفانہ تقسیم اور خصوصی امتیازات کا روکنا سرکاری خبروں میں بخل سے کام لینا اور اُن کی اشاعت میں مشکلات پیدا کرنا کاغذ کا کنٹرول قائم کر کے تفریق پیدا کرنا۔ صحافیوں کے خلاف جھوٹے مقدمات دائر کرنے اور اُن کو رشوتوں یا انعامات کے ذریعے خریدنا یا ہلاک کر دینا۔ اخبارات کی ضبطی ضمانت یا مطلق بند کر دینا۔ صحافیوں پر جرمانے عائد کرنا وغیرہ۔ ان تمام غیر ملکی ہتھکنڈوں سے برطانوی پریس کامل طور پر آزاد ہے۔ اور نہایت ہی صحت مندانہ ماحول میں خود مختاری اور ایمانداری سے اپنا کام چلا رہا ہے۔

برطانوی پریس قابل اور مخلص ہاتھوں میں ہے۔ جو اپنے فن میں یکتائے روزگار ہیں۔ اور کسی قسم کے دباؤ۔ لالچ یا رشوت سے خریدے نہیں جا سکتے۔ اور نہ ہی خاموش کیے جاتے ہیں۔ بلکہ بعض اخبارات حکومت کے باغی کہلاتے ہیں۔ اور وہ اس پر فخر کرتے ہیں۔ برطانوی حکمران طبقہ بھی پریس کی نکتہ چینی سے تعلیم حاصل کرتا ہے۔ تاکہ اسی بہانے قوم کو آگے بڑھانے کا موقع مل سکے اور ہر قسم کے نقطۂ نظر سے واقفیت حاصل کی جائے۔ برطانوی پریس ایک طاقتور ادارہ ہے۔ اُس کی مالی حالت مضبوط ہے۔ اور وہ بہترین انشا پردازوں کی خدمات کو بھاری قیمت ادا کر کے حاصل کرتا ہے۔ اُسے زیادہ آمدنی حاصل ہوتی ہے جس سے وہ اپنی آزادی برقرار رکھ سکتا ہے۔ اُس پر حکومت کی طرف سے کسی قسم کی پابندی یا سنسرشپ عائد نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی کسی قسم کا ناجائز دباؤ ہی اُس پر ڈالا جاتا ہے۔

ایک زمانہ ایسا بھی رہا ہے۔ کہ برطانوی پریس پر ماضی میں ہر قسم کا دباؤ ڈالنے کی کوششیں کی گئیں۔ مگر جب وہ مضبوط اور مالدار بن گیا۔ تو یہ دباؤ بہت کم ہوگیا۔ رفتہ رفتہ بالکل ختم ہوگیا۔ اور اس کے بعد کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ کہ اس مضبوط صنعت کو نقصان پہنچا سکے۔ بلکہ برطانوی پریس بذاتِ خود قومی ادارہ بن گیا۔ اور اُسے نقصان پہنچانا یا سختی سے دباؤ ڈالنا ساری قومی غیرت کو چیلنج کرنا تھا۔ جسے برطانوی عوام برداشت نہ کرسکتے تھے ایک وقت ایسا آیا کہ برسرِ اقتدار گروہ کو اپنے اقتدار کی خاطر پریس کی خدمات کی ضرورت لاحق ہوئی۔ اور وہ پریس کی خوشامد کرنے لگا۔ اور مجبوراً اُسے پریس سے مدد مانگنی پڑی پریس بھی ہمدرد دوست کی حیثیت سے مدد کرنے لگا۔ اور حکمران طبقہ پریس کا محتاج بن بیٹھا۔

کمزور ممالک میں تو پریس کمزور کردیا گیا ہے۔ وہ غریب اور نااہل ہاتھوں میں پڑ کر کاروباری حیثیت بھی کھو بیٹھا ہے۔ اور نہ ہی ملکی صنعت کا صلہ کہلاتا ہے۔ اس کمزوری سے نااہل اور ظالم حکمران فائدہ اٹھا کر پریس کو دباتے ہیں۔ برطانوی پریس بھی ایک زمانہ میں بہت کمزور رہا ہے۔ اور اُسے اُن تمام مشکلات سے گزرنا پڑا۔ جن سے کمزور ممالک کا پریس آجکل دوچار ہے۔ یعنی برطانوی پریس پر بھاری ٹیکس عائد کئے گئے اور اس کی اشاعت پر پابندیاں عائد کی گئیں۔ سرکاری اشتہارات اور خبروں سے محروم رکھا گیا۔ اُسے سرکاری امداد تک نہ مل سکی۔ اخبار نویسوں پر جرمانے کئے گئے۔ اور اُن کو مجلسی حیثیت سے پریشان کیا گیا۔ مگر ان تمام مشکلات پر برطانوی پریس نے قابو پالیا۔ اور بالآخر اپنی طاقت اور آزادی کو حاصل کرلیا۔ جن ممالک میں پریس آزاد نہیں۔ وہاں کے عوام کمزور۔ بزدل خوشامدی۔ چاپلوسی۔ ڈرپوک اور غلامانہ ذہنیت رکھتے ہیں۔ یا بے ایمان۔ سفارشی جاہ طلب۔ لالچی اور مطلب پرست بن جاتے ہیں۔ گویا قوم کا سارا اخلاقی ضمیر ہی ختم ہوجاتا ہے۔ مجلسی زندگی برباد ہوجاتی ہے۔ حق کی آواز دب جاتی ہے۔ سچ اور جھوٹ کے درمیان کوئی فرق نہیں کرسکتا۔ اور نااہل ظالم کو عام اجازت ہوتی ہے۔ کہ وہ من مانی کارروائیاں کرسکے۔ طاقت وجبروت کا دور دورہ شروع ہوتا ہے۔ حکمران طبقہ اپنی نااہلی اور ظلم کو چھپانے کے لئے فرعون صفت۔ مغرور۔ متکبر۔ رشوت خور اور بدمزاج بن جاتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ برطانوی پریس کی آزاد پسندی نے قومی اخلاق کو بہت

رخصت دی۔ بلکہ حکومت رائے عامہ کی منظم طاقت کے آگے جھکنے پر مجبور ہو گئی۔

آزاد پریس ہی عوام کا چوکیدار ہے۔ حکمران طبقہ بھی آزاد پریس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اخبارات کی مدد کے لئے خبر رساں ایجنسیاں قائم ہیں۔ جو مختلف اخبارات کو روزانہ دم بدم خبریں بہم پہنچاتی ہیں۔ ان تجارتی خبر رساں ایجنسیوں کے علاوہ مختلف اخبارات کے اخباری نمائندے بھی خبریں اکٹھی کرتے ہیں۔ گویا برطانوی پریس کی آستینیں بہت لمبی ہیں۔ ان خبروں پر کسی قسم کی قانونی پابندی یا سختی عائد نہیں ہوتی۔ صرف چند اخلاقی سفارشات ہیں۔ جن کی پابندی لازمی ہوتی ہے۔ اس طریقے سے پریس بھی اپنا وقار قائم رکھتا ہے اور عوام بھی آزادی رائے سے محروم نہیں رکھے جاتے۔ کاپی رائٹ کے قوانین کی پریس سختی سے پابندی کرتا ہے۔ سرکاری خبروں کی اشاعت میں خاص طور پر احتیاط برتی جاتی ہے۔ خفیہ اطلاعات کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اور گندی۔ خلاف تہذیب ذاتی طعن و تشنیع سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ اور عوام اور بچوں کے اخلاق کا خیال رکھا جاتا ہے۔ تاکہ اُن کے متعلق کسی قسم کی قابل اعتراض خبر شائع نہ کی جائے۔ بیہودہ قسم کے اشتہارات قبول نہیں کیے جاتے۔ عدالت کے فیصلوں کا احترام کیا جاتا ہے۔ تاکہ ہتک عدالت سے محفوظ رہا جائے۔ پارلیمنٹری قوانین و آئین کی پابندی لازمی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برطانوی پریس گورنمنٹ کی سنسر شپ اور نگرانی سے آزاد اور خود مختار ہے اُس نے اپنے اوپر اخلاقی ذمہ داریاں بذات خود عائد کر رکھی ہیں اور بہت کم اخبارات اس معیاری اخلاق اور قانونی حیثیت سے نیچے گرتے ہیں۔

برطانوی پریس بھی زیادہ تجارتی اور صنعتی بنتا جا رہا ہے۔ اس وقت ملک میں پریس کے چار تجارتی گروہ بن چکے ہیں۔ اور سرمایہ دار تاجر ہی پریس کی آواز بنتا جا رہا ہے۔ پریس تاجرانہ حیثیت اختیار کرنے پر مجبور ہے۔ بہت سے اخبارات اور رسائل جو خسارہ پر چل رہے تھے۔ مجبوراً بند کرنے پڑے۔ کچھ مشترکہ کر دیے گئے۔ ان کے مختلف وجوہات ہیں۔ کچھ اخراجات کی زیادتی۔ اخباری کاغذ کی مہنگائی اور اُس کے حصول میں دشواری۔ کاریگروں کے بڑھتے ہوئے اُجرتی مطالبات۔ ریڈیو سینما اور ٹیلی ویژن سے مقابلہ۔ کھیلوں اور تماشوں کا شوق وغیرہ۔ گویا برطانوی پریس کے لئے تجارتی وقار کی بحالی مقدم ہو چکی ہے۔ اور خودکشی کا خطرہ بڑھ رہا ہے۔۔ گو

حکومت کے دباؤ کا کوئی خطرہ نہیں۔ مگر بہت سے اخبار نویس اپنی ذاتی حیثیت کھو کر ملازمت کی شرائط کے پابند ہو کر اپنی آزادی کھو چکے ہیں۔ چند اخبارات ایسے بھی ہیں۔ جو تجارتی ذہنیت سے پاک ہیں۔ اور وہی صحیح معنوں میں آزاد پریس کی حیثیت سے زندہ ہیں۔ یہ چیز موجودہ زمانہ میں بڑی غنیمت ہے۔ آخر حق بات کہنے والے کچھ تو باقی رہ گئے ہیں۔ ورنہ دُنیا جاہلوں۔ نااہلوں۔ ظالموں۔ مطلب پرستوں۔ جاہ طلبوں چاپلوسوں۔ سرمایہ پرستوں۔ عیاش مکاروں اور خوشامدیوں کے ہاتھوں مجبور و بیکس اور کس مپرسی کی حالت میں پڑی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر ہلاک ہو سکتی ہے۔ بہت سے ممالک میں یہ حالت پائی جاتی ہے۔ برطانیہ اس معاملے میں واقعی خوش نصیب ہے

تاریخی سیر و سیاحت

گزشتہ زمانوں میں عرب تاجروں نے یورپ والوں کے متعلق مختلف افسانے گھڑ رکھے تھے۔ کہ یورپی ممالک کی عورتیں پریاں ہوتی تھیں۔ اور مرد بھوت اور راکشش کہلاتے تھے۔ جو سارا سارا دن خوراک کی تلاش میں باہر رہتے تھے۔ اور شام کو جب وہ اپنی غاروں کو واپس لوٹتے تو اُس وقت آندھی۔ بجلی کی کڑک یا بارش پڑتی۔ یعنی یورپ کی پریاں دراصل یورپی درندوں کی قید میں تھیں۔ ہالینڈ والوں نے یورپ میں جب پہلے پہل چائے کو رائج کیا۔ تو چائے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ کیونکہ اس کے پینے سے بدبو دار گوشت کا بد ذائقہ ختم ہو جاتا تھا۔ کچا اور بدبو دار گوشت کھانے کا رواج صدیوں یورپی ممالک میں رائج رہا۔ کچا گوشت تو عام یورپی اور برطانوی باشندوں کا کھانا تھا۔ گرم مصالحوں کے استعمال نے کچے گوشت کا ذائقہ قدرے بدل ڈالا تھا۔ برطانوی باشندے اپنا زیادہ وقت خوراک حاصل کرنے اور لوٹ مار میں صرف کرتے تھے۔ گرم مصالحوں کی کشش سے یہ مشرقی ممالک کے شکار کو نکل کھڑے ہوئے۔ بھوکا درندہ اپنی بھوک کو مٹانے کے لئے رحم و انصاف کے جذبات نہیں رکھتا۔ اُسے اپنے شکار سے غرض

ہوتی ہے۔ پہلے وہ آلو اور مچھلی کے لئے دوڑ دھوپ کرتے تھے یا کچا گوشت حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں ہلاتے۔ اب عام لوگوں کو مشرقی ممالک کی دولت حاصل کرنے کا شوق چرایا۔ جس کا نتیجہ آج صاف ظاہر ہے۔ یورپ اور برطانیہ مالدار اور خوش حال نظر آتے ہیں۔ اور مشرقی ممالک مفلس اور نادار ہو چکے ہیں۔ اور وہاں آج خاک اُڑتی ہے حالانکہ کبھی مشرقی دنیا میں خوشی کے قہقہے بلند ہوتے تھے۔ اور انسانیت صحیح معنوں میں اپنی اصلی صورت میں موجود تھی۔ مغربی لٹیروں نے نہ صرف اُن کی دولت کو لوٹا بلکہ اُن کی انسانیت تک کو مسخ کر ڈالا۔

ملکۂ ایلزبتھ اول کے عہد کی بات ہے۔ کہ انگریزی عوام غریب۔ مفلس۔ جاہل۔ درندہ صفت۔ تنگدست اور تباہ حال تھے۔ وہ اپنی رہائش غاروں میں رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ اُن کو مکانات تک بنانے کی استعداد نہ تھی۔ آلوؤں کو اپنے ہاتھوں سے زمین سے نکالتے جن سے اُن کے ناخن اس قدر سخت ہو گئے تھے۔ کہ وہ اپنے لمبے لمبے مضبوط ناخنوں سے ہی زمین کھود لیتے۔ مچھلیوں کے شکار میں اُن کا زیادہ وقت خرچ ہوتا تھا۔ اور یہی اُن کی غذا تھی۔ کچا گوشت تو وہ ہمیشہ سے کھاتے تھے۔ آبادی کا زیادہ حصہ جو بھی لباس ایک دفعہ پہن لیتا۔ دوبارہ اُتارنے کا نام نہ لیتا تھا۔ بلکہ اُسے ساری عمر پہنے رکھتا۔ دوسرا لباس اُس وقت پہنا جاتا۔ جب پہلا لباس تار تار نہ ہو جائے۔ یا پھٹ کر خود جسم سے علیحدہ نہ ہو۔ یا اُسے کوئی ڈاکو زبردستی اُتار کر نہ لے جائے۔ یا اس کے مردہ جسم سے وہ علیحدہ کیا جاتا تھا۔ جانوروں کو ہلاک کر کے اُن کا گوشت خشک کیا جاتا تھا۔ اور یہی بدبودار خشک گوشت جاڑوں میں کھایا جاتا۔ بعد میں اس گوشت میں کیڑے پڑ جاتے۔ پھر بھی اُسے بغیر کراہت چٹ کر جاتے۔ گرم مصالحوں کے استعمال نے اس بدبودار گوشت کو کھانے کے قابل بنایا۔ یہ مصالحے مشرقی ممالک کے تاجر لوگ لاتے اور ساتھ ہی اُن ممالک کی امیری کی داستانیں بھی عام مشہور ہونے لگیں۔ جس سے مشرقی ممالک کو دیکھنے کا اشتیاق بڑھنے لگا۔ یورپ اور برطانیہ والے مشرقی ممالک کے بارے میں سنہری خواب دیکھا کرتے تھے۔ اور مغربی تاجروں نے مشرقی ممالک کی امارت اور خوشحالی کے بارے میں سنہری اور روپہلی خبریں پھیلا رکھی تھیں۔ اسکندر اعظم کے سپاہی جب ہندوستان سے واپس لوٹے۔ تو وہ اپنے ساتھ بہت سا قیمتی ساز و سامان بھی لے گئے۔ اور مشرقی ممالک کی دولت کے بارے میں خاص کر ہندوستان (جو سونے کی چڑیا کہلاتا تھا) کے بارے میں بہت

سے افسانے سارے یورپ میں پھیلنے شروع ہوئے۔ جن کو سُن کر مغربی ممالک کے منہ میں پانی بھر گیا۔ اور اُس دولت کو حاصل کرنے یا لوٹنے کے لئے تدبیریں ہونے لگیں اور طرح طرح کی اسکیمیں بنائی گئیں۔ دراصل یورپ اور برطانیہ کے عوام نہایت ہی غربت کی حالت میں تھے۔ وہ اس تاک میں لگے رہتے تھے کہ مشرقی ممالک کی دولت کو لوٹ کر اپنی غربت دور کریں۔ سب سے پہلے صلیبی جنگوں نے یہ موقع بہم پہنچایا۔ ان مہمات نے بھی مشرقی امارت کے متعلق زیادہ اشتیاق پیدا کیا۔ بہت سے انگریز اور یورپی گداگر مشرقی ممالک میں گداگری کرتے پھرتے تھے۔ بلکہ اُن میں سے ایسے اشخاص بھی شامل تھے۔ جو فقیروں کا بھیس بدل کر تحقیق حالات کرتے اور واپس اپنے گھروں میں پہنچ کر چٹخارے لے کر مشرقی امارت اور خوش حالی کے واقعات اور مشاہدات دہراتے۔ انگریز تو لالچی اور کمینہ صفت ہو کے مشہور تھے۔ وہ زیادہ متاثر ہوئے۔ اسی طرح دوسری غریب یورپی قومیں بھی ہندوستان اور دیگر مشرقی ممالک پہنچنے کے لئے آمادہ ہوئیں۔ حتیٰ کہ فلاسفر ہیگل کو بھی یہ کہنا پڑا۔ کہ ہندوستان ہمیشہ تاریخ میں ایک خواہش اور جذبات کو بیدار کرنے میں مدد دیتا رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ یورپی قوموں میں بمعہ برطانیہ کے ہمیشہ یہ خواہش موجزن رہی کہ وہ ہندوستان (سونے کی چڑیا) تک پہنچ سکیں۔ اُن کے لئے ہندوستان کی دولت کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ آج سے ایک سو سال پیشتر (بلکہ سو سال سے کم عرصہ تک) ہندوستان کے لوگ زندگی کی تمام ضرورتوں سے مالا مال تھے۔ اُن کے پاس ہوتی تھے جواہرات سونا۔ چاندی اور ریشمی کپڑوں کی بھرمار تھی۔ خوراک عام اور ارزاں تھی۔ دودھ دہی۔ مکھن۔ گھی۔ گندم اور غلہ وغیرہ تمام اشیا بافراط اور ارزاں دستیاب ہو سکتی تھیں اور عوام کو ضروریات زندگی سے فراغت حاصل تھی۔ ان کا فالتو وقت مذہبی مباحث اور تعلیم فلسفہ اور نیک کاموں میں صرف ہوتا تھا۔ علم و حکمت کے خزانے گھر گھر بکھرے پڑے تھے مساجد میں فلسفہ اور احادیث کا چرچا رہتا تھا۔ قرآن مجید حفظ یا تلاوت کیا جاتا۔ شوقین حضرات شعر و شاعری کا مشغلہ رکھتے تھے۔ ہندو لوگ ناچ رنگ اور فلسفیانہ مباحث میں اپنا وقت صرف کرتے۔ غرضیکہ تہذیب ہر لحاظ سے فارغ البال اور خوشحال تھی۔ اُس وقت یورپ کے اندر جہالت۔ بربریت اور درندگی کا دور تھا۔ اور یورپی ایک دوسرے کا سر پھوڑتے تھے۔ لیکن اس تاک میں بھی تھے۔ کہ ہندوستان کی دولت پر قابض ہو کر جلد از جلد اپنی

دائمی خوبت سے نجات حاصل کریں۔ مشرق قریب اور بحیرۂ روم کے جنوب مشرق میں ترکوں نے اُن کا راستہ روک رکھا تھا۔ اور ہسپانیہ کی اندلسی سلطنت مغرب میں اُن کے راستے میں حائل تھی۔ گویا دیوارِ اسلام مضبوطی سے تین اطراف سے یورپ کے طوفان بدتمیزی کو روکے ہوئے تھی۔ صرف سمندر کا راستہ یورپی لٹیروں کے لئے آزاد تھا۔ چنانچہ یورپی طاقتوں نے اپنی ساری توجہ سمندری طاقت بڑھانے اور سمندری راستوں کی تلاش میں مبذول کر دی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے خشکی کے راستے ان یورپی درندوں کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا اور پے در پے اُن کو کئی شکستیں دیکر ناکام و نامراد واپس کر دیا۔ ان صلیبی جنگوں میں برطانیہ صف اول میں شامل تھا۔ پانچویں صلیبی جنگ تو محض مصر کی طاقت کو کمزور کرنے کے لئے لڑی گئی۔ تاکہ دیوارِ اسلام میں رخنہ ڈال کر آگے بڑھنے کا راستہ تلاش کیا جائے۔ مگر اس میں بھی یورپی طاقتوں کو ناکامی ہوئی۔ اور مشرقی ممالک کی لوٹ مار کے لئے اُن کو راستہ نہ مل سکا۔ یہ یورپ کی آخری لڑائی تھی۔ جس میں تمام یورپی طاقتوں نے اور عیسائی بادشاہوں نے مل کر مسلمانوں پر حملہ کیا۔ مگر اُن کو کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ گویا متواتر دو سو سال ساری یورپی طاقتیں بمعہ پوپ کے دیوارِ اسلام سے ٹکرا کر رہ گئے نہ بڑھ سکیں۔ اور ہمیشہ شکست کھاتی رہیں۔ حتیٰ کہ عیسائیت بھی اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔ صرف یورپی ممالک میں پادریوں نے اپنے اقتدار کو قائم کرنے کے لئے اور دین اسلام کی تبلیغ کو روکنے کے لئے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عام نفرت اور تعصب کی فضا پیدا کر دی۔ عیسائیوں کے نزدیک اسلام اور مسلمان سب سے بڑے دشمن بن گئے۔ جن کو ختم کر کے یورپی ممالک اپنی درندگی اور لوٹ مار کے جذبات کو ٹھنڈا کر سکتے تھے۔ اُس وقت کی دُنیا پر مسلمانوں کا قبضہ تھا۔ اور ہر جگہ مسلمان ہی برسرِ اقتدار تھے۔ اسلام دشمنی کے باعث عیسائیت کو مسلمانوں کے خلاف بطور ہتھیار سرکاری مذہب کا درجہ دیا گیا۔ یعنی مسلمانوں کو مٹانے اور اسلام کو ختم کرنے کے لئے عیسائیت کو آلہ کار بنایا گیا۔ ورنہ یورپ کی فطرت عیسائیت کے خلاف تھی۔ یہ محض اسلام دشمنی تھی کہ عیسائیت کو اسلام کے خلاف کھڑا کر کے مسلمانوں کے خلاف ساری عیسائی دنیا میں نفرت و تعصب کے جذبات پیدا کئے۔ اور عیسائیت کی آڑ لیکر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صلیبی جہاد شروع ہوا۔

اسکندر اعظم جس راستے سے ہندوستان پر حملہ آور ہوا تھا۔ وہ علاقے سب مسلمانوں کے

زیر اقتدار آ چکے تھے ۔ لہٰذا مشرق قریب اور ہندوستان پر پہنچنے کے لئے نئے راستے تلاش ہونے لگے ۔ نیز اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے یہی مناسب سمجھا گیا ۔ کہ ہندوستان کے باشندوں سے رابطہ قائم کیا جائے ۔ اس زمانہ میں یورپی طاقتوں نے سمندروں میں لوٹ مار کا سلسلہ شروع کر دیا ۔ عربوں کے تجارتی جہازوں کی لوٹ مار اُن کا پیشہ بن گیا ۔ یہ عربی تاجر مشرق اور مغرب کی تجارت پر قابض تھے ۔ اور ہندوستان و یورپ کے درمیان تجارت کے واحد اجارہ دار تھے ۔ اُس وقت ہندوستان پر مغلیہ بادشاہ حکومت کرتے تھے ۔ جن کی شان و شوکت اور دبدبہ کے آگے یورپی طاقتیں بھی کانپتی تھیں ۔ سلطنت عثمانیہ مشرق قریب اور شمالی افریقہ تک پھیلی ہوئی تھی ۔ علیٰ ہذا القیاس ہسپانیہ میں بھی اندلسی حکومت برسر اقتدار تھی چین تک مسلمان پہنچ چکے تھے ۔ گویا اُس وقت کی دنیا مسلمانوں کے زیر نگیں آ چکی تھی ۔ . . . . یورپی طاقتیں صرف . . . . ہندوستان کے ہندوؤں سے امداد کی خواہش رکھتی تھیں چنانچہ وہ گھومتے پھرتے افریقائی ممالک کے اردگرد اور امریکہ تک پہنچ گئے ۔ یہی سمندری راستہ ہی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف خطرناک ہتھیار ثابت ہوا ۔ افریقہ اور امریکہ سے چھینی ہوئی دولت اور لوٹ مار کا مال یورپ میں دھڑا دھڑ پہنچنے لگا ۔ اور اُن کی غربت اور پسماندگی کو قدرے کم کیا ۔ اُن کے حوصلے زیادہ بڑھ گئے ۔ ستم ظریفی ملاحظہ ہو ۔ کہ اُس وقت سوائے یورپی طاقتوں کے اور کوئی بھی قوم بندوقوں اور پستولوں کا استعمال نہ جانتی تھی ۔ چنانچہ اسلحہ سے لیس ہو کر یورپی لٹیرے ہر طرف مار دھاڑ اور لوٹ مار میں مشغول ہو گئے ۔ اور جلد ہی نہتے مسلمانوں کو بیدریغ قتل کرنے لگے ۔ پہلا کام یہ کیا گیا کہ ہسپانیہ سے اندلسی حکومت کا خاتمہ کیا گیا ۔ شمالی افریقہ اور ساحل افریقہ کے چند علاقوں پر قبضہ کر لیا ۔ پرتگال والوں نے قسم کھائی کہ وہ دنیا سے اسلام اور مسلمانوں کو مٹا کر ہی دم لیں گے ۔ اور دین مسیحیت کو دنیا میں پھیلا کر اسلام کو ختم کیا جائے گا چنانچہ جن علاقوں میں پرتگیزی پہنچے ۔ وہاں کی مسلمان آبادی کو زبردستی ختم کیا گیا ۔ مسلمانوں کے اس قتل عام کو آخری اور فیصلہ کن صلیبی جنگ کا نام دیا گیا ۔ گویا صلیبی جنگوں کے محاذ کو عالمگیر بنا دیا گیا یعنی مشرق قریب سے ہٹ کر صلیبی جنگوں کو ساری اسلامی دنیا پر پھیلا دیا گیا ۔ تاکہ جہاں کہیں مسلمان نظر آئیں ۔ اُن کو بیدریغ قتل کیا جائے ۔

حقیقت یہ ہے ۔ کہ گذشتہ صلیبی جنگوں کا سارا غصہ اور انتقام نہتے اور کمزور مسلمانوں کے بیدریغ قتل عام سے کیا گیا ۔ پرتگال والے جہاں کہیں مسلمان دیکھتے تھے ۔ فوراً قتل کر ڈالتے

بچوں اور عورتوں کو زبردستی عیسائی بنایا جاتا تھا۔ مسلمانوں کی تجارت پر ڈاکے ڈالتے ۔ اُن کے تجارتی جہازوں کو لوٹ لیتے تھے ۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا ۔ کہ دینِ اسلام کو آگے بڑھنے سے روک دیا گیا ۔ اور اسلام کی عالمگیر اخوت اور طاقت کو کافی نقصان پہنچا ۔ مسلمانوں کی اقتصادی حالت اس قدر بگڑ گئی ۔ کہ دوبارہ آج تک درست نہ ہو سکی ۔ ورنہ آج تمام افریقہ یورپ اور چین غرضیکہ تمام دُنیا مسلمان نظر آتی اور ہر جگہ اسلام ہی کا چرچا ہوتا ۔ اُس وقت اسلام طوفان اور آندھی کی طرح ساری دُنیا میں پھیل رہا تھا ۔ پرتگال والوں کی اسلام دشمنی نے اسلام کو پھیلنے سے روک دیا ۔ اُس وقت یورپ میں اسلام کے خلاف نفرت اور تعصب زیادہ پھیل چکا تھا ۔ بلکہ اسلام دشمنی بجائے خود مذہب بن گیا ۔ کیونکہ پرتگال والوں کی دیکھا دیکھی دوسری یورپی قوموں نے بھی اسلام دشمنی اور مسلم کُش پالیسی کو اپنا مشن بنا کر جدوجہد شروع کر دی ۔ اُن کے نزدیک مسلمانوں کو ختم کر کے اور اسلام کو دنیا سے مٹا کر کے ہی یورپی قومیں اپنا سیاسی اور اقتصادی اقتدار قائم کر سکتی تھیں ۔ پرتگال کا تو قومی مشن ہی مسلمانوں کو ختم کرنا تھا ۔ نیز صلیبی جنگوں کا انتقام لینا اور ہندوستان تک پہنچنا بھی اُن کا قومی مقصد بن گیا ۔ اُن کے نزدیک ہندوستان کے غیر مسلم یا تو عیسائی تھے ۔ یا عیسائیوں کے ہمدرد تھے ۔ جن کی مدد سے ہی وہ اسلام کو پشت سے کمزور کر کے ختم کرنا چاہتے تھے ۔ ورنہ افریقہ سے چین تک اُن کو ہر جگہ مسلمان ہی مسلمان نظر آتے تھے ۔ صرف ہندوستان میں غیر مسلم عنصر تھا ۔ جو مسلمانوں کا دشمن اور پرتگال والوں کا اتحادی کہلاتا تھا ۔ جنہیں وہ غلطی سے عیسائی سمجھ بیٹھے تھے ۔ مسلمانوں کے پاس تجارت اور حکومت تھی ۔ لہذا اسلام اور مسلمانوں کو ختم کر کے اس تجارت اور حکومت پر قبضہ کیا جا سکتا تھا ۔ گویا ہندوستان پہنچ کر ہندوؤں کی مدد سے پرتگال والے مسلمانوں کو ختم کرنے کا ارادہ رکھتے تھے ۔ آئندہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے ۔ کہ پرتگال والوں کی یہ خواہش پوری ہو کر رہی ۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف ان یورپی لیڈروں کی مدد کی ۔ اور ایک دن ایسا بھی آیا کہ ہندوستان سے اندلس کی طرح اسلامی اقتدار کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی ۔ بلکہ اُن کو یورپی لیڈروں کا غلام ہونا پڑا ۔ اس اسلام دشمنی کا نتیجہ ہے ۔ کہ آج مسلمانوں سے زیادہ اور کوئی بدتر قوم دُنیا میں موجود نہیں ۔ حتیٰ کہ مسلمانوں کو آسانی سے پہچانا بھی نہیں جا سکتا ۔ بلکہ اُن کی انسانیت تک مسخ کر دی گئی ہے ۔ اور وہ اب مردہ حالت میں پائے جاتے ہیں ۔ جدھر نظر دوڑائی جائے ۔ مسلمان کمزور اور تباہ حال نظر آتا ہے ۔ یہ سب کچھ پرتگال اور اسپین کے اسلام دشمن رویئے سے شروع ہوا ۔ گو دوسرے یورپی لیڈروں نے بھی اس میں برابر حصہ لیا ۔

اسپین سے اسلامی حکومت کو ختم کرنے کے بعد پرتگال اور ہسپانیہ صلیبی جنگوں کا عیسائی صلیب اپنے ہاتھوں میں لے کر دنیا بھر سے مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ اُن کے پاس سمندری راستہ ہی واحد ذریعہ تھا۔ جس کو استعمال میں لاکر اسلام کی پشت پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔۔۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ لہٰذا سمندروں میں اُنہوں نے نہتے عربوں کے مال سے لدے ہوئے تجارتی جہازوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ اور ڈاکہ زنی کرتے ہوئے ہندوستان تک پہنچ گئے۔ ان اسلام دشمن سرگرمیوں میں اُس وقت پوپ بھی شریک تھا۔ در اصل پوپ ہی یکے بعد دیگرے مختلف صلیبی جنگوں کا پشت پناہ رہا ۔ اور وہی مسلمانوں کے خلاف اسلام کو مٹانے کے لئے پرتگال والوں کی اخلاقی مدد کرتا تھا ۔ایک تاریخی فرمان میں پوپ نے پرتگال کے مشہور ہنری ملاح کو برکت کی بشارت بھی دی۔ ہماری (یعنی پوپ کہتا ہے سب سے بڑی خوشی یہ ہے۔ کہ ہمارا پیارا فرزند ہنری ملاح اب حضرت عیسیٰ کا سپاہی بن کر ساری دُنیا میں خداوند یسوع مسیح کا دین لے کر اُٹھ کھڑا ہوا ہے۔ تاکہ دُنیا کو عیسائیت کی پناہ میں لائے ۔ اور جہاں کہیں اسلام اور اُس کے پیرو نظر آئیں۔ اُن کو بیدریغ تہ تیغ کرے اور اُن کو صفحۂ ہستی سے ختم کر کے دین عیسائیت کو پھیلا سکے ۔ گویا یہ کام پرتگال والوں کے سپرد ہوا کہ اسلام کے خلاف صلیبی جنگوں کو اُن علاقوں میں جاری رکھا جائے ۔ جو سلطان صلاح الدین ایوبی اور اُس کے جانشینوں کی دسترس سے باہر رہے ہیں سلطنت عثمانیہ اور مصر پر پشت سے حملہ کر کے ختم کیا جائے۔۔۔۔۔۔ ۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔ یاد رہے اُس زمانہ میں پرتگال والوں کا خیال تھا۔ کہ ہندوستان میں عیسائیوں کی کافی تعداد آباد ہے۔ جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پرتگال والوں کی مدد کرنے کی خواہاں ہے) ہندوستان کے ساتھ صرف سمندری راستے سے ہی تعلق قائم کیا جا سکتا تھا۔ تاکہ ہندوستان پہنچ کر صلیبی جنگوں کا سمندری محاذ قائم کر کے مسلمانوں کو ختم کیا جائے ۔ چونکہ اسلام دشمنی ہی یورپ والوں کا مشن بن چکا تھا اس لئے یورپ کے اکثر ممالک میں اسلام دشمنی سے متعلق متعدد قوانین نافذ ہوئے ۔ اور عیسائیت کی آڑ لے کر خونی ڈاکو اور لیٹرے بمعہ برطانوی راہزنوں کے تمام دنیا سے مسلمانوں کو مٹانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ ہندوستان کا راستہ تلاش کرنے کے دوران میں جو بھی مسلمانوں کا تجارتی جہاز نظر آتا تھا۔ پرتگالیوں نے اُسے جی بھر کر لوٹا۔ اور مسلمان جہازیوں کو قتل کر ڈالا۔ بعد میں حاجیوں پر بھی ہاتھ صاف کئے گئے۔ چونکہ ہندوستان پر مغل بادشاہوں کی

حکومت تھی۔ لہٰذا پرتگالیوں کو آسانی سے ساحل ہندوستان پر لنگر انداز ہونے کی جرأت نہ ہو سکی۔ وہ کافی عرصہ مغلیہ حکومت کے دبدبہ سے دور دور ہی سمندروں میں گھومتے رہے اور ساحل ہندوستان کے نزدیک نہ پہنچ سکے۔ یہ تو صرف ہندو غداروں کی وجہ سے ہوا۔ جو اپنی روایتی چاپلوسی۔ خوشامد غلامانہ ذہنیت اور اخلاقی کمزوری میں مشہور تھے۔ چنانچہ اسلام دشمن پرتگیزیوں کی غدار ہندوؤں نے خوب آؤ بھگت کی۔ سب سے پہلے واسکوڈے گاما نے عرب ملاحوں کی مدد سے ہندوستان کا یہ سفر طے کر لیا۔ گویا پرتگالیوں نے اپنا مقصد پورا کر لیا۔ واسکوڈے گاما پرتگال سے تین ارادے لے کر چلا تھا:-

۱۔ اسلام کو تمام دنیا سے ملیامیٹ کر کے اسلامی طاقت اور اقتدار کا خاتمہ کیا جائے۔

۲۔ عیسائیت کی تبلیغ اور غلبہ۔

۳۔ مسلمانوں کا قتل عام اور لوٹ مار نیز تجارتی غلبہ۔

تمام پرتگال والے اس مشن پر کاربند تھے۔ ہندوستان پہنچ کر اُن کو آسانی سے ہندوؤں جیسی غدار اور خود غرض قوم بحیثیت اتحادی مل گئی۔

ہندوؤں کی خوشامد، چاپلوسی اور مسلمان دشمنی سے پرتگالیوں نے خوب فائدہ اٹھایا۔ بلکہ ہندوؤں کو بھی اپنے اسلام دشمن مشن میں برابر کا شریک کیا۔ پرتگالیوں کے بعد فرانسیسیوں اور انگریزوں نے بھی ہندوؤں سے ہی رجوع کیا۔ اور ہندوؤں کی مدد سے ہی ہندوستان میں اسلامی اقتدار کا خاتمہ کیا گیا۔ بالآخر ہندوستان کی حکومت کو بھی ہندوؤں کے سپرد کر ڈالا۔ مسلمانوں کو ہندوستان میں کمزور کرنے اور اقتدار سے گرانے میں ہندوؤں نے غیر ملکی سامراجیوں کا پوری طرح ساتھ دیا اور سب سے زیادہ غداری اور بے وفائی اُنہی کی وجہ سے ہوئی۔ بلکہ ایشیا کی تباہی و بربادی کا باعث خود ایشیائی ہندو ہی بنے۔ جو اپنے آپ کو ایشیائی سمجھنے کے بجائے یورپی لیڈروں کے ایجنٹ بننا زیادہ پسند کرتے تھے۔ چنانچہ ہندوؤں نے بھی اس اتحاد سے خوب فائدہ اٹھایا۔ یہ اور بات ہے۔ کہ اس اتحاد سے مسلمانوں کو نقصان پہنچا۔ لیکن اس طرح پرتگال والے اور دوسری یورپی طاقتیں جو مقصد یورپ اور شمالی افریقہ کی صلیبی جنگوں میں حاصل نہ کر سکے۔ وہ ہندوستان کے ہندوؤں کی غداری اور کمزوری کی وجہ سے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ مغل سلطنت ختم کر دی گئی۔ سلطنت عثمانیہ کو مٹا دیا گیا۔ عربوں کے ٹکڑے ٹکڑے کئے گئے۔ جزائر شرق الہند پر یورپی لیٹرے قابض ہو گئے۔ چین سے اسلام کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ افغانستان اور ایران کمزور

ہونے لگے۔ فلپائن میں مسلمانوں کو بیدریغ قتل کیا گیا۔ فلپائنی بچوں کو زبردستی عیسائی بنایا گیا افریقہ میں عیسائیت بڑھنے لگی۔ اور اسلام کی رفتار مدھم پڑ گئی۔ مسلمانوں کو کبھی یہ خیال تک گذرا تھا۔ کہ اس طرح ایک دن سمندری راستے سے ہندوستان کے ہندوؤں کی مدد سے اُن کی تجارت اور اقتدار ختم ہو کر رہے گا۔ سلطان ترکی کو جب سمندری لیٹروں کے بارے میں حاجیوں کے جہازوں کو لوٹنے کا پتہ چلا۔ تو وہ حیران ہو گیا۔ وہ اعتبار نہ کر سکا۔ کہ ایسا بھی ممکن ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے سمندری راستے نے صلیبی جنگوں کا محاذ ہی بدل ڈالا سمندروں پر سلطان ترکی کا قبضہ نہ تھا۔ وہ تو بحیرہ روم کی حفاظت کرتا تھا۔ جس کے نزدیک آنے کی پرتگالی اور دوسرے یورپی لیٹرے جرأت نہ کر سکتے تھے۔ سمندری طاقت کے اضافہ پر برطانیہ اور دوسرے یورپی ممالک زیادہ دلیر ہو گئے۔ چنانچہ اسی سمندری راستے نے ہی پرتگالیوں کو ہندوستان تک پہنچا دیا۔

بہت عرصہ تک پرتگالیوں نے ہندوؤں کی مدد سے بحر ہند میں لوٹ مار کا بازار گرم کئے رکھا۔ جنوبی ہند کی ہندو ریاستوں نے جی کھول کر پرتگالیوں کی خاطر مدارات کی اور دوستانہ میل ملاپ رکھتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف، ہر ممکن مدد بہم پہنچائی۔ دراصل جنوبی ہند کے برہمن پنڈت دہلی کے مسلمان بادشاہوں کے صدیوں سے دشمن چلے آتے تھے۔ اور اُن سے بہت تعصب اور دشمنی رکھتے تھے۔ وہ پرتگالیوں کو مسلمانوں کے خلاف تائید غیبی سمجھ کر بہت خوش ہوئے اور پرتگالی بھی جو اسلام کے خلاف گھر سے نکلے تھے۔ اپنے اسلام دشمن ہندو اتحادیوں کو پا کر بہت خوش ہوئے اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف دشمن پا کر انہیں یقین ہو گیا۔ کہ وہ جس مشن کو لے کر ہندوستان پہنچے تھے۔ اُس میں ضرور بالضرور اُن کو کامیابی حاصل ہوگی۔ وجیانگر کی برہمنی سلطنت کے شمال میں بیجاپور کی عادل شاہی اور گجرات کی مسلمان ریاست اُس وقت دونوں مسلمان ریاستیں تجارتی اور سیاسی لحاظ سے بہت ہی فارغ البال اور خوش حال تھیں۔ اُن کے تجارتی تعلقات شمالی ہندوستان۔ مشرق وسطیٰ اور افریقہ کے مشرقی ممالک کے ساتھ مدتوں سے قائم تھے۔ صرف گجرات کی مسلمان ریاست ہی اس قدر مالدار اور تجارت پیشہ تھی۔ کہ تمام ہندوستان کی تجارت اس کے قبضہ میں تھی۔ ان مسلمان ریاستوں سے ہندو ریاستیں اور بنئے بہت حسد رکھتے تھے۔ اور مذہبی تعصب کے باعث ان کے سخت جانی دشمن بن گئے تھے۔ مگر دہلی کی اسلامی حکومت کے ڈر سے وہ مسلمان ریاستوں کا کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے۔ نہ ہی اُن کو مسلمانوں جیسا اقتدار اور طاقت

حاصل تھی - وہ بھیگی بلی بنے ہوئے تھے - چنانچہ جب اُن کو یہ خبر ملی - کہ پرتگالی لیٹرے بحرِ ہند میں مسلمان ریاستوں کے تجارتی جہاز لوٹتے ہیں - بلکہ حاجیوں تک کے جہازوں کو نہیں چھوڑتے - تو وہ پرتگالیوں سے بہت خوش ہوئے - اور اُن کو اپنے ہاں دعوت دی - اُن کی خاطر مدارات شروع کر دی - گویا پرتگالیوں سے مل کر اُن کو مسلمانوں کے خلاف سازش کا موقع مل گیا - دریں اثنا واسکوڈے گاما کالی کٹ کے راجہ زموورن کا مہمان بن چکا تھا - کالی کٹ ہندوستان کے ساحل پر سمندری تجارت کی اہم چھوٹی سی بندرگاہ تھی - پرتگالی اس بندرگاہ پر اُترے اور مسلمانوں کے دبدبہ اور خوف سے خفیہ طور پر چوری چھپے راجہ نے مسلم کش پرتگالیوں کو دوستی کا پیام دیا - اور اُن کو اچھی طرح سے اپنے ساتھ ملایا - ایران کا مشہور و معروف سیاح عبدالرزاق نامی اُس زمانے میں جنوبی ہند میں سیر و سیاحت کر رہا تھا - اُس کے قلم بند کردہ حالات سے راجہ زموورن اور پرتگالیوں کی باہمی ریشہ دوانیوں کا پورا پورا پتہ چلتا ہے کہ پرتگالیوں نے بحرِ ہند میں کالی کٹ کو خفیہ طور پر چوری چھپے اپنی بندرگاہ بنا رکھا تھا - راجہ زموورن نے اُن کو ہر قسم کی سہولتیں مہیا کر رکھی تھیں - اس بھائی چارے کا نتیجہ تھا کہ پرتگالیوں کی مدد سے ہندو تاجر جاپان کے جنوب تک جا پہنچے تھے - نیز چین کے مشرق سے لیکر شمالی افریقہ کے ممالک تک اپنے تجارتی تعلقات بڑھانے لگے - گویا ہندو تاجروں کو اپنی دکان بڑھانے کا سنہری موقع ہاتھ آگیا - سمندروں میں عربوں اور مسلمانوں کے تجارتی جہازوں کی لوٹ مار میں ہندوؤں کو بھی شریک کیا جاتا تھا - بلکہ ان سمندری مہمات میں ہندو پرتگالیوں کی رہنمائی کرتے تھے - اور مسلمانوں کو لوٹنے میں ہر قسم کی اطلاعات بہم پہنچاتے تھے - گویا ہندو پرتگالیوں کے سیاسی اور تجارتی مخبر یا ایجنٹ بن گئے - اور مسلمانوں کے قتل عام اور لوٹ مار میں پرتگالیوں کے ساتھ برابر کے شریک رہے - بلکہ مسلمان بادشاہوں کے خلاف بھی پرتگالیوں کے حوصلے بڑھائے - اور یہی امداد اسلام اور مسلمانوں کو برباد کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہوئی -

دہلی کے مسلمان بادشاہوں اور جنوبی ہند کی اسلامی ریاستوں کو مدتوں تک پرتگالیوں کی سازشوں اور ہندوؤں کی غداری کا مطلق کچھ پتہ نہ چل سکا - نہ ہی اُنہوں نے اپنی طاقت کے زعم میں ان سمندری لیٹروں اور ہندوؤں جیسی کمزور اور ناکارہ قوم کی خطرناک سرگرمیوں کو زیادہ اہمیت دی - دراصل یہ تمام سرگرمیاں بحرِ ہند میں اور کالی کٹ کے ساحل کے ارد گرد تک محدود رہیں - اور ہندوستان جیسے وسیع ملک میں ان معمولی واقعات کو نظر انداز ہی کیا جا سکتا تھا - دوسرے

دہلی کے مسلمان بادشاہ صدیوں تک سمندری ساحل کے حالات سے بے خبر رہے۔ اُن کی زیادہ توجہ میدانی علاقوں پر ہی مبذول رہی۔ مگر اسی کمزور سوراخ نے اُن کی سلطنت کے طاقتور جہاز کو بالآخر بحرِ ہند میں غرق کر ڈالا۔ اور ایک دن ایسا بھی آیا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو بھاگ کر ملّکہ کے اُس پار پاکستان میں جا کر پناہ گزیں ہونا پڑا۔ باقی ماندہ مسلمان ایک طاقتور گروہ سے گر کر مسلم اقلیت بن کر ہندو کے رحم و کرم پر کرم پر رہ گئے۔

قصہ مختصر! راجہ زمورن ظاہراً مسلمان بادشاہ کی سیادت میں تھا۔ مگر اندرون پردہ وہ پرتگالیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کو ہر ممکن امداد پہنچاتا تھا۔ اور اس ملی بھگت سے خوب فائدہ اُٹھا رہا۔ واسکوڈے گاما کو جب زمورن کی مدد کا یقین ہو گیا۔ تو وہ واپس پرتگال چلا گیا۔ تاکہ اپنے ابتدائی سفر کی رپورٹ حکومت پرتگال تک پہنچائے۔ اُس نے پرتگال پہنچ کر ہندوؤں کی کمزوری چاپلوسی اور جنوبی ہند کی تمام ہندو اکثریت کی اسلام دشمن ذہنیت کے متعلق اپنی توجہ دی۔ گویا اُن اسلام دشمن ایشیائی عناصر کی مدد کا اُسے اچھی طرح اعتبار آ گیا۔ چنانچہ ایک طاقتور بحری بیڑا طیار کیا گیا۔ جو سازوسامان اور اسلحہ وغیرہ سے لیس ہو کر ہندوستان کی طرف چل پڑا۔ راجہ زمورن نے پہلے کی طرح اس پرتگالی بیڑے کا بھی اُسی سابقہ گرمجوشی سے استقبال کیا۔ اور پرتگالیوں کو اپنی دوستی اور مدد کا پورا پورا یقین دلایا۔ پرتگالیوں کی پرتکلف خاطر مدارات کی گئی۔ جیسے کہ ہندوستان کی روایتی مہمان نوازی کا شیوہ رہا ہے۔ مگر پرتگالیوں جیسی ناشکر گزار قوم شکر گزاری اور احسان شناسی کے جذبات سے عاری تھی۔ اُن کی دوستی محض اپنی مطلب برآری کے لئے تھی اور دھوکہ بازی کے سوا کچھ بھی نہ تھی۔ وہ دوست بن کر ہندوستان نہ آئے تھے۔ بلکہ ہندوستان کی دولت لوٹنے اور مسلمانوں کو مٹانے کے لئے اُنہوں نے یہ سارا سفر طے کیا تھا۔ سفر کی تکالیف اپنے تاریخی مشن کو پورا کرنے کے لئے برداشت کی تھیں۔ چنانچہ اُن کی منافقت کا آخر کار راز ظاہر ہو گیا۔ جبکہ کوریر نام کے ایک پرتگالی نے شراب کے نشے میں بدمست ہو کر شہر میں فساد کرا دیا جس سے بلوہ ہو گیا۔ پرتگالیوں نے اس موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے راجہ زمورن کے کئی آدمیوں کو ہلاک کر دیا۔ اور شہر کی لوٹ مار شروع کر دی۔ اس دفعہ راجہ زمورن کو ہوش آئی۔ چونکہ وہ اُس تک گیا گزرا نہ تھا۔ کچھ نہ کچھ طاقت کا مالک تھا۔ لہٰذا اس نے پرتگالیوں کے خلاف کارروائی کا حکم دے دیا۔ راجہ کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر پرتگالی وہاں سے بھاگ کر اپنے سمندری بیڑے کی طرف واپس چلے گئے۔ اور اُسے طیار کر کے راجہ زمورن پر حملہ آور ہو گئے۔

واسکوڈے گاما نے بیڑے کی کمان خود سنبھالی - اور راجہ کو مناسب سبق دینے کے لئے ہندوستان کے ساحلی علاقوں پہ لوٹ مار کی مہم تیز کر دی - پرتگالیوں نے اس لوٹ مار میں جی بھر کر حصہ لیا - اس وقت ہندو اور مسلم کا فرق نہیں کیا گیا - بلکہ بیدریغ ہندو مسلمانوں دونوں کو قتل کیا گیا اور اپنی مغرب دوستی کا عملی ثبوت دیا - کہ مغربی دوست اپنے میزبان کا سب سے بڑا دشمن ہوتا ہے - مغرب دوستی کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا نہ ہی اُس کی دشمنی میں کچھ شک و شبہ ہوتا ہے پرتگالی بیڑا اب راجہ زمورن سے کیا بگڑا - وہ اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہونے لگا - بحر ہند ہی پرتگالیوں کی لوٹ مار کا اکھاڑا بن گیا - یہ سلسلہ سالہا سال تک جاری رہا - حتیٰ کہ بحر ہند میں پرتگالیوں کا بول بالا ہو گیا - لیکن دریں اثنا راجہ زمورن کے مسلمان امیر البحر قاسم نے پرتگالی بیڑا کو شکست دے کر ہندوستان کے ساحل سے اُسے بھگا دیا - نیز راجہ نے مصر کے سلطان سے بھی امداد طلب کی - جو اُسے بروقت مل گئی - چنانچہ مصری بیڑے کے درمیان ایک سمندری جنگ میں پرتگالیوں نے کافی نقصان اُٹھایا - جب پرتگالی بیڑا بحر ہند کی ایک سمندری جنگ میں راجہ زمورن اور سلطان مصر دونوں کے مشترکہ بیڑے کے حملہ سے شکست کھا کر واپس لوٹا - تو ملک ایاز جو سلطان گجرات کا دیو میں گورنر تھا - وہ پرتگالیوں سے مل گیا - اور اُس نے مصری بیڑے کے سلسلہ آمد و رفت کو کاٹ دیا - جس سے مصری بیڑے کو کافی نقصان پہنچا - مصری بیڑا اس غداری سے متنفر ہو کر واپس مصر چلا گیا - اور اس طرح پرتگالی خود ہندوستانی غداروں کی بدولت دوبارہ کامیاب ہو گئے - گوا کے علاقہ پر اُن کا قبضہ ہو گیا - یہ بھی ایک اور ہندوستانی غدار کی وجہ سے - ورنہ پرتگالی گوا پہ کبھی بھی قابض نہ ہو سکتے تھے - گوا کے ہاتھ آ جانے سے پرتگالیوں نے آدھا میدان سر لیا - گوا کے اندر تمام مالدار عرب تاجروں اور نہتے مسلمان شہریوں کو بیدریغ قتل کر ڈالا - گوا کی ایک بہت بڑی عالیشان مسجد کو لاشوں سے بھر کر آگ لگا دی گئی - اور گوا کو پرتگالی اڈا بنا کر جزائر شرق الہند اور فلپائن تک پرتگالیوں نے اپنی سمندری لوٹ مار کو پھیلایا آبنائے ملاکا جو ایک تجارتی شاہراہ تھی - مشرق اور مغرب کی تجارت کا مرکز کہلاتی تھی - اُس پہ زبردست حملہ کیا گیا - عرب تاجروں کے تجارتی جہازوں کا سب سے بڑا اڈا یہی تھا چنانچہ پرتگالیوں نے ملاکا کی خوب لوٹ مار کی - وہاں کے عرب تاجروں کو بیدریغ قتل کیا گیا اور اس فتح کو صلیبی جنگ سے پکارا گیا - جب پرتگالی وائسرائے ملاکا کی لوٹ مار کا سامان لے کر پرتگال واپس پہنچا - تو اُس نے یہ تقریر کی - کہ پرتگالی بہادر اپنے خداوند کی اس سے

زیادہ اور کیا بہتر خدمت کر سکتے ہیں۔ کہ آبنائے ملاکا سے مسلمانوں کو نکال کر صاف کر دیا گیا ہے۔ اور اسلام کی آگ کو بجھا دیا گیا ہے۔ تاکہ یہ آگ دوبارہ نہ پھیل سکے۔" یہ تقریر ختم کرنے کے بعد پرتگالی وائسرائے نے دعا اور مناجات کے فرائض پورا کرنے کے بعد ایک اور تقریر کی۔ کہ آبنائے ملاکا پر پرتگالی قابض ہو گئے ہیں۔ اور مسلمانوں کی تجارت کو ملاکا سے ختم کر دیا گیا ہے۔ عنقریب ملاکا کی تباہی سے قاہرہ اور مکہ خود بخود برباد ہو جائیں گے۔ اور پرتگال ہی دُنیا کی دولت کا مالک بن کر رہے گا۔" ملاکا کی تباہی اور بربادی کے متعلق اس قدر لکھنا ضروری ہے۔ کہ جنوب مشرقی ایشیا میں ملاکا ہی مسلمانوں کی تجارت دولت اور فارغ البالی کا سب سے بڑا اہم مرکز تھا۔ اور اُس وقت کی دُنیا میں سب سے زیادہ مالدار مقام تھا۔ پرتگالیوں نے ملاکا کی ساری مسلمان آبادی کو قتل کر ڈالا۔ نوجوان مردوں اور عورتوں کو غلام بنا کر فروخت کیا گیا۔ غدار ہندوؤں کو بھی اس لوٹ مار میں شریک کیا گیا۔ ہزارہا من سونا صرف شاہ پرتگال کا حصہ آیا۔ پرتگالی لیڈروں اور ہندو غداروں نے جو لوٹ مار مچائی اُس کا اندازہ ہی مشکل ہے۔ گویا مشرق و مغرب کی دولت کے خزانے پرتگالیوں کے پاس آگئے۔ اور اس دولت نے پرتگال والوں کو مالا مال کر دیا۔ یہ تمام دولت مسلمانوں کو قتل کر کے اور مسلمانوں کی اقتصادی زندگی کو برباد کر کے حاصل کی گئی۔ اس لوٹ مار اور تباہی کے بعد مسلمان دوبارہ اپنا سر نہ اُٹھا سکے۔ رفتہ رفتہ قعر مذلت میں گر گئے۔ جس کے اثرات آج بھی صاف دکھائی دیتے ہیں۔ ملاکا پر پرتگالیوں کا قبضہ گویا ایشیائی خزانوں پر قبضہ کر لینے کے برابر ثابت ہوا۔ پرتگالیوں کا سمندروں پر اقتدار چھا گیا۔ اور مسلمانوں کی بحری تجارت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دی گئی۔ اس سازش میں جنوبی ہند کے غدار ہندو بھی پرتگالیوں کے ساتھ شریک رہے اور پرتگالی لیڈروں کی پشت پناہی یورپ کے مہذب پادری اور پوپ کے حکمران کرتے تھے سارا یورپ اور برطانیہ اس لوٹ مار سے فائدہ اُٹھانے لگا۔ یورپی شہر مالا مال ہو گئے۔ اور ملاکا کی تباہی کے بعد مشرق الہند کے گرم مصالحوں کی واحد اجارہ داری بھی پرتگال کو حاصل ہو گئی گرم مصالحوں کی اُس وقت یورپ کو اشد ضرورت تھی۔ لہٰذا پرتگالیوں نے اس تجارت سے بھی خوب فائدہ اُٹھایا۔ یورپی شہروں میں لوٹ مار کے ڈپو کھل گئے۔ اور چوری اور ڈاکہ کا مال فروخت ہونے لگا۔ ان ڈپوؤں میں عربوں سے چوری کیا ہوا سامان سارے یورپ میں فروخت ہوتا تھا۔

واسکوڈے گاما کا بحر ہند کی سمندری لوٹ مار کا ایک مشہور کارنامہ صدیوں تک یورپ میں فخریہ

طور پر بیان کیا جاتا تھا۔ کہ ایک تجارتی جہاز مکہ سے ہندوستان جا رہا تھا۔ اُسے راستے میں پرتگالیوں نے روک دیا۔ اُس جہاز کا سامان لوٹ کر جہاز کو معہ ملاحوں اور حاجیوں کے آگ لگا دی گئی۔ اس قسم کے صدہا واقعات صرف حاجیوں کے جہازوں کی لوٹ مار اور قتل عام کے ملتے ہیں۔ مسلمان تاجروں اور عرب ملاحوں کے پاس بندوق تک نہ تھی۔ لہٰذا اُن کے جہازوں کو پرتگالی جو پستول اور بندوقیں اپنے پاس رکھتے تھے۔ بڑی آسانی اور صفائی سے لوٹ لیتے تھے۔ ملاحوں اور مسافروں کو قتل کیا جاتا تھا۔ اس لوٹ مار سے ہی یورپ کے دن پھرنے لگے۔ برطانیہ تک اس لوٹ مار کی دولت پہنچ گئی تھی۔ اور برطانوی لیٹرے بھی بعد میں اسی لوٹ مار کی دولت سے اپنا ہاتھ رنگنے لگے۔ گوا کا پرتگالی اڈا جو ہند میں اس لوٹ مار کا مرکز بن گیا تھا۔ بلکہ گوا کے ہاتھ آجانے سے ہی ملاکا تباہ و برباد ہوا۔ جاوا۔ سماٹرا اور دوسرے جزائر شرق الہند پر پرتگالیوں نے قبضہ کر ڈالا۔ گوا کے علاوہ پرتگالیوں کے پاس ساحل ہند کے اور علاقے مثلاً دیو دمن اور بمبئی بھی تھے۔ مگر گوا کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ بہت عرصہ تک پرتگالی ہی سمندروں کے بادشاہ کہلاتے تھے۔ مگر دوسری یورپی قوموں کو بھی پرتگالیوں کی دیکھا دیکھی لوٹ مار کا شوق چرایا۔ وہ بھی اس عام سمندری لوٹ کھسوٹ میں شامل ہو گئے۔ مجبوراً پرتگال کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ چنانچہ ہالینڈ۔ فرانس اور برطانیہ کے ہاتھوں مسلمانوں کی مٹی پلید ہونے لگی ان بھوکے لیٹروں نے لوٹ کھسوٹ کو منظم کرنے کے لئے تجارتی کمپنیاں کھول کر اپنا کاروبار چلایا تاکہ اس بہانے اپنی حکومتوں کی بھی سیاسی اور اخلاقی امداد حاصل کی جائے۔ اور لوٹ کھسوٹ کو منظم طریقے پر جاری رکھا جا سکے۔ یورپ کے یہ کنگال اور لیٹرے تاجر بھی باقیماندہ مسلمان حکومتوں اور تجارت پر قابض ہو گئے۔

ہندوؤں نے ان طاقتوں کی بھی مسلمانوں کے خلاف بہت مدد کی۔ اور خود بھی فائدہ اُٹھایا۔ آج بھی ایشیا میں ایشیائی ممالک کے خلاف ہندوستان سے بڑھ کر مغربی طاقتوں اور یورپی سامراج کا کوئی اور دوست نہیں اور ہندوستان کی مدد سے ہی مغربی طاقتیں ایشیائی ممالک پر قابض ہونے میں کامیاب ہوئیں۔ ہندوؤں کی ایشیائی ممالک سے غداری اور یورپ کی طاقتوں کی لوٹ کھسوٹ کی پالیسی اور ایشیائی اقوام کی بربادی ایک دردناک داستان بن چکی ہے۔ جس میں برطانیہ کا ظالمانہ پارٹ بھی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ برطانیہ کا مفاد بھی مدتوں ان یورپی طاقتوں سے وابستہ رہا ہے۔ ہالینڈ والوں کی دیکھا دیکھی انگریزوں نے ملکہ ایلزبتھ اول کے عہد میں ایک

تجارتی کمپنی اس مقصد کے لئے قائم کی تھی۔ تاکہ اس ایشیائی لوٹ کھسوٹ میں شرکت کی جائے۔ مقصد یہ تھا۔ کہ ہندوستان اور دیگر ایشیائی ممالک کی دولت سے فائدہ اُٹھایا جائے بلکہ اُس دولت کی منظم طریقوں سے باآسانی لوٹ کھسوٹ کی جائے۔ برطانیہ کا تجارتی قافلہ جب ۱۶۰۳ میں ہندوستان سے واپس برطانیہ پہنچا۔ تو وہ اپنے ہمراہ ۱۰۳۰۰۰۰ پونڈ وزن کے گرم مصالحے لایا۔ سونا چاندی۔ قیمتی ریشمی کپڑے بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ یہ سامان ٹھکانے لگا کر ایک اور تجارتی قافلہ ہندوستان کو روانہ ہوا۔ جس نے سنہ ۱۶۱۲ء میں سورت کے مقام پہ اپنا اڈا قائم کیا۔ اور یہی تجارتی اڈا ہندوستان پہ انگریزوں کے قابض ہونے کا پہلا مورچہ کہلاتا ہے۔ سورت کے تجارتی اڈا کی مدد سے انگریز نہ صرف ہندوستان پہ قابض ہوئے بلکہ دیگر ایشیائی ممالک اور افریقہ پہ بھی قابض ہونے میں کامیاب ہوئے۔ سورت کے بعد انگریزوں نے مسولی پٹم پہ اپنا قبضہ جمایا۔ اور ۱۶۴۷ء تک ہندوستانی ساحل پہ انگریزوں کے ۲۳ تجارتی اڈے قائم ہو گئے تھے۔ ہندوستان والوں نے اور خود مغلیہ بادشاہوں نے انگریزوں کی حوصلہ افزائی کی۔ اور اُن کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ اسی دوران میں سنہ ۱۶۱۵ء میں سر تھامس رو بھی مغلیہ دربار میں انگریزی سفیر بن کر آیا۔ اُس وقت شہنشاہ جہانگیر کی حکومت کا زمانہ تھا۔ جو اپنے عدل و انصاف اور رعایا کی خوش حالی کی وجہ سے ساری دنیا میں مشہور تھا۔ برطانوی سفیر ہندوستان کی خوش حالی کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا سنہ ۱۶۶۵ء میں انگریزوں کو بمبئی مل گیا۔ بمبئی کے ہاتھ آجانے سے سورت کے بجائے انگریزوں نے اپنا سیاسی اور تجارتی مرکز بمبئی ہی بنایا۔ اس طرح انگریزوں کو اندرون ملک میں ریشہ دوانیوں کا موقع مل گیا۔ ہندوؤں نے انگریزوں کی ملازمت اختیار کر لی اور خوشامد اور چاپلوسی سے کام لیتے ہوئے انگریزوں کو مسلمانوں کے خلاف اُکسایا۔ انگریز بھی اندرونی طور پہ مسلمانوں کے خلاف تھے۔ ہندوؤں کی مدد پاکر زیادہ دلیر ہو گئے۔ اس میں دونوں کا اپنا ذاتی فائدہ تھا وہ دونوں اس بہانے مسلمانوں کی تجارت پہ اپنا قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ اتفاق سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی قیادت مرچائلڈ کے پاس آگئی۔ جو مسلمانوں کا دشمن تھا اور سلطنت مغلیہ کا خاتمہ چاہتا تھا اُس نے یہ عام ہدایت کر رکھی تھی۔ کہ ہندوؤں کی مدد سے فائدہ اُٹھایا جائے اور ہندوؤں سے مل کر مغل سلطنت کو ختم کرنے کے لئے کام شروع کیا جائے۔ جب شہنشاہ اورنگ زیب کو انگریزوں کی اس چال کا پتہ چلا۔ تو اُس نے فوری ایسٹ انڈیا کمپنی کو سرزنش کی۔ مجبوراً انگریزوں کو مغل بادشاہ سے

معافی مانگنی پڑی۔ اور آئندہ کے لئے ملکی معاملات میں دخل نہ دینے کا وعدہ کیا۔ اور اپنے شرمناک طریقے سے باز رہنے کا یقین دلایا۔ شہنشاہ اورنگ زیب نے فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے انگریز تاجروں پر جرمانہ کر کے اُن کو معاف کر دیا۔ اور آئندہ کے لئے اُن کو مغل سلطنت کے خلاف سازش کرنے کی جرأت نہ ہو سکی (بعد میں انگریزوں نے اورنگ زیب کے خلاف غلط پراپگنڈا کر کے اپنی اس ذلت کا انتقام لیا)۔

اس عرصہ میں ہندوؤں کی غلامانہ ذہنیت نے انگریزوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑانے کے لئے آمادہ کیا۔ انگریزوں نے بھی ہندوؤں کی مدد سے اپنے پاؤں مضبوط شروع کر دیئے۔ سنہ ۱۶۹۰ء میں جب انگریز کلکتہ پہنچے۔ تو وہاں یہ موقع بہ آسانی مل گیا۔ وہاں ہندو ملازموں کی مدد سے وہ مسلمانوں کے خلاف منظم چالوں میں مصروف ہو گئے۔ کلکتہ اور بنگال کے حالات بمبئی سے مختلف تھے۔ لہذا بنگال کے راستے ہی انگریز آخرکار ہندوستان پر قابض ہوئے۔ مگر یاد رہے۔ کہ ہندوؤں کی غداری اور مسلمان دشمنی نے انگریزوں کی خاصی طور پر مدد کی۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف ہر مہم میں انگریزوں کا ساتھ دیا۔ ورنہ انگریز ہرگز کامیاب نہ ہو سکتے تھے۔

برطانیہ اسی زمانہ میں امریکہ پر بھی قابض ہو چکا تھا۔ اور وہاں کے اصلی باشندوں یعنی سُرخ قبائل کو قتل کر کے خوب مالدار بن بیٹھا تھا۔ نیز ہندوستان اور ایشیائی ممالک پر بھی قابض ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ برطانیہ کی خوش حالی کا زمانہ اُسی زمانہ سے شروع ہوتا ہے اس تعداد میں بے شمار دولت کے ہاتھ لگنے سے اور ان ممالک کے غلام بن جانے سے برطانیہ میں صنعتی انقلاب پیدا ہوا۔ اس بہانے ہندوستان اور چین کی تجارت کو ختم کر کے برطانیہ ہی تجارتی اور سیاسی میدان میں باقی رہ گیا۔ اور ہندوستان جنت نشان جو کبھی سونے کی چڑیا کہلاتی تھی۔ خود ہندو غداروں کے باعث گندگی اور غلاظت کا ڈھیر بن گیا۔ بلکہ ایشیا اور افریقہ کی تباہی کا باعث بھی ہندوستان ہی بنا۔

برطانوی تاریخ سے پتہ چلتا ہے۔ کہ جب تک فرانس ایک طاقتور سلطنت رہا۔ برطانیہ کچھ بھی نہ کر سکا۔ برطانیہ کے پاس فوج نہ تھی۔ اُس کی آبادی قلیل تھی اور ملک کے باشندوں کا پیشہ زراعت تھا۔ یورپی امارت کے افسانے اور مشرقی ممالک کی دولت کی کہانیاں برطانیہ پہنچ چکی تھیں۔ برطانیہ نے سب سے پہلے ہسپانیہ کے جہازوں کو لوٹنا شروع کیا۔ اور اُس کی لوٹ مار سے مالامال ہونے لگا۔ چھوٹی موٹی سمندری لڑائیوں میں فرانس کو بھی کمزور کرتا رہا۔ بالآخر

ملکہ الزبتھ اول نے برطانیہ کو عظمت دلائی۔ اور برطانوی جھنڈے کی عزت بڑھنے لگی۔ اسی زمانے میں برطانوی بحری بیڑے نے ہسپانیہ کے آرمیڈا کو زبردست بحری شکست دی۔ پھر ایسٹ انڈیا کمپنی نے مشرقی دولت پر ہاتھ صاف کیا اور امریکہ کی دریافت نے انگریزوں کو اپنے گھروں سے باہر نکلنے پر مجبور کیا۔ بہت مدت تک برطانیہ نے غلاموں کی تجارت سے بھی فائدہ اُٹھایا۔ اور افریقہ کی دولت کو بھی لوٹنے میں مصروف رہا۔ حتیٰ کہ برطانیہ کا بنک تمام دنیا کو خزانچی بن گیا اور لندن یورپ کی تجارتی منڈی بن گیا۔ برطانوی بحری بیڑے کی طاقت میں اضافہ ہوا اور فرانس کو اندرونی سازشوں سے کمزور کیا گیا۔ یورپ میں ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا جال پھیلا کر برطانیہ کو طاقت حاصل ہوئی۔ اور برطانیہ ہی نے اپنی برتری سارے یورپ پر قائم کر دی جرمنی کے میدان میں آنے سے بہت پہلے برطانیہ فرانس کو تقریباً ختم کر چکا تھا۔ جس وقت جرمنی نے سر اُٹھایا تو برطانیہ نے اُس کے ساتھ بھی وہی کھیل کھیلا اور دو بڑی جنگوں میں جرمنی کو شکست دے کر کمزور کیا گیا۔ اور اس طرح برطانیہ ہی یورپ میں توازن اقتدار قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ سلسلہ تین صدیوں تک جاری رہا۔ کہیں رشوت سے کام لیا گیا۔ اور کہیں اندرونی سازشوں سے مطلب برآری کی گئی۔ مختلف نوآبادیات سے فرانس کو نکال کر بالآخر کنیڈا اور امریکہ سے بھی فرانسیسی اثر و اقتدار کا خاتمہ کیا گیا۔ مگر فرانس نے تہذیبی لحاظ سے برطانیہ پر قبضہ کر لیا۔ لندن کے تھیٹر فرانسیسی ادیبوں کے لکھے ہوئے ڈرامے پیش کرتے رہے حتیٰ کہ گبن بھی فرانسیسی زبان میں لکھتا تھا۔ انگریزی دربار میں فرانسیسی زبان بولی جاتی رہی۔ انگریزی زبان نے بھی فرانسیسی زبان سے بہت سے استعارے اور محاورے ادھار لے کر انگریزی زبان کا جزو بنائے۔ خود انگریزی طرز تکلم بھی فرانسیسی طرز تکلم کی نقل بن گیا ہندوستان میں فرنگی لفظ عام طور پر انگریزوں کے بارے میں بولا جاتا ہے۔ مگر فرنگی دراصل فرنگ سے نکلا ہے۔ جو عرب ملکوں میں فرانسیسیوں کے بارے میں استعمال ہوتا ہے۔ فرینک سے بگڑ کر فرنگی بن گیا۔ جو تمام یورپی اور انگریزوں کو بولا جاتا ہے۔ برطانیہ اور روس کا سمجھوتہ بھی فرانسیسی زبان میں طے پایا تھا۔ بلکہ تمام بین الاقوامی عہد و پیمان اور عہد نامے بھی فرانسیسی زبان میں طے پانے لگے۔ غیر ممالک میں جو برطانوی سفیر اپنے کاغذات سفارت پیش کرتے تھے۔ وہ بھی اکثر فرانسیسی زبان میں بات چیت کرتے تھے۔ یہ تو رہا برطانیہ پر فرانس کا تہذیبی قبضہ۔ لیکن فرانس کے ہاتھوں برطانیہ کو امریکائی نوآبادیات سے بھی ہاتھ

دھونا پڑا۔ فرانس نے برطانیہ کے خلاف امریکہ کی جنگ آزادی میں ہر ممکن اخلاقی۔ مالی۔ جانی اور عملی طور پر مدد دی۔ چنانچہ امریکہ برطانیہ کے ہاتھ سے جاتا رہا۔ گو برطانیہ سے بھی امریکہ کے بارے میں بہت سی غلطیاں سرزد ہوئیں۔ امریکہ کی آبادی پر بغیر امریکہ والوں کی مرضی کے زبردستی ٹیکس عائد کئے گئے۔ جس نے جلتی آگ پر تیل ڈال دیا۔ برطانیہ نے ہر ممکن کوشش کی۔ کہ امریکہ کی تحریک آزادی کو کچل کر رکھ دے۔ مگر فرانس اور دوسری یورپی طاقتوں کی مدد سے اور خود امریکہ والوں کی جدوجہد سے تحریک آزادی نے زیادہ زور پکڑا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی آزاد حکومت قائم ہوئی۔ اور برطانیہ کو مجبوراً اسے تسلیم کرنا پڑا۔ گویا برطانوی اقتدار کے خلاف ایک عام جذبہ پیدا ہوا۔ جس نے بالآخر آزادی کو دوسری تحریکوں کو بھی جنم دیا۔ ایک دن ایسا آیا۔ کہ برطانیہ کا سورج ڈوب گیا۔ اور وہ دوبارہ طلوع نہ ہو سکا

فکرِ دُنیا ۔ غمِ برطانیہ

اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ ہر ایک قوم کی تاریخ تلوار اور تیر کمان کے دور سے گزر چکی ہے۔ مختلف اقوام کی جنگوں اور لڑائیوں کے بارے میں صدہا واقعات تاریخ کے اوراق میں ملتے ہیں۔ مختلف قبائل کی باہمی لڑائیاں اور خانہ جنگیاں۔ لوٹ۔ مار۔ قتل و غارت اور فسادات کے متعلق تاریخ کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ اسکندر اعظم سے لے کر تاتار انگھ تک کی جنگی فتوحات کا ذکر بڑے طمطراق سے کیا جاتا ہے۔ گویا انسانی تاریخ کے ہر زمانہ میں اسلحہ بندی اور اسلحہ سازی کے علاوہ جنگی واقعات بھی عام بکھرے ہوئے ہیں۔ مگر یورپ اور برطانیہ میں بندوق۔ اور پستول اور توپ کا زمانہ طاقت اور غلبہ کا زمانہ بن گیا۔ اور جدید ہتھیاروں نے تیر کمان اور کرپان استعمال کرنے والوں کو آسانی سے یورپی اقوام کا غلام بنا ڈالا۔ ان تمام طاقتوں میں برطانیہ نے سب سے زیادہ مقبوضات پر قبضہ کیا۔ اور برطانیہ کی اسلحہ سازی اور اسلحہ بندی نے دوسری قوموں کو اسلحہ سازی پر مجبور کیا۔ اور اسلحہ بندی ہی طاقت کا فیصلہ کرنے لگی۔ اور سیاسی اقتدار کو بڑھانے کا ذریعہ بن گئی۔ یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ گویا موت کے سوداگر برابر اسلحہ سازی کی دوکانداری میں اپنے خوفناک کاروبار

میں مصروف ہیں۔ پروفیسر رائٹ نے اپنی کتاب "جنگ کا مطالعہ" میں لکھا ہے۔ کہ پچھلی پانچ صدیوں میں انسانی تاریخ میں سب سے زیادہ لڑائیاں برطانیہ نے لڑی ہیں۔ کوئی ایک سو لڑائیاں یورپ اور ایشیا میں لڑی گئیں ہیں ایک سو دس لڑائیاں تو امریکہ کے سرخ باشندوں کو ختم کرنے کے لئے شروع کی گئیں۔ گویا برطانیہ ہی انسانی تاریخ میں قتل وغارت لوٹ مار اور ظلم وستم کے افعال کا زیادہ مرتکب رہا ہے۔ چین وجاپان نے جو لڑائیاں لڑی ہیں۔ وہ مغربی طاقتوں کے جارحانہ تدخل کے طور پر محض انسانی خودداری کی حفاظت کے لئے مجبوراً لڑیں۔ ورنہ چینیوں اور جاپانیوں کو لڑائیوں کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اور نہ ہی ان کی تاریخ جارحانہ رہی ہے۔ اس طرح اسلحہ سازی ہی برطانیہ کی نفع بخش صنعت بن گئی۔ اور کمزور اقوام کی لوٹ کھسوٹ۔ قتل وغارت اور بربادی کا اولین ذریعہ قرار پائی۔ در اصل کمزور قومیں اپنی حفاظت کے لئے برطانیہ کے اسلحہ ساز کارخانوں سے اسلحہ خریدنے پر مجبور ہوئیں۔ برطانیہ کے اسلحہ ساز کارخانوں کی آمدنی میں اضافہ ہونے لگا اور اسلحہ فروخت کرنے کے لئے مختلف ممالک میں اسلحہ ساز کارخانوں کے ایجنٹ طرح طرح کی ریشہ دوانیاں پھیلانے اور سازشوں کو بڑھانے میں مصروف ہو گئے۔ خون خرابہ کرایا گیا۔ جھگڑے پیدا کئے گئے۔ سرحدات کے تنازعات نے جنگی صورت پیدا کر دی۔ بلوے کرا کر فسادات پیدا کئے گئے۔ فوجی لام بندی کی نوبت پہنچ کر اسلحہ کی خریداری کے لئے برطانوی اسلحہ ساز کارخانوں کو زیادہ تعداد میں آرڈر ملنے لگے۔ اور اس طرح زیادہ منافع کمایا گیا۔ اس کے لئے مختلف اقوام میں لڑائیاں پیدا کر کے اسلحہ کو دونوں فریقین کے درمیان فروخت کیا گیا۔ اور ایک ہی کارخانہ کے بنے ہوئے ہتھیاروں سے ایک دوسرے کو قتل کیا گیا۔ اُن کی موت سے اسلحہ ساز کارخانوں کی تجارت میں ترقی ہونے لگی ڈر اور خوف سے ایسی فضا پیدا کی۔ کہ نیشنلزم کی آڑ لے کر تمام قومیں اسلحہ بندی میں مصروف ہو گئیں۔ اور اسلحہ سازی کے کاروبار کو دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہوئی۔

برطانیہ کے اسلحہ ساز کارخانے دو صد سال سے زیادہ تعداد میں اور جدید ترین قسم کے ہتھیار بنانے میں مصروف ہیں۔ اور اُن کی فروخت کے انتظامات بھی اُسی طرح مکمل کئے جاتے ہیں۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم نے برطانیہ کے اسلحہ ساز کارخانوں کو سنہری موقع دیا۔ کہ وہ خوب نفع کمائیں۔ اب بھی ملکی دفاع کا سارا بجٹ اسلحہ ساز ٹھیکہ داروں کے

حوالے کیا جاتا ہے۔ کمزور اقوام کی اسلحہ بندی سے کروڑہا روپیہ انہی برطانوی اسلحہ ساز ٹھیکہ داروں کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ غریب ممالک کے عوام کو قومی دفاع کے نام پر خوب لوٹا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان ممالک کے غریب عوام کو ننگا بدن اور بھوکے پیٹ زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ تاکہ قومی دفاع مضبوط کیا جا سکے۔ اور اس طرح اسلحہ بندی ہی قومی بجٹ کا زیادہ حصہ چٹ کر جاتی ہے۔ حالانکہ وہی سرمایہ ملک کی خوراک مفت مہیا کر سکتا ہے۔ اور اُسی سرمایہ سے ہر ایک شہری کے لئے مفت رہائش کا بندوبست فوری طور پر کیا جا سکتا ہے۔ کوئی شخص ننگا بدن نہیں رہ سکتا۔ اور نہ ہی بغیر علاج کے چھوڑا جاتا ہے۔ نہ ہی کوئی شخص بھوکا رہ سکتا ہے۔ مگر اسلحہ ساز ٹھیکہ داروں کو بہرحال اپنا نفع حاصل کرنا ہوتا ہے۔ یہ موت کے سوداگر پسماندہ اقوام کے بجٹ کا زیادہ حصہ خود ہضم کر جاتے ہیں۔ اسی نفع اندوزی سے اُن ممالک کا سرمایہ دار طبقہ بھی اپنے ہاتھ خوب رنگتا ہے۔ بلکہ فوجی افسر اسلحہ ساز کمپنیوں سے زیادہ سے زیادہ کمیشن حاصل کرتے ہیں۔

برطانیہ کی سب سے بڑی اسلحہ ساز فیکٹری کے حصہ دار سابقہ وزرا۔ سابقہ واُسرائے پادری صاحبان۔ فوجی کمانڈر اور بڑے بڑے سرمایہ دار ہوتے ہیں۔ یہی لوگ اسلحہ بندی کی آڑ میں ملک کا خزانہ کھا جاتے ہیں۔ اور ڈکار تک نہیں لیتے۔ اور قومی دفاع کے نام پر زیادہ سے زیادہ نفع کماتے ہیں۔ گویا قومی دفاع ایک مہذب چوری ہے اور نفع اندوزی کا خفیہ ہتھیار ہے۔ اعتراض کرنے والے شخص کو باغی قرار دے کر غدار ثابت کر کے ملکی دفاع کے نام پر اُسے گولی مار دی جاتی ہے۔ اسلحہ سازی کے ٹھیکہ دار ہی تمام قومی زندگی کے اجارہ دار بن جاتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ طاقتور طاقتوں کے مقابلے میں کمزور قوم کی اسلحہ بندی کی کیا ضرورت ہے؟۔ کمزور ممالک کو اسلحہ بندی سے کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟ ظاہراً طاقتور ممالک کے مقابلے میں کمزور ممالک کی اسلحہ بندی فضول اور غیر ضروری ہے۔ بلکہ ایک مذاق کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن انہی کمزور ممالک کی اسلحہ بندی سے اسلحہ ساز ٹھیکہ دار نفع کماتے ہیں۔ اور غریب عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی موت کے سوداگروں کے پاس بہ آسانی پہنچ جاتی ہے۔ یہ تو انسانیت کے خلاف کھلم کھلا غداری ہے۔ کمزور ممالک کے مسائل تو اسلحہ بندی سے بالاتر ہیں۔ یہ بین الاقوامی چور بازاری اور لوٹ کھسوٹ کی مہذب صورت ہے قومی دفاع کی آڑ لے کر یہ کھیل کھیلے جاتے

ہیں۔ متحدہ محاذ یا مشترکہ دفاع کے پس پردہ بھی نفع کمایا جاتا ہے۔ قومی ٹھیکہ دار اتحادی ممالک کے ذوجی ٹھیکہ داروں کے مشترکہ ملاپ سے اسلحہ بندی کو پھیلاتے ہیں۔ اور اسلحہ بندی کو بین الاقوامی حیثیت سے ترقی دی جاتی ہے۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں امریکہ اُس وقت تک جنگ میں شامل نہیں ہوا۔ جب تک وہ جرمنی کے اسلحہ سازوں سے نفع حاصل کرتا رہا۔ یہ نفع ختم ہوتے ہی وہ جنگ میں کود پڑا۔ دوسری جنگ عظیم سے تھوڑا عرصہ پیشتر برطانیہ کے اسلحہ ساز ٹھیکہ دار ہٹلر کے اسلحہ سازوں سے گفت و شنید میں مصروف تھے۔ اور ایک دوسرے کو جنگ کے دوران میں اپنی ہمدردی اور امداد کا یقین دلاتے تھے۔ گویا دو دشمن ممالک کے اسلحہ ساز ٹھیکہ دار اپنی حکومتوں سے بالاتر ہوکر آپس میں دوستی کا عہد و پیماں باندھ سکتے ہیں۔ جنگ کے خاتمہ پر اسلحہ ساز ایجنٹ اپنی اپنی قوم کے سامنے خیر خواہ بن کر آتے ہیں۔ پریس اور سیاسی لیڈروں کو بھاری رشوتیں دے کر اسلحہ بندی کا پراپگینڈہ کرایا جاتا ہے۔ اور عوام پر یہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ کہ اسلحہ بندی سے ہی قومی خوشحالی اور فارغ البالی میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ نیز دشمنوں سے بچاؤ کے لئے اسلحہ بندی ضروری ہے۔ بین الاقوامی ریشہ دوانیوں سے اپنے پراپگینڈا کو زیادہ تقویت پہنچائی جاتی ہے۔

مختلف ممالک کے حکمرانوں کو بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ ملا دیا جاتا ہے۔ چونکہ وہ خود اسلحہ سازی کے منافع میں شریک ہوتے ہیں۔ لہذا بین الاقوامی تنازعات کو زیادہ اُلجھا کر ایسے حالات پیدا کئے جاتے ہیں۔ جس سے اسلحہ بندی کا کام تیز کیا جاسکے۔ بلکہ عوام ہی اسلحہ بندی کا مطالبہ شروع کر دیتے ہیں۔ دونوں فریقین کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کر کے اسلحہ بندی کو دونوں طرف شروع کیا جاتا ہے۔ برطانیہ کے اسلحہ ساز ایجنٹ ان شیطانی حرکتوں میں شیطان کو بھی کان پکڑواتے ہیں۔ اور وہ بین الاقوامی تنازعات پیدا کرنے میں ماہر ہوتے ہیں۔ کرنل لارنس اور گلب پاشا جیسے متعدد اشخاص اور اُن کے چیلے چانٹے دونوں طرف کدورتوں اور عداوتوں کی آگ کو بھڑکا کر اسلحہ بندی کی مہم کو چلانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح دنیا کے امن و امان کو محض چند اسلحہ ساز ٹھیکہ داروں کے منافع بڑھانے کے لئے تہ و بالا اور برباد کیا جاتا ہے۔ ڈر خوف۔ شک۔ ہراس۔ وسوسہ اور بدگمانیاں پیدا کر کے تہذیب و شرافت کی مٹی پلید

کی جاتی ہے۔ عوام کی مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور اُن کو زیادہ مصائب جھیلنے پڑتے ہیں۔ بدگمانیاں بڑھ جانے سے عالمگیر جنگ کی طیاریاں شروع ہو جاتی ہیں اور شیطان پاس کھڑا دیکھ کر مسکراتا ہے۔ کہ شیطانی ایجنٹ خود شیطان کو مات کرتے ہیں۔

دراصل سیاسی بدگمانیاں اور ریشہ دوانیاں بالآخر قومی دفاع کا مسئلہ پیش کرتی ہیں۔ برطانیہ کا دفاعی معاملہ بھی آج کل زیر بحث ہے۔ کیونکہ دفاعی اخراجات کے بڑھ جانے سے برطانیہ فکرمند ہو رہا ہے۔ نیز امریکہ اور روس کے مقابلہ میں برطانیہ کی سیاسی اور دفاعی پوزیشن بہت گھٹ چکی ہے۔ اسی لئے دفاعی اخراجات کو کم کرنے کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ دفاع سے نپٹنا اور اس سے متعلقہ بین الاقوامی تعلقات اور دفاعی تنظیموں کے بارے میں برطانیہ سوچنے پر مجبور ہے۔ نیز اپنے اتحادیوں سے دفاعی معاملات پر صلاح و مشورہ لینا۔ دولت مشترکہ کے ممالک سے تعلقات قائم رکھنا اور اُن کی افواج کو دفاعی آلات سے لیس کرنا اور مختلف دفاعی کانفرنسوں کا انتظام وغیرہ۔ بالآخر بین الاقوامی اسلحہ بندی کی کانفرنسوں میں حصہ لینا یہ تمام دردسری بھی برطانیہ کے سر پر آپڑی ہے گو ملک کی دفاعی چابی شاہی حکمران کے پاس ہے۔ مگر وزیر دفاع پارلیمنٹ میں دفاعی امور کے بارے میں ملک کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے۔ اور سالانہ اخراجات کی منظوری بھی پارلیمنٹ سے حاصل کرتا ہے برطانیہ کی دفاعی پالیسی ہر سال زیر بحث لائی جاتی ہے۔ جبکہ وزیر دفاع اپنی سالانہ رپورٹ پارلیمنٹ کو پیش کرتا ہے۔ ۱۹۵۷ء کے دفاعی قرطاس ابیض کے تحت پانچ سالہ پروگرام پیش ہوا۔ تاکہ دفاعی انتظامات کو بین الاقوامی حالات کے تحت مناسب طور پر تبدیل کیا جائے۔ نیز ایٹمی ترقیوں کے پیش نظر دفاعی نظام کو ضروری تبدیل کرنے کے لئے مختلف تدابیر پیش کی گئیں۔ یہ دفاعی پروگرام برطانوی تاریخ میں انقلابی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ ایک دفاعی انتظامیہ کمیٹی اُن امور کے بارے میں سوچ بچار میں مصروف ہو گئی۔ کہ آئندہ کن ذرائع سے اور کن طریقوں سے دوسرے ممالک کے ساتھ مل کر دفاعی انتظامات مکمل کئے جائیں۔ نیز برطانیہ اپنے دور دراز علاقوں کی کس طرح حفاظت کر سکتا ہے۔ چنانچہ نئے پروگرام کے تحت برطانوی فوجوں کو زیادہ ہتھیار بند کیا جائے گا۔ گو اُن کی تعداد کم رہ جائے گی۔ اس کے علاوہ اُن کی دفاعی طاقت میں بھی زیادہ مضبوطی اور سختی پیدا کی جائے گی۔ فوجوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے بہترین ذرائع استعمال میں لائے جائیں گے۔ دفاعی مقصد یہ رہ جائے گا۔ کہ

جنگ کیسے روکی جائے؟ - لڑائی میں پیش قدمی خودکشی کے مترادف ہوگی
فتح و شکست کا مفہوم ختم ہو جائے گا - بلکہ فتح کا سرے

سے وجود ہی باقی نہ رہے گا - تجارت کو بڑھانا - پس ماندہ ممالک کو اقتصادی طور پر مضبوط کرنا ان نئے ذرائع کو بھی جنگ جیتنے کے لئے استعمال میں لایا جائے گا - تاکہ آزادی کی حفاظت ہر ممکن طریقے سے کی جا سکے - اور کمزور ممالک کو کمیونسٹ بلاک میں شامل ہونے سے روکا جائے۔

انہی حالات کے پیش نظر فوجوں کی تعداد کو جنگ عظیم کے خاتمہ پر بہت کم کر دیا گیا تھا - مگر کوریا کی جنگ نے پھر جنگی سرگرمیوں کو تیز کر دیا - اور کوریا کے جنگ کے خاتمہ پر بین الاقوامی اقتصادی تبدیلیوں کا دفاعی پروگرام پر براہ راست اثر پڑا - یعنی دفاعی اخراجات کے بوجھ کو بُری طرح محسوس کیا گیا - خام اشیا کی قیمتیں پس ماندہ اقوام میں گرنے لگیں - جس سے اُن ممالک کی اقتصادی ابتری اور تباہ حالی شروع ہوئی - نیز اُن ممالک کی دفاعی سرگرمیوں میں بھی کمزوری آنے سے دفاعی مورچہ بندیاں بھی کمزور ہونے لگیں - اب یہ ضرورت محسوس ہوئی - کہ طاقتور ممالک کی شہری آبادی کی تنظیم بھی دفاعی پروگرام میں شامل کی جائے - بلکہ قومی دفاع کے لئے شہری تنظیم اشد ضروری ہو گئی - کوریا کی جنگ کے خاتمہ پر سارا زور شہری آبادی کی دفاعی تنظیم پر مرکوز ہونے لگا - اسی لئے ۱۹۵۶ء کے قرطاس ابیض میں شہری دفاع پر زیادہ توجہ دی گئی تھی - تاکہ شہری تنظیم کی وجہ سے شہریوں کو آفت زدہ علاقوں سے محفوظ علاقوں میں منتقل کرنے میں آسانی ہو سکے - آگ بجھانے کا انتظام - زخمیوں کی دیکھ بھال - شہریوں سے مل کر کام کرنا اور شہری حفاظت کا کام کرنا وغیرہ یہ تمام امور شہری تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں - جن کا قومی دفاع سے گہرا تعلق قائم ہو چکا ہے - آئندہ کے لئے جنگ کو روکنے کی تدابیر کو مکمل کرنا رہ گیا ہے - اگر اتفاقیہ جنگ چھڑ جائے - تو سوائے آگ بجھانے اور زخمیوں کی دیکھ بھال اور شہریوں کی تنظیم کے علاوہ اور کچھ بھی کام نہ ہوگا - ہر ایک شہری کو ذاتی دفاع کے لئے طیار ہونا پڑے گا اور اس کا اولین کام یہ رہ جائے گا - کہ ہر ممکن طریقے سے اپنی جان بچائے - گویا قومی دفاع کا مقصد قومی قبرستان کی حفاظت اور چوکیداری رہ گیا ہے - دفاع کا مسئلہ بہت سادہ اور آسان ہو گیا ہے - یعنی ہر ایک شہری اپنے آپ کو بچائے - اور دوسرے شہری کی مدد کرے ؎

رہے باقی نام اللہ کا

گول مول باتیں

برطانیہ اس وجہ سے صنعتی ترقی کر سکا اور تجارتی میدان میں بھی آگے بڑھ گیا۔ کیونکہ سارے ملک میں امن داماں قائم تھا۔ قانون اور انصاف کی حکومت رائج رہی۔ لوگوں کے دلوں سے ظالموں اور ظالمانہ قوانین کا خوف دور کر دیا گیا۔ مجرمانہ حرکات کو قوانین کے شکنجے تلے دبایا گیا۔ جس سے بنکوں۔ انشورنس کمپنیوں اور تجارتی اداروں کو آزادانہ طور پر اپنا کام چلانے کی آزادی حاصل رہی۔ آج بھی عوام کو سیاسی۔ مجلسی اور مذہبی آزادی حاصل ہے۔ اور وہ آزادی سے اپنے کاروبار میں مصروف ہیں۔ برطانیہ کا محکمہ عدالت آزاد اور خود مختار ہے۔ اور بغیر خوف اور جھجک انصاف کرتا ہے۔ قانون اور آئین ملکی کا محافظ ہے۔ عدالت کا تعلق شاہی حکمران سے ہے۔ اور اختیارات بھی اُسی سے حاصل ہیں۔ عدالت اپنے فیصلوں کے معدان میں گورنمنٹ کی پالیسی کے خلاف بھی اپنی رائے دے سکتی ہے اور پارلیمنٹ کے پاس کردہ قوانین پر اعتراض بھی کر لیتی ہے۔ بعض اوقات گورنمنٹ کو مجبور کیا جاتا ہے۔ کہ وہ اپنی قانونی پالیسی کی وضاحت کرے، یا اُس میں مناسب آئینی ردّ و بدل کرے۔ گورنمنٹ بھی عدالت کے فیصلوں کا احترام کرتی ہے۔ اور اُس کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی عدالتی انصاف اور آئینی روایات کا احترام ملکی پولیس کی شرافت اور اعلیٰ حسن کارکردگی کا بھی محتاج ہے۔ برطانوی پولیس نہایت ہی ہوشیار اور دیانتدار ہے۔ اور صحیح معنوں میں قوم کی خدمت کرتی ہے۔ پولیس کا معمولی سپاہی ہو یا اعلیٰ افسر وہ سب اپنا اپنا روزمرہ کا کام بہت مستعدی اور ایمانداری سے سرانجام دیتے ہیں۔ اور انصاف کی حفاظت کرتے ہیں۔ ملک کی سیاسی جماعتیں، انتخابی رسہ کشی محض قومی خدمت کے لئے کھیلتی ہیں۔ سیاسی حریف یا رقیب کو گرانے اور ذلیل کرنے کے لئے کسی قسم کی کمینہ حرکت نہیں کی جاتی۔ ہر ایک پارٹی اپنا اپنا سیاسی کھیل کھیلتی ہے۔ دوسرے کو ذلیل و خوار نہیں کیا جاتا۔ پارٹی لیڈروں کے ذاتی تعلقات بہت دوستانہ رہتے ہیں۔ ہارنے والے اُمیدوار اپنے مخالف اُمیدوار کو اس کی کامیابی پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ کامیاب پارٹی کے افراد فراخدلی سے ساری قوم کی خدمت کرتے ہیں۔ وہ مخالف پارٹی کے خلاف کم ظرفی سے کام نہیں لیتے۔ اُن سے

نہ ہی رقیبانہ انتقام لیتے ہیں۔ بلکہ اُلٹا مخالف پارٹی کی نکتہ چینی کا احترام کیا جاتا ہے اور اُن کی نکتہ چینی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

سیاسی زندگی کو کرکٹ کا کھیل سمجھ کر کھیلا جاتا ہے۔ انگریز اپنے آپ کو اچھا کھلاڑی سمجھتے ہیں۔ لہٰذا وہ کسی کھیل میں مکروہ اور ناجائز حرکت نہیں کرنے پاتے۔ وہ کھیل میں ہارنا منظور کرتے ہیں۔ مگر کھیل جیتنے کے لئے مکروہ اور اوچھے طریقے استعمال نہیں کرتے۔ کھیل جیتنے کے لئے ایمانداری اور محنت سے کوشش کرتے ہیں۔ ایک مشہور انگریزی مقولہ ہے کہ یہ کرکٹ نہیں ہے۔ اس قومی عادت سے سیاسی کھیل کو بھی ایمانداری سے کھیلا جاتا ہے۔ اقتدار کچھ بھی دلکشی نہیں رکھتا اور نہ ہی اقتدار حاصل کرنے کے لئے وہ ایک دوسرے کو گراتے ہیں۔ ہر سیاسی لیڈر اپنی زندگی کا مشن رکھتا ہے۔ اور سب سے بڑا مشن عوام کی بہبودی ہوتا ہے۔ اس لئے عوام سے بالاتر ہو کر کوئی بھی اپنی فوقیت نہیں جتلاتا۔ بہت سے ممبران پارلیمنٹ ایسے بھی ہیں۔ جو عہدوں سے نفرت رکھتے ہیں۔ وہ صرف اپنے خیالات کو قوم کے سامنے پیش کرنے کے لئے پارلیمنٹ کا رخ کرتے ہیں۔ اور یہی اُن کی زندگی کا مشن ہوتا ہے۔ ایسے پارلیمنٹ کے ممبر عام طور پر کافی مالدار ہوتے ہیں۔ اور وسیع کاروبار کے مالک ہوتے ہیں۔ مگر وہ اپنے مشن سے اس قدر فریفتہ ہوتے ہیں کہ عہدہ قبول کرتے ہی اپنے ذاتی کاروبار سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ نقصان برداشت کر لیتے ہیں۔ لیکن اپنی دیانتداری پر حرف نہیں آنے دیتے اس کے برعکس ہمارے ملک میں عہدوں کو محض اقتدار کی خاطر اور ذاتی کاروبار کے بڑھانے کے لئے بھاری رشوتیں دے کر حاصل کیا جاتا ہے۔

برطانوی ممبران پارلیمنٹ میں سے بہت سے افراد ایسے بھی ہیں۔ جو قوم اور انسانیت کے لئے خاص مشن رکھتے ہیں۔ اور اُس مشن کو پارلیمنٹ کے اندر اور باہر پھیلاتے ہیں بلکہ اُس کی تکمیل کے لئے اپنی دولت جان و مال اور عہدے تک قربان کر دیتے ہیں کوئی ممبر امن کے لئے کوشاں ہے۔ کوئی جنگ روکنے کیلئے جہاد کرتا ہے کسے یہ فکر ہے کہ سگریٹ کا استعمال کم کیا جائے۔ کوئی عالمگیر گورنمنٹ کا پروپیگنڈا کرتا ہے۔ اور بین الاقوامی پارلیمنٹ کو منعقد کرنا چاہتا ہے۔ بہت سے افراد ایسے پائے جاتے ہیں۔ جو دنیا سے ٹیکسوں کی لعنت کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ بعض تعلیمی تبدیلیوں کے حامی ہیں ایسے بھی اشخاص موجود ہیں

جو مزدوروں کے حقوق کے لئے رات دن لڑتے ہیں اور محکوم اقوام کی آزادی کے لئے سینہ سپر رہتے ہیں۔ اور جو عہدوں پر اس لئے قابض ہیں بلکہ وہ قومی خدمت کا جذبہ لے کر عہدے قبول کرتے ہیں۔ ذاتی اقتدار اور وزارت کے لئے عہدوں سے چمٹے نہیں رہتے وہ اپنے عہدوں کو عوام کی بہبودی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اور اپنی خداداد قابلیتوں سے ساری قوم کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ ہر ایک فرد اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ اور اُسے قومی امانت خیال کرتا ہے۔ حتیٰ کہ سرکاری ملازمین تک اپنے آپ کو سوسائٹی کا خادم سمجھتے ہیں۔ اور اپنی ذات کو قومی خدمت کے لئے ایک معمولی کارکن کی حیثیت سے گمنام رہ کر نہایت ہی دیانتداری اور محنت سے استعمال میں لاتے ہیں۔ اپنی رائے منوانے اور من مانی کرنے کے لئے اقتدار حاصل نہیں کیا جاتا۔ نہ ہی وہ سرکاری ملازمت میں رہتے ہوئے اپنی ذاتی رائے کی اشاعت کرتے ہیں۔ وہ سیاسی شہرت حاصل کرنے کے لئے سیاسی سرگرمیوں میں کھلم کھلا دخل اندازی نہیں کرتے۔ اپنی سرکاری ڈیوٹی کو بکمال اہلیت سرانجام دیتے ہیں۔ وہ تمام پارٹیوں کے یکساں خادم کہلاتے ہیں۔ کسی ایک پارٹی سے براہِ راست کوئی ذاتی سروکار نہیں رکھتے۔

ممبران پارلیمنٹ کا بھی یہ حال ہے۔ وہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لئے کسی اسکندر مرزا کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش نہیں کرتے۔ نہ ہی کوئی انگریز سکندر مرزا بن کر سیاسی پارٹیوں سے دلچسپ دوانیاں کر سکتا ہے۔ وہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کرنے کے بجائے اپنے فرض کو ایمانداری سے سرانجام دیتا ہے۔ گویا پارلیمنٹ کو اقتدار آزمائی کا اکھاڑہ نہیں بنایا جاتا۔ اور نہ ہی عہدوں کے بھوکوں۔۔۔۔۔۔۔۔ کے لئے وہاں کوئی گنجائش ہوتی ہے۔ پارلیمنٹ ایک قومی کلب کی حیثیت رکھتی ہے جہاں پہنچ کر جملہ احباب اپنے ہم خیال دوستوں سے ملتے ہیں۔ ممبران پارلیمنٹ کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پارلیمنٹ ہی وہ جگہ ہے۔ جہاں کسی مشن کے کامیاب ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔ ممبران پارلیمنٹ حکومت کی غلط پالیسی کی مذمت کرتے ہیں۔ سیاسی پارٹیوں سے شمولیت اسی لئے کی جاتی ہے۔ کہ ملک میں انقلابی ذہنیت کی تربیت منظم طور پر کی جا سکے اور یہ سیاسی پارٹیوں کے ذوق شوق اور خدمت قوم کا نتیجہ ہے۔ کہ پادری لوگ تک بھی شرما کر یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ اُن کا سارا کام حکومت اور

پارلیمنٹ نے سنبھال رکھا ہے۔ اور وہ خود بیکار ہو چکے ہیں یا صرف مذہب کے اصلیب اٹھائے
پھرتے ہیں سیاسی پارٹیوں نے عوام کی بہبودی کا کام زیادہ توجہ سے شروع کر دیا ہے۔ جس
سے کلیسا کی سماجی اہمیت اور ضرورت تقریباً ختم ہو چکی ہے۔ حالانکہ پادری لوگ سماجی
بہبود کے کاموں میں ہمیشہ مصروف رہے ہیں۔ لیکن اب وہ تقریباً بیکار ہو چکے ہیں۔ سیاسی
پارٹیوں کی مقبولیت کا اندازہ اُن کے معاشرتی اور سماجی بہبود کے کاموں سے لگایا
جاتا ہے۔ اُن کی دیکھا دیکھی پادریوں نے بھی اب عملی سیاست میں حصہ لینا شروع
کر دیا ہے۔ تاکہ وہ قومی بہبود کے کاموں میں مساوی طور پر شریک ہو سکیں۔

ایک زمانہ تھا۔ کہ برطانوی مزدوروں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ غربت اُن کے پاؤں
پر زنجیر بن کر پڑی ہوئی تھی۔ صنعتی انقلاب اور نوآبادیات کی لوٹ کھسوٹ نے اُن کی
غربت کا خاتمہ تو کر دیا۔ مگر وہ ہمیشہ کے لئے کارخانہ داروں کے غلام بن گئے اور نہایت ہی
مکروہ پراگندہ اور غلیظ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے۔ زرعی زندگی کو وہ پہلے سے
خیرباد کہہ چکے تھے۔ صنعتی شہروں میں بیکاری کی لعنت کا شکار ہو گئے اور روزی کی
تلاش میں دربدر ٹھوکریں کھانے لگے۔ وہ کچھ بھی حقوق نہ رکھتے تھے۔ اُن کی زندگی
کارخانہ داروں اور سرمایہ داروں کے رحم و کرم پر تھی۔ جو اُن کی بہتری کی طرف مطلق
دھیان نہ دیتے تھے۔ مزدوروں کی بہبودی کے لئے کوئی بھی قوانین نافذ نہ تھے۔ کیونکہ
پارلیمنٹ پر بڑے بڑے کارخانہ داروں کا قبضہ تھا۔ جو اپنے خلاف کوئی بھی قانون بنانا
پسند نہ کرتے تھے۔ اُلٹا وہ اپنے تحفظ کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔ اُس زمانہ
کے مزدوروں کا معیار زندگی بھی بہت پست تھا۔ وہ ہفتوں بھوکے رہتے تھے۔ اُن کی
مزدوری کی اُجرتیں بھی بہت کم تھیں۔ جو اُن کی ضروریات کے لئے ناکافی تھیں کارخانہ دار
جیسا مناسب خیال کرتا تھا۔ وہی مزدور کے لئے پسند کرتا اور مزدور اُس کا کچھ بھی نہ بگاڑ
سکتا تھا۔ کیونکہ مزدوروں کو ٹریڈ یونین بنانے کا کوئی اختیار نہ تھا۔ بلکہ ایسا فعل
باغیانہ خیال کیا جاتا تھا۔ پہلا فیکٹری ایکٹ ۱۸۳۳ء میں بنایا گیا۔ جس کے تحت گورنمنٹ
نے ایک مرکزی ادارہ قائم کیا۔ جو فیکٹری ایکٹ کی دفعات کو نافذ کرائے۔ گو اس سے
پہلے ۱۸۰۲ میں عام بہبودی اخلاق اور صحت کے بارے میں بھی قانون بن چکا تھا جس

کے تحت کارخانہ داروں کے ظالمانہ اور بے رحمانہ رویہ میں بتدریج تبدیلی پیدا ہو چکی تھی لیکن فیکٹری ایکٹ کے منظور ہو جانے کے بعد یہ تبدیلی نمایاں طور پر ظاہر ہوئی - اور مزدوروں کی بہبودی کے لئے قانون نے اپنی تلوار سنبھال لی - یعنی مزدوروں کی زیادہ نگہداشت اور خبر گیری ہونے لگی - مجبوراً کارخانہ داروں کو فیکٹری ایکٹ کی سفارشات سے تعاون کرنا پڑا - اور مزدوروں کے بارے میں ہمدردانہ طور پر غور کیا گیا - اسی دوران میں ٹریڈ یونین اور دوسری مزدور جماعتوں نے بھی مزدوروں کے حقوق کی خاطر جہاد شروع کر دیا - اور مختلف اصلاحات کا مطالبہ ہونے لگا۔ حتیٰ کہ سنہ ۱۸۷۱ء میں ٹریڈ یونین کی تحریک کو مزدوروں کے بارے میں ہمدردانہ طور پر غور کیا گیا - اسی دوران میں ٹریڈ یونین کی تحریک مزدوروں کی بہبودی اور بہتری کی خاطر حکومت نے بھی تسلیم کر لیا - اور مزدوروں کی اُجرتوں اور ان کے اوقات کار گزاری کے بارے میں مناسب ترمیم کی گئی - اس کے بعد مزدور بھی اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے دلیری سے آگے بڑھنے لگے - اُن میں اخلاقی جرأت اور حوصلہ پیدا ہوتے ہی کارخانہ داروں کو ہوش آئی - کہ کہیں معاملہ ہاتھ سے باہر ہی نہ نکل جائے - لہٰذا مزدوروں کے بڑھتے ہوئے مطالبات کو انہوں نے ٹھکرانا شروع کر دیا - اور مزدوروں کی تحریک کی مخالفت شروع کر دی - جس کے نتیجہ میں طبقاتی جنگ اور نظریاتی چپقلش پیدا ہونے لگی - ملک بھر میں ہڑتالیں شروع ہو گئیں - مجبوراً کارخانہ داروں کو میدان چھوڑنا پڑا اور اُنہیں مزدوروں کے مطالبات کے آگے جھکنا پڑا -

.... مزدوروں کی اُجرتوں میں اضافہ ہونے لگا - اور ان کا معیار زندگی بھی بلند ہو گیا - گورنمنٹ نے باقاعدہ فیکٹری انسپکٹر ملازم رکھے جو فیکٹری ایکٹ کی دفعات کا قانونی طور پر تحفظ کر سکیں - اور مزدوروں کے حقوق کی نگہداشت کی جا سکے - پہلے تو یہ حال تھا کس نمے پرسد کے بھیا کیتی -

عورتوں اور نابالغوں کی ملازمت کی بھی شرائط مقرر کی گئیں - کارخانہ داروں کو مزدوروں کے متعلق تمام سفارشات ماننے پر مجبور کیا گیا -

کارخانہ داروں نے اپنی حفاظت کے لئے بھی برٹش ایمپلائرز کنفیڈریشن کا ادارہ قائم کیا - تاکہ مالکان کی مختلف جماعتوں کو ایک مرکز پر لایا جائے اور اس طرح ایک مرکزی ادارہ کے تحت گورنمنٹ اور مزدوروں کے خلاف مالکان کے مفادات کی بھی قانونی طور پر

ترجمانی کی جائے اس طرح یہ ادارہ بلا اس بات کے ہی مالکان سے ہدایات لے کر مناسب کارروائی کر سکے۔ نیز گورنمنٹ یا کارخانہ داروں کو وقتاً فوقتاً لیبر پالیسی کے بارے میں مشورہ دے سکے۔ اور انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن کے سامنے مالکان کے مفادات کی نمائندگی بھی کرنے۔ مالکان کے مخالفانہ رویہ نے مزدوروں کو بھی اپنی ٹریڈ یونین مضبوط کرنے پر آمادہ کیا اور اُن تمام مزدور یونینوں کو ایک مرکزی ٹریڈ یونین کانگرس سے الحاق کر دیا گیا۔ جو ملک بھر میں مزدوروں کی تمام انجمنوں کا مرکزی ادارہ بن گیا۔ مزدوروں کی اقتصادی اور معاشرتی زندگی کو ترقی دینے اور اُن کے باہمی تنازعات وغیرہ کا فیصلہ یہ تمام امور یہی مرکزی ادارہ سرانجام دینے لگا۔ سالانہ اجلاس کی رپورٹ اور ایجنڈا کا کام بھی اسی کو پیش ہوا۔ بلکہ گورنمنٹ یا مالکان سے براہ راست گفت و شنید کا حق بھی اسے حاصل ہو گیا۔ چنانچہ جہاں بھی مزدوروں کے مفادات کا سوال ہو۔ ٹریڈ یونین کانگرس وہاں ضرور موجود ہوتی ہے۔ یہ غیر سیاسی ادارہ ہے۔ لیکن ملک کی سیاسیات پر اس ادارہ کا بہت گہرا اثر و رسوخ قائم ہے۔ یعنی عام طور پر لیبر پارٹی اس ادارہ پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اور ٹریڈ یونین کانگرس بھی لیبر پارٹی کو متاثر کرتی ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ پر ٹوری پارٹی کے مقابلہ میں لیبر پارٹی کامیاب ہو گئی یہ ایک پرامن انقلاب کہلاتا ہے۔ لیبر پارٹی نے اپنے زمانۂ اقتدار میں بہت مفید سماجی بہبود کے قوانین نافذ کئے۔ اور ملک کو بتدریج سوشلزم کے راستے پر چلانے کا کام شروع کر دیا۔ اگر یہ پارٹی آئندہ انتخابات میں بھی کامیاب ہو جاتی۔ تو اصلاحات کا دروازہ کھل جاتا۔ اور سارا ملک سوشلزم کے زیر اثر آجاتا۔ مگر ٹوری پارٹی نے اپنی طاقت کو دوبارہ بحال کر دیا۔ اور وہ بھی لیبر پارٹی کی طرح عوامی مطالبات کو پورا کرنے میں مصروف ہو گئی۔ عوام کا معیار زندگی بڑھنے لگا۔ مزدوروں کی اُجرتوں میں اضافہ ہو گیا۔ اور وہ امیروں کے ہم پلہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ طبقۂ امرا ٹیکسوں کی زیادتی سے متوسط درجہ پر آ گیا۔ ملک سے غربت کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ سماجی تبدیلیوں نے ملک کا نقشہ ہی بدل ڈالا۔ ٹوری پارٹی کامیاب جماعت بن گئی۔ اور لیبر پارٹی سے زیادہ مقبولیت حاصل کر گئی۔ عام معیار زندگی کو بلند کرنے میں ٹوری پارٹی نے لیبر پارٹی کو مات کر دیا۔ پرانے اور بیہودہ مکانات گرا کر نئے مکانات تعمیر کئے گئے۔ شاندار

اسکول تعمیر ہوئے۔ بیکاری کم ہونے لگی۔ اُجرتوں میں نمایاں طور پر اضافہ ہوا۔ گو طبقاتی تفریق مکمل طور پر نہ مٹ سکی۔ مگر اس میں بھی بہت فرق پڑ گیا۔ عوام نے اس طبقاتی چھوت چھات کی ذلت کو کم کرنے کے لئے اپنے آپ کو سفید رنگ و نسل سے وابستہ کر دیا ہے تاکہ یکو اس بہانہ یہ طبقاتی تفریق کالے اور گورے کا سوال بن کر رہ جائے۔ اب برطانوی عوام اپنے سفید نسل سے ظاہر کر کے کالی مخلوق کے مقابلے میں برتری ظاہر کرتے ہیں۔ وہ اپنی پست حیثیت کو بھول چکے ہیں۔

پچھلے دو سو سالوں سے ملک کی آبادی میں بھی کافی اضافہ ہوا۔ شہروں کی آبادی تو زیادہ گنجان ہے مگر آبادی کے اضافہ کے ساتھ ساتھ زراعت اور جنگلات کے تحفظ کی طرف سے بھی گورنمنٹ غافل نہیں۔

مقامی اداروں کو اپنے طور پر رہائش کا مسئلہ حل کرنے اور نئے مکانات کی تعمیر کرنے کے پورے اختیارات حاصل ہیں۔ نیز رہائشی تعمیر کے لئے عماراتی سوسائٹیاں قائم ہیں۔ نئے مکانات برابر تعمیر ہو رہے ہیں۔ پرانے مکانات گرائے جا رہے ہیں۔ کئی منزلہ عمارتوں کا رواج عام ہو چکا ہے صاف ستھرے رہائشی فلیٹ آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ نئے شہروں کی تعمیر کا بھی کام شروع ہے۔ بہت سے نئے شہر جدید ڈیزائن کے تعمیر ہو چکے ہیں۔ گندے اور غلیظ بوسیدہ اور پرانے علاقے جو سلم کہلاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ ختم ہو رہے ہیں۔ یہ سلم صنعتی انقلاب کی یادگار ہیں۔ جہاں بیماریاں اور مہلک جراثیم پرورش پاتے ہیں۔ اور جرائم پیشہ آبادی وہاں سے پیدا ہوتی ہے ان تمام بدبودار علاقوں کو صاف کیا جا رہا ہے۔ ہٹلر نے برطانیہ کو سب سے بڑا فائدہ یہ پہنچایا کہ انہی بوسیدہ علاقوں پر جرمنی نے بمباری کی اور ان کو تباہ کیا۔

چنانچہ جنگ کے خاتمہ پر نئی تعمیر کا کام زوروں پر شروع ہو گیا۔ نیز گنجان آبادی کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظر نئے مکانات کی تعمیر کا مسئلہ بہت اہم بن چکا ہے۔ صرف سنہ ۱۹۵۶ء میں تقریباً ستر ہزار سے زائد مکانات گرائے گئے۔ اور ان کی جگہ نئے مکانات تعمیر ہوئے۔ بوڑھا برطانیہ اب جوان اور ترقی یافتہ نظر آتا ہے۔ اور ملک کا دقیانوسی نقشہ جدید طرز کا طیار ہو رہا ہے۔ گو تاریخی عمارتیں اپنی تمک محفوظ ہیں مگر صنعتی اور رہائشی تعمیر جدید کا کام بھی برابر جاری ہے۔ جن علاقوں میں دن کے وقت اندھیرا رہتا تھا اور ڈر لگتا تھا۔ وہاں نئے مکانات

چاند کو شرماتے ہیں۔ عنقریب تمام برطانیہ گندی آبادی سے پاک وصاف کر دیا جائے گا
پرانے مکانات کی موت کی تاریخ مقرر کر دی گئی ہے۔ قابل مرمت مکانات کے لئے مقامی ادارے
قرض بھی مہیا کرتے ہیں۔ نئے مکانات بہت ارزاں کرایہ پر دستیاب ہو سکتے ہیں۔ کرایہ دار
نئے مکانات میں تمام جدید سہولتوں کو بآسانی حاصل کرتے ہیں۔ نیز اُن کو مالی طور پر کسی
قسم کا بوجھ نہیں پڑتا۔ یہ نئے مکانات مقامی ادارے پبلک ورکس قرضہ بورڈ سے قرض لے
کر تعمیر کرتے ہیں۔ اور کرایہ کی رقم اکٹھی کر کے یہ قرضے چکائے جاتے ہیں۔ بلڈنگ سوسائٹیاں ذاتی
مکانات کی تعمیر کے لئے ضرورت مند اشخاص کو قرضہ مہیا کرتی ہیں۔ نیز انشورنس کمپنیاں اور
کارخانہ دار بھی قرضہ دیتے ہیں۔ بہت سے ذاتی مکانات جو کرایہ پر دیئے جاتے ہیں۔ وہ رینٹ
کنٹرول کی زد میں آتے ہیں۔ تاکہ مالکانِ مکانات زیادہ کرایہ نہ وصول کر سکیں۔ اس طریقے
سے کرایہ دار کی حفاظت کی جاتی ہے (بدقسمتی سے ہندوستانی اور پاکستانی حضرات جو برطانیہ
میں آباد ہو چکے ہیں وہ قانون شکنی کرنے سے نہیں شرماتے۔ بوسیدہ اور ناقابل رہائش
مکانات خرید کردہ اپنے غریب ہم وطنوں سے زیادہ سے زیادہ کرایہ وصول کرتے ہیں۔ اس
کے علاوہ مکانات کی مرمت۔ صفائی اور روزمرہ کی سہولتوں کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتے
سے مجھے بتاؤ کہ کافری کیا ہے)۔ رینٹ کنٹرول سے پگڑی کا سلسلہ بھی بند ہے۔ اور
آپس میں تو تو اور میں میں کی نوبت نہیں آنے پاتی۔ نئے مکانات کی تعمیر نے معیار زندگی کو بھی
بلند کر دیا ہے۔ پھر دیہی علاقوں کی قدرتی خوبصورتی کو بھی محفوظ رکھا جاتا ہے ورنہ بے ہنگم غیر
منظم تعمیر سے جنگلات۔ زراعت اور دیہات کی قدرتی خوبصورتی ختم ہونے کا ڈر رہتا ہے
لہٰذا نئے مکانات باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت تعمیر ہوتے ہیں۔ اور ملک کی صنعتی فروغ
اور زرعی صورت حالات کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ قدرتی نظاروں کو آئندہ نسلوں کے ذوق
جمال کی خاطر قومی سرمایہ کے طور پر محفوظ رکھا جاتا ہے۔ جنگلات کی تو پوجا کی جاتی ہے۔ اور
چراگاہوں پر دست اندازی قومی جرم خیال کیا جاتا ہے۔

جنگ کے خاتمہ پر تعمیری کاموں نے بیکاری کو تقریباً ختم کر دیا ہے۔ اور مزدوروں
کی مانگ بڑھ چکی ہے۔ ۱۹۵۶ء میں بیکاری صرف ۲ % رہ گئی تھی۔ وزارت لیبر اور
نیشنل سروس کا کام یہ ہے۔ کہ وہ یہ دیکھے کہ ملک میں مزدوروں کی رفتار کس سمت جاری

ہے۔ تقریباً ۱۲۰۰ روزگار کے دفاتر بڑی خوش اسلوبی اور اہلیت سے اپنا کام چلاتے ہیں
ہر ایک لیبر دفتر کا کام یہ ہوتا ہے۔ کہ کارخانوں اور صنعتوں کی انسانی ضرورتوں کو پورا کرے
مزدوروں کی مناسب راہنمائی کی جائے۔ بیکاروں کا اندراج ہو۔ اور ۱۸ سال سے اوپر
ہر مزدور کے کام یا ملازمت کے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچائے۔ اپاہجوں یا سابقہ
فوجیوں کی ٹریننگ کے لئے گورنمنٹ نے ملک بھر میں تقریباً ۱۴ ٹریننگ اسکول کھول رکھے
ہیں۔ وزارت لیبر کی زیر نگرانی یوتھ ایمپلائمنٹ سروس اور آبادکاری کا محکمہ بھی ہے۔ یوتھ
سروس ۱۸ سال سے کم عمر نوجوانوں کی ملازمت کا بندوبست کرتی ہے۔ نوجوانوں کے روزگار
کے بارے میں ضروری معلومات بہم پہنچانے کے لئے اور مناسب راہنمائی کے لئے نیشنل یوتھ
ایمپلائمنٹ کونسل کا مفید ادارہ قائم ہے۔ ناکارہ اشخاص کی آبادکاری کا بھی مناسب بندوبست
ہے۔ حتیٰ کہ اندھوں۔ بہروں اور گونگوں کے لئے مناسب انتظامات ہیں۔ اُن کی ٹریننگ
اور حسب حال کام مہیا کرنے کے لئے ہر طرح کا بندوبست موجود ہے۔

علاج معالجہ مفت ہو جانے سے اموات میں بھی کمی ہو گئی ہے۔ اور بوڑھوں کی
تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اُن کی پنشنوں پر سرکاری خزانہ سے معقول رقم خرچ ہوتی ہے
پیدائش کا تناسب بھی بڑھ چکا ہے۔ ملک کی فالتو آبادی غیر ممالک میں جا کر آباد ہوتی رہتی
ہے۔ مگر یورپ کے ممالک اور نوآبادیات سے بھی لوگ برطانیہ میں آکر آباد ہوتے ہیں لیکن بیکاری
کا زیادہ بوجھ کالی آبادی پر پڑتا ہے جو کہ نامناسب حالات میں ملازمت سے علیحدہ کئے جاتے ہیں۔ عورتوں کی
آزادی اور مزدوری کا مسئلہ بھی زیادہ اہم بنتا جا رہا ہے۔ دو بڑی جنگوں نے عورتوں کو مکمل
آزادی دے دی ہے۔ اور عورتیں مردوں کے مقابلہ پر میدان میں نکل آئی ہیں۔ اور
مساوی حقوق کے لئے کوشاں ہیں۔ حتیٰ کہ ادھیڑ عمر کی عورتیں بھی ملازمت کرتی ہیں۔ اور
ہر ایک صنعت میں عورتوں نے حصہ لینا شروع کر دیا ہے کافی تعداد تو دفاعی کام میں ملازمت
کرتی ہے۔ گو کوئلہ کی کانوں میں ابھی تک اُن کا داخلہ ممنوع ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئلہ
کی کانوں میں بیکاری بڑھ گئی ہے۔ پٹرول اور بجلی کے استعمال نے کوئلہ کی فائدہ مند صنعت
کو بہت نقصان پہنچایا ہے مگر انجینئرنگ کاموں میں کافی ترقی ہوئی ہے۔ کوئلہ کی صنعت
تقریباً ۳۰۰ سال سے قائم ہے۔ صنعتی انقلاب نے کوئلہ کی اہمیت بہت بڑھا دی تھی
اور زیادہ تر کوئلہ ہی استعمال میں لایا گیا۔ کوئلہ سے کول تار۔ گندھک۔ امونیا۔ بنزول

وغیرہ اشیا طیار ہونے لگیں۔ اس کے علاوہ کھادیں۔ پلاسٹک۔ پاوڈر۔ خوشبوئیں اور نقلی دھاگے بھی طیار ہوئے۔ حتیٰ کہ ۱۹۱۰ء میں برطانیہ کو غیر ممالک سے بھاری تعداد میں کوئلہ درآمد کرنا پڑا۔ نیشنل کول بورڈ ملک کے کوئلہ کی کانوں کی نگرانی کرتا ہے یہ ایک پبلک ادارہ ہے۔ جو اندرون ملک کوئلہ حاصل کرنے کے اختیارات رکھتا ہے۔ اور کانکنی سے متعلقہ کاموں کی جانچ پڑتال اور انتظام بھی اسی کے سپرد ہے۔ کوئلہ کی سپلائی اور قیمتوں کا معیار قائم کرنا۔ کوئلہ کی کانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی اُجرتوں اور اُن کی بہبودی کا خیال کوئلہ کے ٹھیکہ داروں سے تجارتی معاملات طے کرنا۔ کانوں کی حفاظت۔ خرچ اور آمدن کا توازن۔ نئی کانوں کی کھدائی یا دریافت وغیرہ یہ تمام امور کول بورڈ کے سپرد ہیں۔ کول بورڈ کے تحت مارکٹنگ افیسر بھی کام کرتے ہیں۔ جو کوئلہ کی مناسب تقسیم کے ضروری انتظامات کرتے ہیں۔ گو کوئلہ کی خرید و فروخت عام تجارتی دکانداروں کا ذاتی معاملہ ہے۔ مگر کول بورڈ قومی لحاظ سے کوئلہ کی فروخت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اور وہی ملک کی تمام ضروریات کا اندازہ لگاتا ہے

یعنی اندرون ملک کی ضروریات اور غیر ممالک کو برآمد کرنے کا اندازہ لگانا وغیرہ۔ اٹلی۔ ڈنمارک۔ جرمنی۔ سویڈن۔ اور آئرلینڈ کے لئے کوئلہ برآمد کیا جاتا ہے۔ اس طرح برطانیہ کا کوئلہ ملک کی تقریباً ۸۷٪ ضروریات پوری کرتا ہے۔ اگرچہ کوئلہ کی جگہ پٹرول گیس اور بجلی نے بھی لے لی ہے۔ مگر کوئلہ کا استعمال بالکل ہی ختم نہیں ہوا۔ کوئلہ کے ذخائر ابھی سے سالہا سال تک کام میں لائے جاسکتے ہیں۔ پٹرول جو غیر ممالک سے درآمد کیا جاتا ہے۔ اُس پر کافی لاگت آتی ہے لہذا کوئلہ کی ضرورت پوری شدت سے محسوس کی جاتی ہے۔ اور کوئلہ کا استعمال بدستور جاری ہے۔ اٹامک طاقت کے استعمال سے کوئلہ۔ پٹرول۔ گیس اور بجلی کی اہمیت ختم ہو جائیگی مگر یہ ذرا دیر طلب معاملہ ہے۔ ورنہ اتنا کوئلہ سے کام چلایا جاتا ہے۔ یہ سستا پڑتا ہے۔

کوئلہ کی کانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کا معیار زندگی بھی کافی بلند ہے اور اُن کی پوری نگہداشت کی جاتی ہے۔ اُن کو مختلف خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے طرح طرح کی تدابیر اختیار کی جاتی ہے۔ آگ سے بچنے کے لئے پیٹیاں مہیا ہیں

علاج معالجہ کے لئے سنٹر قائم ہیں۔ جہاں مفت علاج ہوتا ہے۔ نہانے دھونے کے لئے غسل خانے اور کھانے پینے اور تفریح کے لئے کینٹین اور کلب ہیں۔ اہلیت اور کارکردگی کی صلاحیتوں میں اضافہ کرنے کے لئے مختلف ٹریننگ کورس بھی قائم ہیں۔ ۱۸۵۰ء سے پٹرولیم نے ملکی صنعت میں نمایاں حیثیت اختیار کر لی ہے برطانیہ کی پٹرولیم کی پیداوار بہت کم ہے اور ملکی ضروریات کے لئے ناکافی ہے۔ لہذا پٹرولیم کا زیادہ حصہ غیر ممالک سے بھاری قیمت ادا کر کے درآمد کیا جاتا ہے۔ ملک کی صنعت اور تجارت پٹرولیم کی محتاج ہے۔ گو کوئلہ سے بھی پٹرولیم نکالنے کا انتظام موجود ہے مگر یہ سودا مہنگا پڑتا ہے لہذا پٹرولیم کی ضروریات کے لئے غیر ممالک کی طرف ہی رجوع کرنا پڑتا ہے۔ ملک میں بجلی کا بھی عام رواج ہے اور بجلی کے کارخانے بھی بہت ہیں۔ بجلی کا محکمہ ہی کوئلہ کا خرچ زیادہ کرتا ہے۔ صنعتوں میں گو بجلی سے ہی کام لیا جاتا ہے۔ اب تو نوکلیر پاور اسٹیشن سے بجلی اور کوئلہ کی ضرورت ہی باقی نہ رہے گی۔ یہ رفتار قدرے سست ہے۔ مگر ایک بہت بڑے صنعتی انقلاب کی پیش گوئی ہے۔ اس ضمن میں گیس کا بھی ذکر کرنا ضروری ہے۔ ۱۸۰۷ء میں پہلی بار پال مال لندن کو گیس سے روشن کیا گیا اس کے بعد برطانیہ کے دوسرے شہروں میں بھی گیس کا استعمال بڑھ گیا۔ عام گھروں میں کھانے پکانے یا پانی گرم کرنے کے لئے گیس ہی استعمال ہوتی ہے۔ صنعتوں میں گیس کا رواج بڑھ چکا ہے۔ گیس کوئلہ سے حاصل کی جاتی ہے۔ پٹرول سے بھی گیس نکالی جاتی ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں گیس کو زیادہ استعمال میں لایا گیا۔ گیس پر خرچ بھی کم ہوتا ہے۔

برطانوی معدنیات سے برطانوی اسلحہ سازی کی صنعت کو ترقی حاصل ہوئی اور ملک صنعتی انقلاب پیدا کر سکا۔ ایجادات کا سلسلہ جاری ہے۔ اس تمدن جنگیں لڑ کر بھی برطانیہ کی صنعت ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ برابر پھیل رہی ہے۔ صنعتی علاقوں میں ہوٹلوں کی تعداد میں بھی کافی اضافہ ہوا۔ بلکہ ہوٹلوں کی صنعت برطانیہ میں اہمیت رکھتی ہے۔ صنعتی علاقوں کی آبادی کا زیادہ حصہ ہوٹلوں میں ہی بسر اوقات کرتا ہے اس لئے شہری زندگی بھی خود غرض اور وحشیانہ بن چکی ہے۔ جس میں دیہاتی زندگی کی فطرتی سادگی۔ خوش اخلاقی اور خاندانی وقار ختم ہو چکے ہیں۔

بنیادی جمہوریت

برطانیہ دوسری جنگ کے خاتمہ پر تیسرے درجے کی طاقت بن کر رہ گیا ہے یہ خدشہ ہر وقت رہتا ہے کہ شاید تیسرے درجے سے بھی نیچے گر جائے۔ کیونکہ جاپان جرمنی۔ فرانس۔ ہندوستان اور چین کے علاوہ آسٹریلیا۔ کینیڈا اور جنوبی امریکہ کی ریاستیں بھی طاقت اور اقتدار بڑھانے میں معروف ہیں۔ امریکہ اور روس تو برطانیہ سے کئی گنا زیادہ بڑھ چکے ہیں۔ اس لیے برطانیہ اپنی گزشتہ عظمت و اقتدار کو حاصل کرنے کے خواب دیکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ برطانیہ اتنا گیا گذرا نہیں جتنا کہ خیال کیا جاتا ہے۔ وہ برابر اپنی چیزوں کی برآمد کرنے میں معروف ہے جس سے وہ اب بھی دولت کی منڈی کہلاتا ہے۔ صرف سود کی آمد اور انشورنس کا کام ہی اتنا زیادہ ہے۔ کہ وہ اسی منافع سے اپنی ساری آبادی کا مفت پیٹ پال سکتا ہے۔ اندرون ملک بنکوں کا یہ حال ہے کہ برطانیہ کے بنک سوئٹزرلینڈ اور امریکہ کے ہم پلہ ہیں۔ بلکہ زیادہ معیاری حیثیت رکھتے ہیں۔ اور تجارتی دنیا کا ان پر زیادہ اعتماد ہے۔ بنکوں کا نظام خوش اور کامل اعتماد سے دیانتداری کے ساتھ چلانا صرف برطانیہ کا ہی طرۂ امتیاز رہا ہے۔ برطانیہ کے بنک سونے کے انڈے پیدا کرتے ہیں۔ حکومتوں میں تنزل آتی رہتی ہیں۔ جنگیں شروع ہوں۔ زلزلے آجائیں۔ بادشاہ قتل ہوں۔ خون خرابے اور فسادات برپا ہوں۔ برطانوی بنک اپنا کاروبار بڑی حفاظت سے چلاتے ہیں انہی بنکوں کے سہارے حکومتوں کے کاروبار قائم ہیں۔ بلکہ ان بنکوں نے حکومتوں کو بھی غیر ضروری بنا دیا ہے۔ اب تو بنک ہی ملک کا اندرونی اور بیرونی کاروبار چلاتے ہیں۔ ساری سماجی۔ اقتصادی۔ تعلیمی اور دفاعی ضرورتوں کو بنک پورا کرتے ہیں۔ ان بنکوں نے تمام دنیا کی دولت اور خزانوں کو اپنے اندر سمیٹ کر انگریزوں کو دنیا کا تجارتی ٹھیکہ دار بنا دیا ہے۔ بنک ایک خفیہ امانت سمجھے جاتے ہیں۔ جس کو ایمانداری سے چلانا بجائے خود بہت بڑا کارنامہ ہے۔ برطانوی عوام اپنے

ملک کے بنکوں پر پورا اعتماد کرتے ہیں۔ لیکن بنکوں کے نظام کی حفاظت ملک کا قائمی اور پائیدار سیاسی نظام ہی کر سکتا ہے۔ اور یہی بنیادی جمہوریت کہلاتا ہے۔ طاقت کی کنجی پارلیمنٹ کے پاس ہے۔ جو قانون بناتی ہے۔ اور قومی قوانین میں نئے حالات کے ساتھ تبدیلیاں کرتی ہے۔ گو شاہی حکمران پارلیمنٹ کو منسوخ کر کے تازہ انتخابات کا حکم دے سکتا ہے۔ لیکن تاج برطانیہ اپنے اختیارات سے تجاوز نہیں کرتا اور غیر آئینی کارروائیوں سے علیحدہ ہی رہتا ہے اور ہمیشہ آئینی روایات کا پابند ہوتا ہے۔ تاج کے اختیارات بھی نمائشی اور روایتی ہوتے ہیں۔ شاہی نظام سے ملک کا اخلاقی ضمیر وابستہ ہے اور تاج کو ملک کی روحانی قیادت حاصل ہے۔ جو قومی روایات کا ایک اہم اور تہذیبی جزو ہے۔ گویا برطانوی تاج ایک تاریخی روایت کی حیثیت رکھتا ہے

پارلیمنٹ دو حصوں میں تقسیم ہے ایک دارالعوام ہے۔ اور دوسرا دارالامراء ہے جو دونوں مل کر پارلیمنٹ کہلاتے ہیں۔ پارلیمنٹ کا افتتاح خود شاہی حکمران کرتا ہے اور یہ رسم قومی تماشہ کی حیثیت اختیار کر چکی ہے شاہی محل سے روایتی گاڑی شاہی حکمران کو دارالامراء لے جاتی ہے۔ وہاں پہنچ کر دارالعوام کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ دارالامراء میں آ کر شاہی خطبہ سنیں۔ یہ موقع دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ گویا ایک تاریخی تماشہ بن چکا ہے۔ پارلیمنٹ کی زندگی پانچ سال تک جاری رہتی ہے۔ پارلیمنٹ ایکٹ ۱۹۱۱ء کی رو سے ہر پانچ سال نئے انتخابات کے ذریعے برسرِ اقتدار حکومت تبدیل کی جا سکتی ہے۔ لیکن ہنگامی حالات کے تحت پانچ سال سے پہلے بھی الیکشن کرائے جا سکتے ہیں اس صورت میں پارلیمنٹ کو منسوخ کر کے نئے انتخابات کے ذریعے نئی حکومت بن سکتی ہے گویا اختیارات کی باگ ڈور عوام کے ہاتھوں میں رہتی ہے اور عوام کی آزادی رائے کا احترام لازمی اور مقدم ہوتا ہے۔ برطانوی عوام اگر برسرِ اقتدار جماعت سے نالاں ہوں۔ تو تاج موجودہ پارلیمنٹ کو فوری توڑ دیتی ہے۔ کیونکہ پارلیمنٹ عوام کا اعتبار اور اعتماد کھو کر کسی قومی مسئلہ پر صحیح فیصلہ نہیں کر سکتی۔ اس طرح عوام کی مرضی کے مطابق نئی حکومت بنانے کا راستہ کھل جاتا ہے۔ پانچ برس تک پارلیمنٹ کو اپنی کارروائی دکھانے کا موقع مل جاتا ہے۔ اور اس کارروائی کی آڑ لیکر برسرِ اقتدار پارٹی آئندہ انتخابات میں بجا طور پر فخر سے یہ کہہ سکتی ہے

کہ وہی دوبارہ حکومت کی حقدار ہے۔ کیونکہ اُس کے دوران حکومت کون کون سے مفید قوانین بنائے گئے۔ کون سے بُرے قوانین کا خاتمہ ہوا۔ یا کن قوانین میں مناسب تبدیلیاں کی گئیں۔ پارٹی کے ممبر اپنا ذاتی وقار بڑھانے کے لئے کوئی فکر نہیں کرتے۔ ملک کی رائے عامہ ناکارہ ممبروں کو آئندہ انتخابات میں سزا دیتی ہے۔ اور کسی قسم کا ظلم وستم ایک منٹ کے لئے بھی برداشت نہیں کیا جاتا۔ کوئی ایک جماعت بھی ناجائز اقتدار زیادہ دیر تک نہیں رکھ سکتی۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ حکمران کی اچانک موت سے پارلیمنٹ بھی فی الفور توڑ دی جاتی تھی۔ اُس وقت پارلیمنٹ کا وجود ہی تاج کا تابع فرمان ہوتا تھا۔ لیکن ۱۸۶۷ء کے ایکٹ کی رو سے یہ چیز روک دی گئی یعنی پارلیمنٹ کی زندگی کا شاہی حکمران کی زندگی اور موت سے کوئی تعلق نہ رہا۔ صرف دونوں پارلیمنٹوں کو اُس وقت تک ملتوی رہنا پڑے گا۔ جب تک وہ نئے سرے سے شاہی حکمران کا حلف وفاداری نہ اُٹھائیں۔ پارلیمنٹ کے اجلاس مختلف اوقات میں جاری رہتے ہیں۔ اور اس طرح پارلیمنٹ اپنا کام لگاتار جاری رکھ سکتی ہے۔ نومبر سے کرسمس کی تعطیلات تک ۳۰ اجلاس منعقد ہوتے ہیں جنوری سے ایسٹر تعطیلات تک ۵۰ اجلاس ہوتے ہیں اور وٹسن تعطیلات تک تیس اجلاس اور جولائی کے آخر تک ۴۰ اجلاس ختم ہو جاتے ہیں۔ یعنی کل ۱۶۰ اجلاس کا ایک سیشن ہوتا ہے

دارالامرا کے کل (۸۰۰) آٹھ سو ممبر ہوتے ہیں۔ یہ ممبران اعلیٰ طبقہ امرا سے تعلق رکھتے ہیں یعنی شاہی خاندان کے افراد۔ خاندانی امرا۔ مذہبی لیڈر یعنی بڑے بڑے پادری لوگ وغیرہ ایک چوتھائی ممبران کی حاضری پارلیمنٹ کے عام اجلاس میں رہتی ہے۔ دوسرے ممبران بھی حسب مرضی مختلف اوقات میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ اُس وقت جب کوئی ایسا معاملہ پڑ جائے۔ جو ان کی دلچسپی کا ہو۔ اور اُن معاملات میں وہ عملی طور پر حصہ لینا چاہتے ہوں یا بحث کو سننا چاہتے ہوں۔ ایسے اشخاص اُس موضوع کے متعلق کافی تجربہ رکھتے ہیں۔ اور اہل علم ہونے کے علاوہ کافی بصیرت کے مالک ہوتے ہیں بلکہ مختلف مسائل پر اُن کی رائے ایک مسلمہ صداقت کی ضامن ہوتی ہے۔ اور وہ ذمہ داری سے اپنی رائے پیش کرنے کے لئے بے چین اور مضطرب ہوں۔ اُن حضرات کی عمریں کافی لمبی ہوتی ہیں۔ اور اُنہی معاملات میں کٹ جاتی ہیں۔ لارڈ چانسلر دارالامرا کی راہنمائی کرتا ہے۔

دارالعوام کے ممبران صحیح معنوں میں ملک کی رائے عامہ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ وہ

عام انتخابات کے ذریعے عوام کے ووٹوں سے کامیاب ہوکر پارلیمنٹ میں پہنچتے ہیں یہ حضرات بغیر کسی مالی یا پیشہ ورانہ معیار کے ممبر منتخب ہو سکتے ہیں۔ اُن کی ممبری پانچ سال تک رہتی ہے یا جب تک پارلیمنٹ منسوخ نہ ہو۔ اُن کی تعداد ۶۳۰ تک ہوتی ہے۔ اور ہر ایک ممبر تنخواہ پاتا ہے۔ انتخابات کی سہولت کے لئے تمام برطانیہ کو مختلف انتخابی حلقہ جات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور ہر حلقہ اپنا ایک ممبر پارلیمنٹ میں بھیج سکتا ہے۔ چونکہ آبادیوں کا ہیر پھیر اور تبدیلیوں سے فرق پڑ جاتا ہے۔ اس لئے اس بات کی پڑتال کے لئے ایک کمیشن مقرر ہے۔ جو مختلف انتخابی حلقوں کی تبدیلیوں کا ملاحظہ کرتا رہتا ہے۔ اور وہ مناسب ردّوبدل کرنے کے اختیارات رکھتا ہے۔ ممبران کو مکمل آزادی ہے۔ کہ وہ پارلیمنٹ کے اجلاس میں اپنے حلقوں کی نمائندگی کریں۔ اور اپنا اپنا مقدمہ پیش کرسکیں۔ ممبران پارلیمنٹ خصوصی اختیارات رکھتے ہیں۔ مثلاً ہر ایک پارلیمنٹ کے اجلاس میں وہ کسی ذاتی مقدمہ کے سلسلہ میں چالیس دن پیشتر اور چالیس دن بعد قید نہیں کئے جاسکتے۔ پارلیمنٹری نظام حکومت جماعتی طرز کا ہے۔ یعنی جماعتی نظام کے تحت حکومت کا کاروبار عرصہ سے ملک میں رائج ہے۔

ملک میں تین نمایاں اور سیاسی ممتاز پارٹیاں ہیں (۱) ایک ٹوری پارٹی (کنزرویٹو) (۲) لیبر پارٹی اور (۳) لبرل پارٹی ہے۔ ہر ایک پارٹی آزادانہ طور پر اپنا اپنا پروگرام ملک کے سامنے پیش کرسکتی ہے۔ ان مشہور جماعتوں کے علاوہ اور بھی کئی چھوٹی پارٹیاں ہیں۔ جو

ملاحظہ ہو صفحہ ۲۶۱

آزادانہ طور پر اپنی جماعتوں کا مشن پیش کرتی رہتی ہیں۔ اُن کو اپنے طور پر مکمل آزادی حاصل ہے۔ کہ وہ آزادیٔ تقریر و تحریر سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔ سیاسی رسہ کشی میں ہر ایک سیاسی پارٹی کو آزادی ہے کہ وہ اپنے اپنے طور پر طاقت آزمائی کر سکتی ہے پیر رائے عامہ کی مرضی پر موقوف ہے۔ کہ وہ اپنے ووٹ کا آزادی سے استعمال کرے اور جو پارٹی زیادہ ووٹ حاصل کرتی ہے۔ وہ دارالعوام میں لازمی طور پر حکومت بنانے میں طلب کی جاتی ہے اس طرح قومی حکومت بن کر پانچ سال کے لئے آزادی سے اپنا سیاسی پروگرام ملک کے سامنے عملی طور پر پیش کر سکتی ہے۔ ضمنی انتخابات میں اُس کے ممبروں کی تعداد گھٹ بڑھ سکتی ہے۔ یا کسی اہم قومی مسئلہ میں اُسے پارلیمنٹ میں شکست بھی دی جا سکتی ہے۔ اُس صورت میں آئینی طور پر پارلیمنٹ کو توڑ کر نئے سرے سے انتخابات کرائے جاتے ہیں۔

قومی حکومت کا وزیراعظم اکثریت پارٹی کا نمائندہ لیڈر ہوتا ہے۔ تاج اُسے حکومت بنانے کے لئے دعوت دیتا ہے۔ برطانوی روایات یہ ہیں۔ کہ اُسے سرکاری طور پر طلب کیا جاتا ہے کہ وہ قومی حکومت بنائے۔ چنانچہ وہ اپنی کیبنٹ کا انتخاب کرتا ہے۔ اور انہیں مختلف عہدے تقسیم کرتا ہے۔ فریقِ مخالف کی سیاسی پارٹی اب قومی مفاد سے غداری نہیں کر سکتی چنانچہ اُسے قومی حکومت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ وہ وزیراعظم کی ہر ممکن مدد دیتی ہے۔ مگر وہ قومی حزب مخالف کی حیثیت اختیار کرتی ہے۔ اور قومی مسائل پر برسر اقتدار پارٹی پر نکتہ چینی کر سکتی ہے۔ عوامی جذبات کو ملک کے سامنے پیش کرتی ہے۔ حکومت کے جارحانہ اقدامات کی مخالفت عین قومی خدمت سمجھتی ہے۔ اور پارلیمنٹ کو بے لگام اور مطلق العنانہ جابرانہ کارروائیوں سے روکتی ہے۔ اس طرح ملکی آئین کا احترام بحال رکھا جاتا ہے۔ حکومت بھی حزب مخالف کا احترام کرتی ہے۔ اور کسی قومی مسئلہ سے حزب مخالف سے ہار جائے۔ تو لازمی طور پر وہ اخلاقی اور آئینی لحاظ سے مستعفی ہو جاتی ہے۔ حزب مخالف کی غیر آئینی سرگرمیوں کی مخالفت کی جاتی ہے۔ اور اُسے زبردستی روکا جاتا ہے۔ حزب مخالف کے لئے آئین کی فرمانبرداری لازمی ہوتی ہے۔ تاکہ جب کبھی وہ رائے عامہ کا اعتماد حاصل کرے۔ تو اُسے حکومت بنانے میں کوئی روکاوٹ پیش نہ آئے۔ برسر اقتدار جماعت جو آئین یا قانون نافذ کرے۔ اُسے تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ قومی مسائل پر وزیراعظم کو حزب مخالف کے لیڈر کا

اعتماد حاصل کرنا پڑتا ہے۔ اور اُس کی رضامندی مقدم سمجھی جاتی ہے۔ تاکہ تمام ملک کا اعتماد حاصل ہو سکے۔

دارالعوام کے اندر نظام قائم کرنے اور اجلاس کی کارروائی کو چلانے کے لئے اسپیکر کو پورے آئینی اختیارات حاصل ہیں۔ گو حکومت کے کاروبار وزیراعظم ہی سرانجام دیتا ہے دارالعوام کا اسپیکر تمام اجلاس کو کنٹرول میں رکھتا ہے۔ وہ یہ دیکھتا ہے۔ کہ کوئی آئینی بے قاعدگی یا بداعتدالی نہ ہونے پائے۔ بلکہ آئین کا احترام تمام پارٹیاں یکساں طور پر کریں۔ اجلاس کے قیمتی اوقات فضول مباحث میں ضائع نہ ہوں۔ غیر ضروری اور بے ہودہ روک ٹوک اور نکتہ چینی کو بند کرے۔ اور کوئی بھی اسپیکر کے نظام میں نکتہ چینی نہ کرنے پائے۔ کوئی تجویز بھی اُس کی اجازت کے بغیر پیش نہ ہو سکے۔ پارلیمنٹ کا اجلاس بند کر کے کسی سوال پر ووٹ لئے جائیں۔ برسر اقتدار پارٹی اور حزب مخالف کی غیر آئینی سرگرمیوں کو آئینی شکنجہ میں لایا جائے۔ اجلاس کے دوران میں اسپیکر کے زیر نگرانی کسی اہم مسئلہ پر ووٹ لیا جائے۔ اور وہی نتیجہ کا اعلان کرے برابر ووٹ کی صورت میں وہ اپنا ووٹ بھی ڈال سکتا ہے۔ تاکہ اجلاس کی کارروائی میں رکاوٹ نہ پڑنے پائے۔

پارلیمنٹری اجلاس کی کارروائیاں قومی اخبارات میں چھپتی ہیں۔ بلکہ پارلیمنٹری بحث کا اپنا پرچہ بھی چھپتا ہے۔ جسے (ہنسرڈ) کہتے ہیں پارلیمنٹ نئے قوانین نافذ کرتی ہے۔ قومی ضروریات کے لئے اخراجات کا تخمینہ لگانے اور ملکی بجٹ پر آزادانہ بحث کرنے کے بعد اُسے منظور کرتی ہے۔ ہر ایک محکمہ کے لئے مختلف اخراجات کو تفویض کرنا۔ حکومت کے کاروبار کی آزادانہ جانچ پڑتال اور آزادی سے نکتہ چینی کرنا۔ رائے عامہ کے جذبات کا اظہار اور تبلیغ۔ غیر ممالک سے جو عہد نامے کئے جائیں۔ اُن کو تصدیق کرنا ان تمام امور پر پارلیمنٹری بحث ہو سکتی ہے۔ پارلیمنٹری کاروبار کی سہولت کے لئے اور معاملات کی گہری چھان بین کے لئے نیز مالیاتی پڑتال کے لئے پارلیمنٹری کمیٹیاں تعینات کی جاتی ہیں۔ جو مختلف امور کے بارے میں زیادہ سوچ بچار کر کے مختلف پہلوؤں پر اپنی فرصت میں بحث کرتی ہیں۔ اس طرح قانونی اور آئینی الجھنوں کو آسان کر کے اپنی اپنی رپورٹ پارلیمنٹ کو پیش کرتی ہیں۔ تاکہ حکومت کو اپنی پالیسی وضع کرنے میں زیادہ سہولت ہو۔ اور رائے عامہ کے جذبات کا بھی خیال رکھا جائے۔ یہ پارلیمنٹری کمیٹیاں برسر اقتدار جماعت کے پارلیمنٹری ممبران پر مشتمل ہوتی ہیں۔

لیکن بہت سے اہم قومی امور میں حزب مخالف کے ممبران سے بھی مشورہ لیا جاتا ہے۔ اور ان کو بھی ان کمیٹیوں میں شامل ہونے کی دعوت دی جاتی ہے۔ تاکہ مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر زیادہ سے زیادہ روشنی ڈال کر قومی اتحاد حاصل کیا جاسکے۔ پارلیمنٹ کے دوران اجلاس وزیر متعلقہ سے ہر قسم کے سوالات پوچھنے کی پوری آزادی حاصل ہوتی ہے۔ بجٹ پر عام بحث ہوتی ہے۔ اور بجٹ کے اجلاس کی کاروائی کو ملتوی کرنے کا نوٹس اسپیکر کی مرضی پر موقوف ہوتا ہے۔ کہ وہ اجلاس کو ملتوی کرنے کی ضرورت سمجھے یا نہ۔ عام طور پر اس طریقہ کا آئینی پہلو یہ ہوتا ہے۔ کہ چالیس ممبران اس تجویز کی حمایت کے لئے کھڑے ہوں۔ یا دس ممبران۔ پھر اسپیکر اپنی مرضی سے اجلاس ملتوی کر سکتا ہے۔ اور اس تجویز کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ بعض اوقات دارالعوام کے باہر اور پبلک گیلری میں خود عوام بھی جمع ہو کر خاموشی سے بڑی دلچسپی کے ساتھ پارلیمنٹری بحث کو سنتے ہیں۔ بی بی سی پر بھی اجلاس کی کاروائیوں کے بارے میں پارلیمنٹری پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔ خبر رساں ایجنسیوں اور اخبارات کے پارلیمنٹری رپورٹر بھی وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ قومی اخبارات میں پارلیمنٹری تبصرے بڑے شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔

پارلیمنٹری نظام کے علاوہ شہری زندگی کو منظم کرنے اور روزمرہ کی ضروریات کھپانے کے لئے مقامی ادارے بھی قائم ہیں۔ مقامی انتظامات کی سہولت کے لئے انہیں مقامی طور پر شہری قوانین بنانے کے اختیارات بھی حاصل ہیں۔ پچھلے پچاس برسوں سے یہ مقامی ادارے صنعتی انقلاب سے پیدا شدہ معاشرتی۔ اخلاقی۔ تعلیمی۔ تہذیبی اور اقتصادی حالات کے پیش نظر زیادہ اہمیت اور اختیارات حاصل کر چکے ہیں۔ وہ اپنی مقامی ضرورتوں کو ذمہ داری کے ساتھ پورا کرتے ہیں۔ حکومت کے براہ راست انتظامات کا بوجھ انہی اداروں پر پڑتا ہے اور شہری بہبود کے تمام فرائض یہی ادارے سرانجام دیتے ہیں۔ پارلیمنٹ میں وزیر متعلقہ براہ راست مقامی اداروں کی پڑتال اور سوالات کے بارے میں جواب دہ ہوتا ہے۔ حفظان صحت تعلیم۔ محکمہ آب رسانی۔ روشنی۔ صفائی۔ باغات۔ تفریح گاہیں وغیرہ یہ تمام مقامی اداروں کے سپرد ہوتے ہیں۔ نیز آگ سے بچاؤ۔ سول ڈیفنس۔ شہری پولیس۔ پرورش اطفال۔ مدارس۔ تحفظ بچگان۔ لائبریریوں کا قیام و انتظام وغیرہ یہ تمام امور مقامی اداروں کے حوالے ہیں۔ شہری ٹرانسپورٹ بھی ان میں شامل ہے۔

مقامی ادارے تین سال کے لئے کونسلروں کا انتخاب کرتے ہیں۔ انتخابات کے لئے قوانین نافذ ہیں۔ اکیس سال یا اس سے اوپر کے شہری ووٹ دے سکتے ہیں متعلقہ کونسلیں مختلف کمیٹیاں بنائی جاتی ہیں۔ جو مقامی انتظامات کی جانچ پڑتال کرتی ہیں۔ اُن کا کام آگے چل کر سب کمیٹیوں کے سپرد کیا جاتا ہے۔ جو اپنی اپنی رُوداد پیش کرتی ہیں۔ بعض اوقات انتظامات کو بہتر بنانے کے لئے جائنٹ بورڈ بھی قائم ہیں جو مختلف علاقوں کو ملا کر مشترکہ کام کرتے ہیں۔ مثلاً پانی کی بہم رسانی یا غلاظت اور کوڑے کرکٹ کو اکٹھا کرنے کا انتظام مشترکہ کیا جاتا ہے۔ ان مقامی اداروں کو بعض اوقات مرکز کی طرف سے گرانٹ بھی ملتی ہے۔ تاکہ شہریوں کو ٹیکس کے بوجھ سے نجات دلائی جائے۔ اور غریب ادارے مالی مشکلات سے چھٹکارا حاصل کر سکیں۔ بعض ادارے قرض بھی مانگ لیتے ہیں۔ اخراجات کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کے لئے فنانس کمیٹی کام کرتی ہے جو اخراجات کو جائز حدود کے اندر استعمال کرنے کے لئے مناسب ہدایات دیتی رہتی ہے لیکن سالانہ پڑتال وزارت متعلقہ کی ہی ذمہ داری ہے۔

گویا برطانیہ صحیح معنوں میں آزاد ہے۔ اور عوام اپنی حکومت پر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں یہی جمہوریت کی بنیاد ہے۔ جیسے کرکٹ کے طور پر کھیلا جاتا ہے۔ نہ جیتنے پر آپے سے باہر ہوتے ہیں۔ نہ ہی حزب مخالف میں جا کر کمینہ حرکتیں کی جاتی ہیں۔ کوئی بھی انگریز اپنے ہم قوم کو گرا کر اور اس کی ہڈیوں کو توڑ کر اپنا راستہ نہیں بناتا۔ بلکہ کیپ سسٹم زندگی کے ہر شعبہ میں پایا جاتا ہے۔ ہر ایک کو باری باری اپنے وقت پر آگے بڑھنے کا موقع ملتا ہے۔ کبھی کاروبار میں نقصان اُٹھانا منظور ہوتا ہے۔ اور وہ نقصان خندہ پیشانی سے برداشت کیا جاتا ہے۔ مگر ناجائز ذرائع سے نفع کمانا پسند نہیں ہوتا۔ انتخابات میں ہار کر خوشی خوشی اپنی شکست کو قبول کیا جاتا ہے۔ مکروہ اور ناپسندیدہ ذرائع سے ووٹوں سے ووٹ حاصل نہیں کئے جاتے اور نہ ہی گندے طریقوں سے کامیابی حاصل کی جاتی ہے۔ اپنی قوم کی ٹیم کو نقصان پہنچا کر ذاتی فائدہ ڈھونڈنے کی کوئی بھی کوشش نہیں کرتا۔ اپنی کمزوریوں اور غلطیوں کا خود ذمہ دار بن کر قومی ٹیم کو نقصان نہیں پہنچایا جاتا۔ اسی اخلاقی کردار نے جمہوریت کی بنیادیں مضبوط کر دی ہیں۔ اور انگریز کو دوسری قوموں سے ممتاز کر کے آگے بڑھنے کا موقع حاصل ہے۔ اپنی قوم کے کسی فرد

کو ذاتی غرض کے لئے نقصان نہیں پہنچایا جاتا۔ ہر ایک فرد بڑی احتیاط کرتا ہے۔ کہ اُس کے ہاتھوں قوم کے کسی فرد کو آنچ تک نہ آنے پائے۔ کسی کی دل آزاری نہیں کی جاتی۔ اور کسی کی کمزوری سے ناجائز فائدہ بھی نہیں اُٹھایا جاتا۔ عوام درست اور غلط دونوں خیالات کو سن کر اپنا فیصلہ دیتے ہیں۔

گپ شپ

گورا لوگ کھلاڑی ہوتے ہیں۔ فٹ بال اور کرکٹ مشہور پسندیدہ کھیل ہیں۔ آبادی کا زیادہ حصہ ان کھیلوں میں حصہ لیتا ہے۔ یا ان کھیلوں کے میچوں کو دیکھتا ہے ملک میں ۳۰۰۰ تو فٹ بال کے کلب ہیں۔ فضائیہ۔ بحریہ اور بری فوجوں کے جو کلب ہیں یا اسکولوں اور کالجوں کے کلبوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔ جو لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے۔ کرکٹ تو گھریلو کھیل بن چکا ہے۔ ٹیسٹ میچ دیکھنے سے تعلق رکھنے ہیں۔ اسکاٹ لینڈ میں گاف کھیلنے کا رواج ہے گھوڑ دوڑ بھی قومی کھیل بن چکا ہے رگبی فٹ بال بھی عام رائج ہے۔ ٹینس خصوصاً ومبلڈن کا سالانہ میچ تو دنیا بھر میں اپنی نظیر آپ ہے۔ تیراکی۔ سائیکل سواری۔ موٹر کے مقابلے۔ شکار اور پہاڑوں کی چڑھائی مچھلی پکڑنے کا شوق وغیرہ یہ تمام محبوب مشغلے ہیں۔ ٹیلی ویژن نے لوگوں کو کھلاڑی سے زیادہ تماشائی بنا دیا ہے۔ ٹیلی ویژن پر کھیلوں کے مقابلے دیکھے جا سکتے ہیں گھر گھر ٹیلی ویژن کا رواج ہے۔ جس نے سینما اور تھیٹر کی صنعت پر نمایاں اثر کیا ہے متعدد سینما گھر تو غیر آباد ہو چکے ہیں۔ اور زیادہ تعداد میں بند کر دیئے گئے ہیں۔ تاہم بڑے بڑے شہروں میں سینما گھر ابھی تک آباد ہیں۔ وہاں تماشائی جوق در جوق فلمیں دیکھنے کے لئے چلے جاتے ہیں۔ تھیٹروں کا بھی یہی حال ہے۔ ناچ گھروں اور مختلف تفریحی مراکز کی تعداد بھی کافی ہے۔ چار پانچ ہزار ناچ گھر صرف ناچ سکھلانے کے لئے قائم ہیں۔ مزدوروں کے کلب۔ سوشل ادارے اور سیاسی جماعتوں کے تہذیبی مراکز بھی قومی زندگی کو مہذب بنانے میں مصروف ہیں۔ پبلک ہاؤس یا مقامی شراب خانہ

سب سے محبوب کلب ہے۔ جس کی شہرت میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ یہاں یار لوگ کاروبار سے فرصت پاکر پینے پلانے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ اور رات گئے تک گپیں ہانکتے ہیں اور اپنے دوستوں سے رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ اس طرح اپنے سارے غم غلط کرتے ہیں۔ شراب خانوں کے بالمقابل کافی بار ہیں۔ وہ بھی کافی آباد ہوتے ہیں۔ باغبانی اور اخبارات کا مطالعہ تو گھریلو مشاغل سے تعلق رکھتے ہیں۔

گرجا گھر بھی اپنے تہذیبی مشن میں مصروف ہیں۔ لیکن انجیل کے مطالعہ کے بجائے زیادہ شوق شیکسپیئر کے ڈراموں کا ہے جس کے الفاظ روزمرہ کی بول چال میں شامل ہو گئے ہیں جن سے انگریزی زبان میں لطافت پیدا ہو گئی ہے۔ انگریز کو جب کبھی فرصت ملتی ہے تو اپنے گذشتہ تاریخی کھنڈرات یا دیہاتی مکانات کو دیکھنے کے لئے چلا جاتا ہے گویا ایک میلہ لگ جاتا ہے۔ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ جوق در جوق اُن مقامات کی زیارت کرتے ہیں۔ گو ان تفریحات پر ایک عام خاندان کو کافی خرچ کرنا پڑتا ہے لیکن اس کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ ہر جگہ ان مقامات کی زیارت کے لئے اشتہارات دیکھ کر ایک عام شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ سرکاری ادارے ان مقامات کی نگہداشت اور حفاظت کا انتظام کرتے ہیں۔ بڑے بڑے رؤسا اور امرا نے اپنے خاندانی محلات (جو تاریخی حیثیت رکھتے ہیں) کو ہفتہ میں ایک بار ٹکٹ لگا کر ہر شخص کے لئے کھول دیئے ہیں۔ یہ انتظام پرائیویٹ ہوتا ہے۔ اور اس سے خاندانی امرا ذاتی آمدنی پیدا کر لیتے ہیں۔ اس میں سرکاری مداخلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان محلات کو دیکھ کر گذشتہ زمانے کی یادیں تازہ ہو جاتی ہیں۔ زائرین ان محلات کی زیارت سے اپنا دل بہلاتے ہیں۔ اور طرح طرح کی خیال آرائیاں کرتے ہیں گذشتہ زمانہ کی فن تعمیر کا ذکر آجاتا ہے۔ محلات کے پرانے سامان کو زائرین بڑے ذوق و شوق سے بغور دیکھتے ہیں۔ اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اُن محلات کی مختصر تاریخ سے دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے۔ محلات سے ملحقہ باغات میں لوگ سیر سپاٹے کرتے ہیں۔ اور وہاں ہی کھلے میدان میں دوپہر کا کھانا کھایا جاتا ہے۔ عام طور پر زائرین اپنے ہمراہ ہی پکا پکایا کھانا لاتے ہیں۔ تمام توجہ اُن محلات کے ارد گرد گھومتی ہے گویا برطانیہ کی گذشتہ تاریخ انہی دیہی مکانات اور پرانے محلات میں پوشیدہ ہوتی ہے جس کو ڈھونڈنے اور دریافت کرنے کے لئے زائرین بڑے شوق سے اُن مقامات کی زیارت

کرتے ہیں۔ برطانیہ میں اُن پرانے محلات کی کافی تعداد پائی جاتی ہے۔ جو برطانیہ کی گذشتہ تاریخ سے وابستہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اُن محلات کی عظمت سے گذشتہ زمانہ کے لوگوں کی روحانی بلندی اور وسعتِ کردار کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ وہی لوگ ستاروں پر کمند ڈالنے میں مصروف ہیں۔ چھوٹے سے قد کے معمولی گورے اُن محلات کو دیکھ کر قومی فخر محسوس کرتے ہیں۔ اُن کی بلندی سے اپنی انکساری اور عاجزی کا اندازہ لگاتے ہیں۔ اپنے قومی آرٹ کی بلندی کا اپنی کمتری سے مقابلہ کرتے ہیں۔ تو وہ اپنے اندر قومی عظمت کی صفات کا احساس کرتے ہیں۔

عام انگریز درحقیقت اپنی تاریخی اور تہذیبی روایات سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ اور یہی اُن کی قدامت پسندی کا ثبوت ہے۔ ہمارے دیسی صاحب لوگ اپنی تہذیبی وراثت سے کٹ چکے ہیں۔ اسی لئے اُن کا ضمیر بھی بعد ہو چکا ہے۔ نیز وہ کمینہ خصلت رکھتے ہیں۔

کسی زمانے میں عربوں کا مشہور مقولہ تھا۔ کہ جو وقت دوڑ دھوپ میں خرچ ہو۔ وہ ضائع نہیں جاتا اور نہ ہی اُس سے عمر میں گھاٹا پڑتا ہے۔ گوروں کے بارے میں یہی مقولہ عائد ہوتا ہے انگریز ہر جگہ موجود ہوتا ہے۔ اور تہذیبی سرمائے کو جمع کرنے میں مصروف رہتا ہے۔ حتیٰ کہ انگریزوں نے کھیلوں اور تماشوں کے بارے میں اس قدر لکھ ڈالا ہے کہ وہ خود ایک لائبریری بن چکا ہے یہ لوگ تاتاریوں کی طرح گھوڑوں سے بہت محبت کرتے ہیں۔ گھوڑوں سے بے رحمی سب سے بڑا ظلم اور جرم سمجھا جاتا ہے۔ مشہور انگریزی کہاوت ہے۔ کہ اگر گھوڑے اور آدمی میں سے کسی ایک کو گولی مارنے کا حکم دیا جائے۔ تو گھوڑے کو بچایا جائے اور آدمی کو گولی ماردی جائے موجودہ شاہی خاندان کے افراد گھوڑوں کا زیادہ شغل رکھتے ہیں۔ ڈربی کی گھوڑ دوڑ قومی یادگار بن چکی ہے۔ ہر ایک مکان یا دکان میں کسی گھوڑ دوڑ کی تصویر ضرور ہوگی۔ ٹیلی ویژن اور سینما اسکرین پر گھوڑ دوڑ کو بڑے ذوق و شوق سے دیکھا جاتا ہے۔

سال میں ایک دفعہ کرسمس کے دنوں میں انگریز پیٹ بھر کر شراب پیتا ہے۔ پیٹ بھر کھانا کھاتا ہے۔ اور ناک بھر کر سگریٹ پیتا ہے۔ اس لئے عام گورے کو قبض یا بدہضمی کی شکایت رہتی ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب وہ ہنستا ہے۔ تو روتا دکھائی دیتا ہے اور جب رونے لگتا ہے۔ تو قہقہوں کی آواز سنائی دیتی ہے۔ حتیٰ کہ انگریز اپنی ماں کی موت پر بھی خوشی کے آنسو بہاتا ہے۔ جیسے وہ مسکرا رہا ہے۔ حالانکہ وہ اُس وقت رونے کی کوشش کرتا ہے

ہیملٹ کا کردار ایک عام گورے کے رگ رگ میں سمایا ہوا ہے۔ بلکہ ہیملٹ کا کریکٹر ہر ایک بڈھے اور جوان میں موجود ہے۔ وہ اپنی بیوی کو ماں سمجھ کر اُس سے انتقام لینے کی فکر میں رہتا ہے جب انتقام نہیں لے سکتا۔ تو اپنے غم میں ڈوب جاتا ہے۔ اور اپنے اوپر غصہ کرتا ہے۔ بعض اوقات خودکشی کر لیتا ہے۔ اسی لئے انگریز بچے اپنے باپ کو اجنبی یا دشمن سمجھتے ہیں۔ بہت سے بچے اپنے باپ کو روح القدس کا درجہ دیتے ہیں ۔ وہ باپ نہیں رکھتے۔

انگریز اپنی تاریخی عمارتوں کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ وہ انہیں عجیب و غریب کہتے ہیں لیکن کسی انگریز کو عجیب و غریب کہا جائے۔ تو وہ خفا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ تاریخی عمارات دیکھنے کا بہت خواہش مند رہتا ہے۔ اور اُن کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے۔ مگر تاریخی عمارت سے اپنے آپ کو مشابہت دینا پسند نہیں کرتا۔ اُسے اگر خبطی یا پاگل کہا جائے۔ تو خوش ہو جاتا ہے۔ اور اسے اپنی تعریف جانتا ہے۔ وہ ہمالیہ کی چوٹی پہ ہو۔ یا افریقہ کے جنگلات اور ریگستانوں میں مارا مارا پھر رہا ہو۔ وہ ہمیشہ برطانیہ ہی یاد رکھتا ہے۔ تاکہ مصیبت میں اپنا قدم مضبوطی سے جمائے رکھے۔ انگریز نہ سراسیمہ ہوتے ہیں۔ نہ ہی بھگدڑ مچاتے ہیں۔ وہ اس امید میں رہتے ہیں۔ شاید برطانیہ بخیریت واپس پہنچ جائیں۔ اس لئے وہ مشکلات پر آسانی سے قابو حاصل کرتے ہیں۔ انگریز زیادہ باتیں کرنا نہیں جانتے۔ بلکہ خاموشی سے وہ اپنی روایتی جہالت اور بدتہذیبی کو چھپاتے ہیں۔ اگر بات کریں بھی تو انہیں خود محسوس ہوتا ہے۔ اُن کو خدا کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ وہ عورت سے بہت شرماتا ہے۔ اور اُس پر اعتبار بھی نہیں کرتا۔ وہ ہر وقت پیٹ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تعداد پیٹو ہیں۔ بدہضمی اور قبض میں مبتلا ہوتی ہے وہ ہر وقت بدبودار ڈکار لیتے ہیں۔ دن بھر میں وہ مشکیزہ بھر جائے ہی پی لیتے ہیں۔ وسکی اور بیر کے مٹکے خالی کر جاتے ہیں۔ گویا دائمی بھوک اور دائمی قبض اُن کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ ہمارے ملک میں پانچ وقت نماز پڑھی جاتی ہے اور دو دفعہ کھانا کھایا جاتا ہے۔ برطانیہ میں پانچ وقت کھانا کھایا جاتا ہے اور دو دفعہ نیند کی جاتی ہے۔

برطانیہ کا دوسرا نام جان بُل کا جزیرہ پڑ چکا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انگریز قوم ڈینگیں مارتی ہے۔ اور بڑی ہی لفنگی قسم کے جھگڑالو لوگ ہوتے ہیں۔ غیر مہذب اور گنوار بھی ہیں۔ لیکن انگریز برطانیہ کی از حد تعریف کرتے ہیں۔

برنارڈ شا نے کہا ہے۔ انگریز بہت کم سوچتا ہے۔ اگر وہ کبھی سوچتا بھی ہے۔ تو وہ

صرف برطانیہ کے بارے میں ہی سوچتا ہے۔ انگریز بہت خلوت پسند ہے وہ باہر کی دنیا کو اپنا دشمن سمجھتا ہے۔ جن کو قتل کرنا۔ مٹانا یا اپنے قابو میں رکھنا انگریز اپنا قومی فرض جانتا ہے۔ تاریخ میں سب سے زیادہ جنگیں برطانیہ نے ہی لڑی ہیں۔ بلکہ انگریزوں نے جنگ کو ایک پیشہ کی حیثیت دیکر قتل و غارت کو قومی مشغلہ بنا دیا ہے۔ اس جنگی ذہنیت نے برطانیہ کو غیر ممالک پر قابض کیا۔ برطانیہ غیر اقوام کا مذاق اُڑاتا ہے۔ اور اُن کو بڑا حقیر سمجھتا ہے۔ انگریزی قوم کا ذہنی ڈھانچہ یہ ہے۔ کہ برطانیہ کو ہر قیمت پر زندہ رکھو۔ اور کالی مخلوق کو برطانیہ پر قربان کردو۔

انگریز دوستی اور دشمنی کے درمیان کوئی فرق نہیں جانتا۔ وہ دوست سے دشمنی کرنے سے نہیں شرماتا۔ بلکہ دوست کو اپنے قومی یا ذاتی مفاد پر قربان کر دیتا ہے۔ اور اپنی دشمنی کو دوستی کا لباس پہنا کر مہذب پردوں میں چھپاتا ہے۔ تاکہ اُس کی دشمنی کسی پر ظاہر نہ ہو سکے یہی وجہ ہے۔ برطانیہ سچائی اور جھوٹ کو بھی اکٹھا کر دیتا ہے۔ یہ برف جیسی برفانی قوم خود پسند کم گو۔ خاموش۔ مغرور۔ خلوت پسند اور خود غرض ہوتی ہے۔ مگر انگریزی عورت زیادہ باتونی ہوتی ہے۔ اُس کا دماغ باتیں کرتے وقت خالی ہو جاتا ہے۔ وہ جب بولتی ہے۔ تو ڈکشنری کے سارے الفاظ استعمال کر ڈالتی ہے۔ برطانوی عورتیں اپنی بدکلامی۔ بیوقوفی اور بیہودگی میں بہت مشہور ہیں

سنہ ۱۵۰۰ء میں وینس کے ایک سفیر نے لکھا تھا۔ کہ برطانیہ کے باشندے واقعی مغرور اور خود پسند ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ذات کے عاشق ہوتے ہیں۔ بات دراصل یوں ہے کہ انگریزی قوم میں مختلف اقوام کی روح سرایت کر گئی ہے۔ یہ قوم مختلف اثرات کو اپنے اندر بہت آسانی سے جذب کر لیتی ہے اور اُسے سوائے برطانیہ کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ غیر ملکی اثرات کو انگریزیت میں مدغم کیا جاتا ہے ملک کی انگریزی زبان اس چیز کا ثبوت ہے۔ انگریزی زبان مختلف تہذیبی اثرات کے سما جانے سے بہت لچک اور جاذبیت رکھتی ہے۔ وہ آج عالمگیر زبان بن گئی ہے برطانیہ میں قابل افراد کی کمی نہیں رہی۔ ایک طرف بیکن ہے تو دوسری طرف نیوٹن۔ اس کے علاوہ ولنگٹن۔ نیلسن۔ منٹگمری اور چرچل بھی ہیں۔ وائسرائے۔ گورنر۔ قانون دان بیرسٹر۔ ڈاکٹر اور انجینئر بھی بےشمار ہیں۔ مزدوروں کو کشادہ دلی سے اُجرت دی جاتی ہے۔ انگریز قوم اپنے لیڈروں پر جان قربان کر ڈالتی ہے۔ ہر ایک فرد کو ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے لئے بہترین مواقع حاصل ہیں۔ تاکہ ہر ایک محنتی اور حوصلہ مند شخص ترقی کر سکے۔ اور کسی قسم کی رکاوٹ

محسوس نہ کرے۔ کہیں بادشاہ ہیں۔ کہیں ملکہ ہے۔ ڈیوک۔ انقلابی۔ پادری۔ باغی۔ دہریے جاہل، گنوار۔ عالم۔ فاضل۔ فلاسفر۔ سائنس دان۔ شاہ پسند۔ ڈاکو۔ لٹیرے۔ شرابی آزاد منش۔ لبرل۔ ٹوری۔ لیبر وغیرہ ہر قسم کے انگریز پائے جاتے ہیں۔ بقول مشہور انگریزی ادیب ڈیفو کے انگریز قوموں کی کھچڑی کہلاتے ہیں " آئرش۔ سکاچ۔ ویلش۔ پارکر کاکنی وغیرہ سب قسم کے قبائل اور افراد انگریزی قومیت کے عناصر ہیں۔

انگریز معتدل قسم کی قوم ہے۔ نہ زیادہ گرم اور نہ زیادہ برفانی نہ زیادہ جوشیلے نہ زیادہ جھگڑالو۔ نہ سنجیدہ نہ لفنگے۔ نہ موت سے گھبراتے ہیں۔ اور نہ زندگی سے زیادہ پیار کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہر حال میں خوش رہتے ہیں۔ اپنے آپ کو زیادہ پریشان نہیں کرتے حتیٰ کہ بڑے سے بڑا حادثہ بھی ان کو غم زدہ نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ شتر مرغ کی طرح خطروں سے بے خبر بھی نہیں رہتے۔ اور نہ ہی وہ خطرات کو دیکھ کر اپنا منہ چھپا لیتے ہیں۔ وہ اپنی غلطیوں کا ریکارڈ رکھتے ہیں۔ اور دوبارہ غلطیوں کے نزدیک نہیں آتے۔ یہ قوم ظاہراً خوش باش۔ خوش لباس۔ خوش اخلاق اور خوش دل ہوتے ہیں۔ جو انگریز پاکستان یا ہندوستان رہ چکے ہیں وہ اپنے ہم وطنوں میں واپس پہنچ کر زیادہ غلط بیانی سے کام کرتے ہیں وہ ضرور اپنے اس شکار کا حال بار بار ہر ایک مجلس میں سناتے ہیں۔ جب وہ انڈیا کے کلکتہ کے مال روڈ میں دو شیر اور تین ہاتھیوں کو ایک ایک بنگلہ کی چھت پر چڑھ کر مارا۔ باکس ٹان کے پہاڑ پر چڑھتے وقت ایک ریچھ جو کالا تھا۔ اس سے لڑائی مارا۔ ایک ہاتھ سے اسے گرا دیا۔ ایک گیدڑ کو امبالہ چھاؤنی میں اپنے شکاری کتے کو کھلایا۔ کراچی کے کلفٹن پورٹ پر ایک پٹھان سے لڑائی کیا۔ وہ پٹھان دس فٹ لمبا چھرا لے کر ایک برٹش لیڈی کو کھانے والا تھا۔ ہم نے گولی مارا۔ وہ مر گیا۔ لیڈی بچ گیا۔ انارکلی کے ایک شاپ میں اس کا لاکھ پونڈ چوری ہو گیا۔ چور نوٹوں کو کھا گیا۔ پنڈی کے مال روڈ پر اس کا ٹمٹم گھوڑا چرا کر لے گیا۔ پچاس فٹ سے چھلانگ لگا کر جمپ لگایا اور گھوڑے کو سیٹی مارا۔ ہم گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ ایک شیر کو رانی کھیت میں اپنے ہاتھ سے پکڑا۔ اور بمبئی کے چڑیا گھر کو مفت دے دیا۔ پشاور میں کابل رجمنٹ کے ایک لاکھ فوجی کو مار ڈالا۔ اور ہم کالا آدمی سے ایجابیٹ پالش کرایا اور لال بیوی سے شادی کر ڈالا۔

خاتمہ

انگریز کی قدامت پسندی۔ وقت کا صحیح اور جائز استعمال۔ اور چھوٹے موٹے گھریلو کاموں کو خود کرنا۔ محنت مزدوری کو ترقی کا زینہ سمجھنا۔ مزدوری کی عزت اور اسے فرض جاننا معمولی سے معمولی کاروبار کو اختیار کر کے اُسے کمال تک پہنچانا۔ مزدوری کو باعزت روزگار کا ذریعہ بنانا۔ جھاڑو دینے سے بھی شرم نہ کرنی۔ جھاڑو کو بھی اہم فرض سمجھنا اپنی ٹٹی کو خود صاف کرنا وغیرہ یہ تمام عادات انگریزی کردار کا جزو بن چکی ہیں ہمارے ملک میں جھاڑو کی فضیلت میں پیغمبر اسلام کے کردار کی مثال دی جاتی ہے مگر عمل بالکل نہیں کیا جاتا۔ بہت سے پاکستانی بھیک مانگ کر گذارہ کرتے ہیں مگر خاکروب کا کام کرنے سے شرماتے ہیں۔ برطانیہ میں ہر ایک مالک مکان اپنے گھر کی ٹٹی خود صاف کرتا ہے۔ جھاڑو دیتا ہے۔ اپنا کام کرنے سے عار نہیں کرتا۔ نوکروں کا تکلف سرے سے موجود نہیں۔ ہر ایک شخص اپنا چوہڑا ہے۔ اور نہ ہی اُن سے کوئی نفرت کرتا ہے۔ سڑکوں پر جھاڑو دینے والے خاندانی چوہڑے نہیں ہوتے۔ بلکہ جھاڑو دینا اور ٹٹی صاف کرنا بھی روزی کمانے کا معزز ذریعہ بن چکا ہے۔ جھاڑو صاف کرنیوالے کی سوسائٹی میں ویسی ہی عزت ہے جس طرح اور کام کرنے والے اپنے کاروبار میں مصروف ہیں۔

پاکستانی مزدور جو برطانیہ میں کام کرتے ہیں اُنکی زیادہ تعداد کارخانوں میں جاروب کشی کر کے اپنا پیٹ پالتی ہے۔ بلکہ زندگی بسر کرنے کے لئے ہر ایک کو جاروب کشی کرنی پڑتی ہے۔ جھاڑو دینے والے عام مزدوروں کی طرح سمجھے جاتے ہیں۔ بلکہ ایک انگریز نوجوان اپنی زندگی کا آغاز ہی جھاڑو دینے سے شروع کرتا ہے۔ اگر نالائق ثابت ہوا۔ تو ساری عمر جھاڑو ہی دیتا رہے گا۔ ورنہ لائق بن کر وہ جھاڑو کا پیشہ چھوڑ سکتا ہے۔ اسی لئے جھاڑو دینے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے لئے زندگی کا کوئی اور دلچسپ مشغلہ اختیار کر سکتا ہے۔ جھاڑو دینے والے بالآخر ترقی کر کے انجینئر۔ ڈاکٹر اور وزیر بن گئے۔ گویا برطانیہ میں ترقی کا دروازہ جھاڑو دینے سے کھلتا ہے۔ برطانیہ کے

چوہڑے ایک وقت پاکستانی نوابوں پر حکومت کر چکے ہیں۔ اب بھی پاکستانی امیر زادے ایک انگریز چوہڑے سے ہاتھ ملانا اور بات چیت کرنا فخر سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان کو اپنے ہاں مہمان رکھنا باعث عزت سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اپنے ملک کے چوہڑوں کو ذلیل سمجھتے ہیں۔ کوئی دوسرا شخص یہ پیشہ اختیار نہیں کر سکتا۔ حالانکہ رات دن والدین یا ڈاکٹر اور نرسیں بھی چوہڑے کا کام ہی سرانجام دیتے ہیں۔ برطانیہ کا چوہڑا ترقی کر کے سب کچھ بن سکتا ہے۔ گویا چھوٹے موٹے کاموں سے روزی کمانے کے لئے بے شمار ذرائع ہیں تاکہ سرکاری ملازمت کے لئے دفاتر کا دروازہ کھٹکھٹانے کے بجائے روزی کا بندوبست پرائیویٹ طور پر ہی ہو سکے۔ ہمارے ملک کا تعلیم یافتہ طبقہ صرف سرکاری ملازمت کو ہی باعث عزت سمجھتا ہے۔ شاید انگریزوں نے اپنے دوران حکومت ہم لوگوں کو برباد کرنے اور ذلیل کرنے کے لئے ہمارے دماغوں میں یہ چیز ڈال دی ہے۔ کہ کوئی بھی محنت مزدوری کا کام نہ کیا جائے۔ حالانکہ خود برطانیہ میں۔ مرد۔ عورتیں اور بچے محنت مزدوری کو زندگی کا لازمی جزو قرار دیتے ہیں۔

برطانیہ میں زندگی کسی خاص پیشہ تک محدود نہیں ہوتی۔ کوئی بھی پیشہ اختیار کر کے روزی حاصل کی جاتی ہے۔ اور پنشن بھی مل جاتی ہے۔ بلکہ پیشوں کا اختیار کرنا استعداد کارکردگی پر منحصر ہے یا اپنی پسند یا ناپسند پر موقوف ہے۔ ترقی کا میدان ہر وقت ہر ایک کے لئے کھلا رہتا ہے جس کا جی چاہے جوہر آزمائی کر سکتا ہے کسی قسم کی مجلسی پابندیاں عائد نہیں۔ انگریز روزی کمانے کے علاوہ اپنی زندگی کی دلچسپی اور مشغلہ کو بھی پیش نظر رکھتا ہے۔ جس سے آئندہ زندگی میں دلچسپی قائم رہ سکے اس کا محبوب پیشہ ہی ایک قیمتی مشغلہ بن جاتا ہے جو روزی کمانے کے علاوہ اس کی زندگی میں دلچسپی بھی قائم رکھتا ہے۔ مالی نفع ایک عارضی چیز یا ہنگامی لذت سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ وہ زندگی سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ اور ہم زندگی کا مقصد ہی کھو چکے ہیں۔

[ام پھرل]